محمود الفتاویٰ

جلد ششم

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

ترتیب
مفتی عبد القیوم راجکوٹی

مکتبہ محمودیہ
محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

محمود الفتاویٰ (مبوب)

جلد ششم

بقیہ کتاب البیوع، اجارہ، شرکت،
مضاربت، وکالت، مزارعت، وقف

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
(سابق صدر مفتی، حال شیخ الحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل)

مرتب: مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی

ناشر
مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

تفصیلات

نام کتاب: .... محمود الفتاویٰ (جلد ششم)

مرتب: .... مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی

کمپیوٹر سیٹنگ: .... محمد ساجد بن مصطفیٰ پٹنی ، عبداللہ بن اشرف مانگرولی

ناشر: .... مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

ملنے کے پتے

مکتبۂ انور، محمود نگر، ڈابھیل، 9924693470

ادارۃ الصدیق ڈابھیل، نزد جامعہ، 9904886188 / 9913319190

ادارۃ الصدیق دیوبند، نزد مدنی مسجد، مدنی روڈ، دیوبند، 9997953255

فہرست

کتاب الوکالة

کتاب المزارعة

باب الربا

سود سے متعلق چند سوالات

سوال: (۱) مفتی بہ قول کے مطابق سود کی تعریف کیا ہے؟

(۲) اختلاف حالات ومکانات واوقات اور اشخاص کے سبب سود کی تعریف میں اختلاف ہے یا نہیں؟

(۳) سود لینے اور دینے کی حرمت میں خفت وشدت ہے یا یہ کہ لینے دینے میں دونوں کا حکم ایک ہی ہے؟

(۴) اختلاف جنس کے سبب مکیلات، موزونات، معدودات میں ربا کا تحقق ہوتا ہے یا نہیں؟

(۵) نقد اور نساء میں مثلاً ایک شخص نے آج دس کیلو گیہوں یا دس گرام سونا یا دس انڈے اس شرط پر ادھار دیے کہ چند دنوں کے بعد مدیون دائن کو ادا کرے گا، تو دس کیلو گیہوں کے بجائے ۱۵ر کیلو یا کم وبیش یا دس گرام سونے کے بجائے ۱۲ر گرام یا کم وبیش اور دس انڈے پر بجائے ۱۲/ انڈے یا کم بیش دائن کو ادا کرے گا، تو ان صورتوں میں سود ہے یا نہیں؟

(۶) بینک سوسائیٹی اور کمیٹیوں وغیرہ سے جو روپیہ قرض لیا جاتا ہے، اس کو ید اًبیدٍ ادا نہیں کیا جاتا؛ بلکہ کچھ مدت کے لیے قرض لیا جاتا ہے، تو اس قرض کی ادائیگی میں بینک یا سوسائٹی یا کمیٹی جو زیادتی وصول کرتی ہے، یہ سود ہے یا نہیں؟

⑦ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان "الحنطة بالحنطة والشعير بالشعير والملح بالملح والفضة بالفضة والذهب بالذهب والتمر بالتمر مثلا يدا بيد والفضل ربوا" اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہے؟

⑧ سود کی مکمل تفسیر، شرعی حکم، بدرجہ مجبوری اس کے استعمال کی اجازت کے تعلق سے اور سودی قرض لینے دینے کے تعلق سے مفصل مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① "تنویر الابصار" میں ربوا کی تعریف یہ لکھی ہے: فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة.

(على هامش الشامی ٤/ ١٩٧،١٩٦)

② کہیں نظر سے نہیں گذرا۔

③ حدیث پاک میں باعتبار گناہ دونوں میں برابری بتلائی گئی ہے۔

④ علت ربوا دو امور ہیں: قدر اور جنس، جہاں دونوں موجود ہوں، وہاں کمی بیشی اور ادھار دونوں حرام ہوں گے، جہاں دونوں معدوم ہوں وہاں دونوں جائز اور جہاں ایک موجود ہو وہاں کمی بیشی جائز اور ادھار ناجائز۔ (كما هو مصرح في كتب الفقه)

⑤ جی ہاں!

⑥ وہ زیادتی سود ہے۔

⑦⑧ اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "مسئلہ سود" جو جواہر الفقہ جلد سوم میں ہے، مطالعہ فرمائیں۔ آپ کا سوال پورے باب الربا پر مشتمل

ہے، یہ مختصر جواب اس کا متحمل نہیں، کسی خاص جزئی کے متعلق دریافت کرنا چاہیں تو کرلیں، مکمل تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں، آپ بھی عالم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۰/ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

سود کی حرمت

سوال: (۱) نفسِ سود لینا دینا حرام ہے یا منفعت؟

(۲) سود جب مطلقاً حرام ہے، تو بعض صورتوں میں اس کی گنجائش کہاں سے آئی اور کس بناء پر آئی؟

(۳) کیا کسی کا یہ قول ہے کہ ''اگر شہر میں مستحقین زکوٰۃ نہ ہوں تو مالِ زکوٰۃ دریا میں ڈال دیا جائے''۔ اگر یہ قول ہو اور صحیح ہو تو اس پر قیاس کر کے سود کی رقم کو بھی ضائع کر دیا جائے تو کیا مضائقہ؟

(۴) سود کی رقم اگر سود ہی میں دی جائے تو کیا حکم ہے؟ مثلاً ایک شخص کی کچھ رقم بینک میں جمع ہے جس کا سود اس کو ملے گا، اور دوسری طرف اس نے بینک سے رقم سود پر لی ہے جس کا سود اس کو بھرنا ہے، تو پہلی رقم دوسری صورت میں دی جائے تو کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ حضرت والا مفصل جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (۲) سود کی حرمت منصوص اور قطعی ہے۔ ﴿حرم الربوا﴾ وغير ذلك من الآيات والأحاديث الصريحة في هذا الباب.

اصل تو یہ ہے کہ بینک میں رقم ہی نہ ڈالی جائے، کسی مجبوری کی وجہ سے جمع کرانی

پڑے تو فاضل رقم وہاں سے وصول کر کے غرباء کو دیدی جائے، اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے وبال سے محفوظ رکھے، اگر سرکاری محکمہ سے حاصل شدہ فاضل رقم غیر واجبی ٹیکس میں سرکار کو دیدی جائے تو یہ بھی درست ہے؛ بلکہ صدقہ سے مقدم ہے۔

(ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ)

③ ایسا کوئی قول احقر کے علم میں نہیں ہے۔

④ جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سودی قرض کس حالت میں لے سکتے ہیں؟

سوال: جب قرض لینے کی نوبت آئے تو جب بغیر سود کا کہیں بھی قرض نہیں ملتا، تو کیا مجبوری کی حالت میں سود کے ساتھ قرض لینا درست ہے یا نہیں؟ ایسی حالت ہے کہ بغیر لیے آگے کا کام ہوتا ہی نہیں تو اس حالت میں کیا کیا جائے۔؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ایسی مجبوری ہے کہ بھوک سے بے تاب ہے، کھانا نہ ملنے کی صورت میں جان کا اندیشہ ہے، اور کوئی آدمی کھلانے کے لیے یا بلا سود قرض دینے کے لیے تیار نہیں، تو ایسی صورت میں اتنا قرض سودی لینا کہ اس کے ذریعہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی جان بچائی جا سکے، درست ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ باقی آج کل لوگ اپنی تجارت بڑھانے کے لیے یا شادی بیاہ میں خرچ کرنے کے لیے سودی قرض لیتے ہیں، اس کی

قطعاً اجازت نہیں، یہ حرام ہے، شرعاً مجبوری صرف وہی ہے جو اوپر لکھی گئی کہ اس کے بغیر جان بچانا یا عضو بچانا ممکن نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۱ / ذوالحجۃ ۱۴۱۴ھ

سبسڈی حاصل کرنے کے لیے سودی قرض لینا

سوال: حکومت غریب رعایا کو بعض کاروبار کے لیے امدادی رقم دیتی ہے جس کو سبسڈی کہتے ہیں، اس امداد کو حاصل کرنے کے لیے کچھ رقم سودی قرض پر لی جاتی ہے جس کو قسطوں میں ادا کرنا ہوتا ہے، اور سود کی رقم مجموعی طور پر امدادی رقم سے زیادہ ہوتی ہے، تو شرعاً اس طرح کی امداد لینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ صورت جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹ / جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سبسڈی لینا

سوال: امسال ایک سرکاری لون لی جاتی ہے، اس کو "سبسڈی" کہا جاتا ہے، اس میں سود ہے؛ مگر سود کم ہے، فائدہ زیادہ جیسے: کسی نے دو ہزار لیے تو اب بینک میں بارہ سو دینے کے، ویاج ایک سو جیسا دینا ہوتا ہے، مطلب لینے والے کو سات سو کا نفع ہوا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سوال میں مذکورہ صورت شرعی طور پر سود کی تعریف میں نہیں آتی، مثلاً: پروجیکٹ

سے کسی نے چار ہزار روپئے کنواں بنوانے یا مکان بنوانے کے لیے نقد لیے، محکمۂ پروجیکٹ نے اپنے قاعدے کے ماتحت ایک ہزار روپئے بالکل صاف معاف کر دیا، اور فقط تین ہزار قائم رکھ کر دو سال کا موقعہ دیا، پھر دو سال کے بعد چھوٹی اور لمبی قسطیں ادائیگی کے لیے متعین کی، اور اس میں ان قسطوں پر کچھ اضافہ کر کے وصول کیا؛ مگر کل وصولی چار ہزار سے زائد نہ ہوئی، تو اب قسطوں کے ساتھ جو زیادتی تھی وہ سود نہ ہوگی، اور معاملہ بھی جائز رہے گا؛ کیوں کہ مجموعی قرض چار ہزار تھا، چار ہزار پر زائد وصول نہیں کیا گیا کہ ''فضل خال عن العوض الخ'' یا ''کل قرض جر نفعا'' وغیرہ ربوا کی تعریف صادق آسکے۔ (نظام الفتاویٰ ۱/۲۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سبسڈی والی لون لینا

(سوال): آدمی کے پاس کم زمین ہونے کی بناء پر اس کو حکومت کی طرف سے سبسڈی مل رہی ہے، اور اس میں لون کا لینا شرط ہے، مثال کے طور پر ۸۴۰۰/ آٹھ ہزار چار سو کی لون ملتی ہے، اس میں سے ۲۱۰۰/ دو ہزار ایک سو اس کو سبسڈی کٹ ہو جاتی ہے، اور اس میں بھی رشوت تو دینا ہوتا ہے، تین سو اس کو رشوت دینا ہوتا ہے، اور رشوت دیئے بغیر کام ہوتا نہیں، اور تین سال کے ہفتوں سے سود کے ساتھ وصول کر لی جاتی ہے، ۹۶۰/ نو سو ساٹھ روپیہ سود کے ہو جاتے ہیں، ۲۱۰۰/ دو ہزار ایک سو سبسڈی میں سے ۹۶۰/ نو سو ساٹھ روپیہ سود کے، تین سو روپیہ رشوت کے، کل ۱۲۶۰/ ایک ہزار دو سو ساٹھ روپیہ ہو جاتے ہیں، ۸۴۰/ آٹھ سو چالیس کا فائدہ ہے تو اس طرح کی

لون جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بھی تحریر فرماویں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ شخص ضرورت مند ہے، تو ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔ (نظام الفتاویٰ ۱/۲۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سبسڈی والی لون کا حکم

سوال: جو بچے اسکول میں دسویں پاس کئے ہیں ان کو اپنی سرکار دھندا کرنے کے لیے ۱۵/ ٹکا معافی کے ساتھ لون دیتی ہے؛ مگر باقی رقم بیاج کے ساتھ بھرنا پڑتی ہے مثلاً ایک لاکھ لون لیا ہو تو ۷۰/ ہزار بھرنا پڑتا ہے؛ لیکن بیاج کے ساتھ بھی بھرنے میں لاکھ تک نہیں پہنچتا ہے تو آیا یہ سرکاری بینک لون مدد لے کر دھندا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں اگر کل ادائیگی مع سود کے محکمہ کے کل دیئے گئے مجموعہ کے اندر رہے تو درست ہے۔ (ماخوذ از منتخبات نظام الفتاویٰ ۲۱۸) چوں کہ اس صورت میں شرعی طور پر سود کا تحقق نہیں ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ربیع الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مکان وغیرہ کے لیے سبسڈی والی لون

سوال: من جانب سرکار لون کی رقم ملتی ہے، مکان بنانے یا جانور وغیرہ

خریدنے کے لیے، ان میں سے دو حصے واپس کرنے پڑتے ہیں، اور ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے تو اس رقم کے متعلق کیا حکم ہے، لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

لون کی واپس کی جانے والی کل مقدار اس کی ملنے والی مقدار کے برابر یا اس سے کم ہے تو اس کا لینا درست ہے، ورنہ سود ہے جو جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کاشت کاری کے لیے سرکار سے قرض لینا

سوال: "میں شمشیر خان بہ مقام کرن کھیڑا" (ضلع دھولیہ) ایک زمین دار کاشتکار آدمی ہوں۔ بفضل اللہ ۱۳۱/ ایکڑ زمین کا مالک ہوں۔ اور اپنے پاس ذاتی ایک گاڑی ٹریکٹر بھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آج تک تو بندہ نے بلا اشد ضرورت کے قرض لینا غیرت نفس اور غیرت ایمانی کے خلاف سمجھا جس کا اثر علاقہ والوں پر اور غیر قوموں پر پڑا ہے کہ وہ ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ اتنا بڑا کاروبار، کاشتکاری یہ آدمی بغیر قرض لیے کیسے کرسکتا ہے؟ حتی کہ بسا اوقات افسران نے مجھ سے براہ راست مشافہتہ یہ کہا کہ تم حکومت سے اپنے کاروبار کے آگے بڑھانے میں یا اس کو بہ حال رکھنے میں مدد طلب کرو جس کی شکل یہ ہے کہ گورمنٹ سے قرض لو اس میں تمھارا کئی ایک فائدہ ہوگا۔ ایک تو یہ کہ حکومت کی بدگمانی سے تم بچ جاؤ گے جس کا لازمی نتیجہ انکم ٹیکس کے عدم وصول یابی میں ظاہر ہوگا۔ چوں کہ وہ انکم ٹیکس لازم ہی نہیں کرے گی۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ تم جس مقدار میں قرض لو گے رفتہ رفتہ حکومت اسے

بالکل ہی معاف کردے گی ورنہ کم ازکم نصف یا ثلث قرض تو معاف کرہی دے گی۔تو کیا ان تمام صورت حال کے ہوتے ہوئے شریعت مطہرہ حکومت سے قرض لینے کی گنجائش دیتی ہے؟اوراگراس صورت میں قرض لینے کی گنجائش ہے تو پھر یہ رشوت میں داخل ہوگا یا نہیں؟ ویسے بندہ اپنے کاروبار میں بہ وقت ضرورت قرض لیتا ہے لیکن عوام سے،حکومت سے قرض اس لیے نہیں لیتا ہوں کہ خطرہ ہے کہ یہ رشوت میں تو داخل نہیں ہے۔اگر شریعت کی نظر میں یہ صورت حال رشوت سے پاک وصاف ہوتو بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت سے ملنے والا قرض اگر سودی ہے تو اس کا لینا جائز نہیں۔سود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں اور حدیث میں اس پر لعنت آئی ہے اس لیے آپ کے لیے آپ کے اپنے کاروبار کو بڑھانے یا بہ حال رکھنے کے لیے حکومت سے سودی قرض لینا جائز نہیں ہے۔اگر وہ قرض سودی نہیں ہے بلکہ جتنی رقم بہ طور قرض ملی ہے اتنی ہی ادا کرنی پڑتی ہے یا اس سے کم کی ادائے گی آتی ہے تو وہ اس لیے درست ہے کہ سودی نہیں ہے بلکہ امداد ہے۔لیکن یہ معاملہ بھی پہلے اہل علم کے سامنے پیش فرما کراس کا حکم معلوم کرنے کے بعد عمل میں لائیں محض اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

اپاہجوں کے لیے سبسڈی والی لون کی ایک اسکیم

سوال: گورنمنٹ نے ایک اسکیم بنائی ہے کہ اپاہجوں کو ایک لاکھ کا لون دیتی ہے

جس کو ہر ہفتہ ادا کرنے کی صورت میں چالیس ہزار روپئے معاف کر دیے جاتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ ایک معذور ساتھی کی صورت حال یہ ہے کہ اس کے والد بوڑھے ہیں اور ایک بہن ہے جو شادی کے قابل ہے وہ ساتھی اس سکیم سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

حکومت جو رقم بطور قرض دیتی ہے اگر اتنی ہی رقم یا اس سے کم رقم ادا کرنا پڑتی ہے تو یہ قرض جائز ہے اس کو سودی قرض نہیں کہا جاوے گا بلکہ حکومت کی طرف سے امداد و تعاون شمار ہوگا۔ البتہ اگر حکومت کی طرف سے حاصل شدہ رقم سے زیادہ رقم ادا کرنا پڑتی ہے تو وہ زیادتی سود ہے جس کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/صفر المظفر ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بینک کے توسط سے رکشہ خریدنا

سوال: ایک آدمی کو رکشہ خریدنا ہے؛ لیکن اس میں بینک کا وسیلہ اختیار کرنا پڑتا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے: رکشہ اگر براہ راست اپنے نام پر خریدا جائے تو مثلاً تیس (۳۰) ہزار میں ملتا ہے اور اگر بینک کے واسطے سے خریدا جائے تو ۳۲/ ہزار میں ملتا ہے، اس شکل میں رکشہ کی چوتھائی قیمت کا حصہ پیشگی اور بقیہ رقم قسط وار ادا کرنی ہوتی ہے، رکشہ بینک کے نام رہے گا اور اس میں کچھ تصرف مثلاً بیچنے کا اختیار ہم کو نہیں ملے گا؛ لیکن جو نقصان ہو اس کی تلافی خود کرنی ہوگی، بینک اس کی ذمہ دار نہیں، قسط وار رقم پوری ہونے پر رکشہ ہمارے نام پر ہوگا اور تب جا کر اس میں تصرف

کا حق بھی ملتا ہے اس صورت میں بینک کے وسیلے سے رکشہ خرید نا درست ہے یا نہیں؟ اور زائد رقم (مثلاً دو ہزار) کیا سود ہو گی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر معاملہ اس طرح کیا جائے کہ بینک کمپنی سے رکشہ خرید کر آپ کو بتیس (۳۲) ہزار میں فروخت کرے جس کی قیمت کا ایک چوتھائی آپ پہلے ادا کریں اور بقیہ رقم بالاقساط ادا کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (نظام الفتاوی ۱/ ۳۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی قرض لے کر تجارت کرنا

سوال: ایک شخص کپڑے کی تجارت کرنے کے لیے سود پر روپیہ قرض لینا چاہتا ہے، اگر سود پر رقم قرض نہ لیں تو کاروبار چل نہیں سکتا، دس ہزار کی رقم پر ماہانہ دوسو پچیس روپیہ سود ہوتا ہے، اور اگر سود پر نہ لیں؛ بلکہ کسی تاجر سے مال قرض لیں تو اس حالت میں دس ہزار کے مال پر ایک ہزار پانچ سو روپئے، قرض دینے والا تاجر زیادہ لیتا ہے؛ حالاں کہ یہی مال اگر نقد میں لیں تو اصلی قیمت پر، یعنی دس ہزار کے مال پر دس ہزار ہی لیں گے، اور اگر قرض لیں تو گیارہ ہزار پانچ سو روپئے لیتے ہیں، سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سود پر روپیہ قرض لیں تو ماہانہ دوسو پچیس روپیہ سود لیتے ہیں، اور اگر مال قرض لیں تو دوسو پچیس کے بدلہ میں ایک ہزار پانچ سو زیادہ جاتا ہے؛ لہذا ان حالتوں میں کونسی حالت اختیار کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود حرام ہے، سود لینے والے اور دینے والے اور سود کا رقعہ لکھنے والے اور گواہی دینے والے پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔ لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربو وموکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: هم سواء (مشکوٰۃ شریف ۲۴۴) اس لیے سود پر قرض لینا جائز نہیں؛ بلکہ حرام ہے، رہا تاجر کا اپنے مال پر منافعہ لینا، تو وہ سود نہیں ہے؛ بلکہ تجارت سے حاصل شدہ منافعہ ہے، اس لیے جائز اور درست ہے، ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ حلال اور جائز ہی کو اختیار کرتا ہے اور حرام و ناجائز سے سخت پرہیز کرتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی لین دین کرنا

سوال: بینک ہمارے بیوپاری یونین کو قرضہ دیتی ہے؛ مگر سود کم لیتی ہے، بینک سے ہم قرض اس لیے لیتے ہیں کہ ہماری مالی حالت بہت کمزور ہے، اگر ہم قرض بینک سے نہ لے تو انکم ٹیکس والے ہمارے سے پانچ یا دس ہزار روپئے مانگتے ہیں، اگر ہم انہیں بینک کا کہے تو ہم سے بہت کم سود لیتے ہیں، محض ہم بینک کے قرض کی وجہ سے بچ جاتے ہیں، اگر ہم اس کام کو انجام نہ دے تو ہمارا کاروبار رُک جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم بیوپاری سے مال لیتے ہیں، وہ بیوپاری آٹھ یا دس دن کی سہولت دیتا ہے؛ اگر بیوپاریوں کو دو یا چار روز بعد پیسہ لیٹ پہنچا تو وہ سود کے ساتھ پیسہ وصول کرتے ہیں، بینک کے سود سے بیوپاریوں کا سود زیادہ ہوتا ہے، تو ہم اس حالت (صورت)

میں کیا کریں؟ (سنی جماعت کے علماؤں کا کہنا ہے کہ بینک سے قرضہ لینا جائز ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ: یہ اپنی اسلامی حکومت نہیں)، اپنی اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے لے سکتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے، قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: حرم الربوا (یعنی اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے) جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا یہ حشر بیان کیا گیا: ﴿الذین یأکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطٰن من المس﴾ (یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط (پاگل) بنا دیا ہو)۔

حضرت نبی پاک ﷺ کا مبارک فرمان ہے کہ: دیدہ ودانستہ سود کا ایک درہم کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ (مشکوۃ ۲۴۶)

حدیث پاک میں سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے سب کے اوپر لعنت آئی ہے۔ (مشکوۃ شریف)

حضرت رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: سود کے ستر درجے ہیں اور ان میں سب سے ہلکا درجہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنے کے برابر ہے۔ (مشکوۃ)

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ: سود سے اگرچہ مال بڑھتا ہے؛ مگر اس کا انجام قلت ہے۔ (مشکوۃ)

سودی کاروبار کے ذریعہ مسلمان کسی حال میں ترقی نہیں کرسکتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے، اس لیے آپ بالکلیہ اس کو ترک فرما کر سچے دل سے

تائب ہوجائیں، اسی میں دین و دنیا دونوں کی فلاح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ر شعبان ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سودی قرض لے کر گاڑی خریدنا

سوال: (۱) ایک آدمی ہے زید، وہ کاروبار کرنا چاہتا ہے، اور اس کے پاس پیسے بھی اتنے ہیں کہ وہ کاروبار بہت ہی آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے، مثال کے طور پر زید کارخانہ لگانا چاہتا ہے یا گاڑی خریدنا چاہتا ہے اور اس کے پاس اتنے پیسے ہیں کہ نقد دے کر خرید سکتا ہے گاڑی؛ لیکن حالت یہ ہے کہ سرکار اب اسے پریشان کرتی ہے کہ پیسے کہاں سے لائے؟ لاؤ ٹیکس، لاؤ انکم ٹیکس، لاؤ فلاں ٹیکس، لاؤ فلاں ٹیکس وغیرہ؛ غرض یہ ہے کہ وہ طرح طرح سے پریشان کرتی ہے، اور بعض مرتبہ پوری پوری رقم بھی ضبط ہوجاتی ہے، اور اگر زید سودی طریقہ سے لیتا ہے یعنی کہ بینک سے قرض لیتا ہے یا پھر جو گاڑیوں کی کمپنیاں ہیں اس سے سودی طریقے پر خریدتے ہیں، یعنی گاڑی کی کل تین لاکھ روپئے قیمت ہے، اس میں ایک لاکھ روپئے نقد جمع کیا، باقی دو لاکھ روپئے دو سال میں جمع کرنا ہے اور یہ دو لاکھ روپئے سود کے ساتھ ہے (کیوں کہ گاڑی کی اصل قیمت ڈھائی لاکھ روپئے ہے) بہر حال اس طریقے سے کاروبار کرنے میں یا گاڑی خریدنے میں کوئی مغزماری نہیں ہے، اب آنحضور والا سے ضروری بات معلوم کرنی یہ ہے کہ اب اگر مسلمان یہ سودی کاروبار کا خیال رکھتا ہے اور کاروبار نہیں کرتا ہے تو پیچھے رہ جاتا ہے، اور اگر کرتا ہے تو ہندوستان میں اس سودی لین دین سے چھٹکارا

نہیں، تو کیا زید اس حکومت میں اس طرح کا کاروبار کرسکتا ہے؟ یا مندرجہ بالا طریقے سے گاڑی خرید سکتا ہے:

② اور دوسرا ایک طریقہ یہ ہے کہ گاڑی والے جو ہیں گاڑی بیچتے ہیں، وہ اس طریقہ سے کہ اتنے دن میں اتنے روپئے کرایہ کے طور پر ادا کردینا پھر اس کے بعد یہ گاڑی تمہاری ہوجائے گی، اب ضروری بات یہ ہے کہ یہ جو روپئے ہم اتنے دن میں جمع کررہے ہیں اس کو جب جوڑتے ہیں تو اس کا بھی ٹوٹل وہیں کو پہنچتا ہے جتنا کہ سودی طریقے سے خریدنے کی صورت میں؛ البتہ یہ ہے کہ گفت وشنید کے طریقے اس میں بدل دیتے ہیں، اور مذکورہ بالا دو طریقے پر گاڑی بیچنے والا گاڑی بیچتا ہے اور خریدنے والا خریدتا ہے، تو کیا اس طریقہ پر گاڑی خرید کرسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سود کی حرمت فروعی اور استنباطی نہیں؛ بلکہ منصوص اور قطعی ہے۔ ﴿وحرم الربوا﴾ (اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے) قرآن وحدیث میں اس پر بے شمار وعیدیں آئی ہیں: حدیث پاک میں سود کے ایک درہم کو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت بتلایا گیا ہے۔ حدیث پاک میں سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے سب پر لعنت آئی ہے اور ان سب کو نفس گناہ میں برابر قرار دیا ہے۔ حدیث میں سود کے ستر اجزاء بتلا کر سب سے ہلکا جزء اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر بتلایا گیا ہے۔

دورِ نبوت ودورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جن مسلمانوں کو خطاب فرما کر سود حرام قرار دیا گیا اور سخت وعیدیں سنائی گئیں ان کے مالی واقتصادی حالات دورِ حاضر کے مسلمانوں

کے اقتصادی ومالی حالات سے زیادہ خراب، خستہ اور دردانگیز تھے، وہ حضرات کفار کے قرضہ میں دبے ہوتے تھے، کفار ان کا خون چوس رہے تھے، پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، کئی کئی روز تک فاقہ کرتے تھے، بھوک کی وجہ سے غش کھا کھا کر گرجاتے تھے، دو دو تین تین مہینے گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی، کپڑا بھی پوری تن پوشی کے لیے موجود نہیں تھا، چادر ہے تو تہبند نہیں، تہہ بند ہے تو کرتا نہیں، بچوں کو بھوکا روتا ہوا دیکھ کر تین چار دانے کھجور حاصل کرنے کے لیے یہود کی مزدوری کرنا پڑتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ازواج مطہرات کے نفقہ کے لیے اپنی جہاد میں کام آنے والی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھنے کی نوبت آئی، اسی حال میں آپ کا وصال ہوا، ان حالات کے باوجود ان حضرات کو کفار کے مال ودولت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو بھی منع فرمادیا گیا: ﴿ولا تمدن عينيك إلى ما متعنا به أزواجاً منهم زهرة الحيٰوة الدنيا لنفتنهم فيه، ورزق ربك خير و أبقٰى﴾ ترجمہ: ”اور ہرگز آنکھیں اٹھا کر بھی آپ ان چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جن سے ہم نے ان (دنیاداروں) کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لیے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ سب کچھ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے، اور آپ کے رب کا عطیہ ان سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے“۔ مال میں کفار کی حرص کو قرآن پاک نے منع فرمایا ہے، مگر اسی کو آج مسلمان بار بار للچائی ہوئی نظریں اٹھا کر دیکھتا ہے اور انہی کی روش پر چلتا یا چلنے کے لیے راستہ تلاش کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بھی اسی منزل پر پہنچے گا جس منزل پر وہ پہنچے۔

سودی کاروبار کے ذریعہ سے نہ مسلمان کا مال ترقی کرسکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ”إن الربوا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل“ (یعنی

سود خواہ کتنا ہی زیادہ ہو اس کا انجام کار قلت ہے)۔

نہ مال محفوظ رہ سکتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:﴿یمحق اللہ الربوا﴾(یعنی اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے)۔

لہذا سودی کاروبار کو مال مسلم کی حفاظت یا ترقی کا ذریعہ تجویز کرنا نصوص قرآن وحدیث کا مقابلہ کرنا ہے، مسلمانوں کی کامیابی اور ترقی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں؛ بلکہ اس کی ترقی اور کامیابی احکام شریعت کی پابندی میں ہے، حرام اور لعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے۔(فتاوی محمودیہ ۴/ ۲۰۴-۲۱۱ ملخصاً)

(۲) اگر اجارہ کا معاملہ ہے تو اس میں اجارہ کے صحیح ہونے کے لیے شرعاً جو شرائط ضروری ہیں ان کا پایا جانا ضروری ہے، اگر وہ شرائط موجود ہیں تو معاملہ درست ہوگا، آپ نے سوال میں معاملہ کی پوری تفصیل تحریر نہیں فرمائی ہے، معاملہ کی مکمل نوعیت تحریر فرما کر حکم معلوم کرلیجئے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود پر گاڑی خریدنا

(سوال): میں ابوبکر احمد تاجر ہوں، ماربل پتھر کی دوکان ہے، کمپنیوں سے ربط ضبط ہے، گاڑی کی ضرورت پڑتی ہے، فی الوقت ہمیں گاڑی کی ضرورت ہے اور گاڑی کی قیمت ۴/ لاکھ پچاس ہزار ہے؛ مگر کمپنی والے کا کہنا ہے کہ ۴/ لاکھ پچاس ہزار کا سود دینا ہوگا جو بھی ہو، اور ہمارے پاس اتنی بڑی رقم نہیں کہ گاڑی لے سکوں، کیا میں ایسی

صورت میں تجارت کے لیے گاڑی کمپنی سے لے سکتا ہوں، اور سود دینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن اور حدیث میں سود کے لینے اور دینے کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس پر بڑی بڑی وعیدیں آئی ہیں، سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے سب پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، اور سب کو نفسِ گناہ میں برابر قرار دیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: ۲۴۴)

سود کے ستّر اجزا ہیں، سب سے ہلکا جز ماں سے بدفعلی کرنے کے برابر ہے۔

(مشکوٰۃ: ۲۴۶)

آپ اپنی تجارت کے لیے سود پر گاڑی لینا چاہتے ہیں یہ جائز نہیں، کہیں سے بلا سود قرض ملتا ہو تو اس سے گاڑی خریدیں، ورنہ کرایہ کی گاڑی سے اپنی ضرورت پوری کر سکتے ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۶/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

کمپنی اور بینک سے گاڑی خریدنا

سوال: آج کل عام طور پر گاڑیاں سود پر قرضہ لے کر خریدی جاتی ہیں اس کے لیے لوگ بینکوں سے قرضہ لے کر گاڑی خریدتے ہیں بینکوں کے علاوہ دوسری بعض کمپنیاں بھی ایسی ہیں جو اس کے لیے مخصوص ہیں مگر بینکوں میں اور ان کمپنیوں میں دو فرق ہیں ایک یہ کہ بینک سے ہمیں خود پیسے لے کر گاڑی بیچنے والوں کو دینا پڑتا ہے اور اس کے بالمقابل کمپنیوں کا حال یہ ہے کہ صرف ان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ہمیں

گاڑی کی ضرورت ہے وہ لوگ خود گاڑی خرید کر ہمیں دیتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ بینک سے پیسے لینے کے بعد قرض کی ادائے گی میں جتنی تعجیل ہوگی اتنی ہی سود کی مقدار میں کمی ہوگی۔ اور جتنی ادائیگی میں تاخیر ہوگی اتنی ہی سود کی مقدار بڑھتی چلی جائے گی۔ اس کے بالمقابل کمپنیوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگ پہلے ہی سے بتا دیتے ہیں کہ تم کو اتنی رقم بھرنا ہوگا اور اتنی مدت میں بھرنا ہوگا اور وہ بھی قسط وار ہر مہینہ اتنا اتنا بھرنا ہوگا چاہے تم مدت معینہ سے پہلے بھرو یا وقت پر بھرو رقم کی مقدار میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ تو کیا اس صورت میں کمپنیوں سے گاڑی خریدنا جائز ہوگا؟ کیوں کہ اس میں بظاہر تو صورت بیع کی نظر آتی ہے۔ کمپنی کی طرف سے گاڑی اور ہمارے طرف سے پیسے۔ اور حکومت نے بھی اپنے ذاتی پیسوں سے نقد گاڑیاں خریدنے پر پابندیاں لگا رکھی ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کمپنیوں سے گاڑی خریدنے کی جو صورت سوال میں مذکور ہے وہ شرعاً جائز اور درست ہے۔ اور اس میں شرعی اعتبار سے سود لازم نہیں آتا۔ اس کے برخلاف بینک کے ذریعہ گاڑی خریدنے میں سود کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ اس لیے بینک والی صورت چھوڑ کر جائز صورت اختیار کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اسٹیمر خریدنے کے لیے لون لینا

سوال: زید ایک ایسا آدمی ہے جو مدارس ومکاتب نیز دیگر امور دینیہ میں اپنی

کمائی سے اچھی خاصی مدد کرتا ہے، زید کا کاروبار بہت اچھا ہے، الگ اسٹیمر خریدتا ہے اور اس کو تو ڑواتا ہے، جس سے کافی آمدنی ہوتی ہے؛ مگر یہ اسٹیمر خریدنے کا کام بغیر بینک سے لون لیے نہیں ہو پاتا، بینک سے لون لینا ہی پڑتا ہے، بینک سے لون لینے کے بعد پھر اس کو سود ادا کرنا پڑتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ دھندا چھوڑیں جس کو کرنے کے لیے بینک سے سود لینا پڑتا ہے تو مدارس و مکاتب میں امداد سے محرومی ہوتی ہے، اور اگر لون لیتے ہیں تو اس پر سود ادا کرنا پڑتا ہے، اب ایسی صورت میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے اس کو خوب مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی حرمت فروعی اور استنباطی نہیں؛ بلکہ منصوص اور قطعی ہے۔ ﴿وحرّم الربو﴾ (اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے) تحریم ربوا نازل ہونے پر بقایا سود کے وصول کرنے کی بھی ممانعت کردی گئی؛ بلکہ اس کو بمنزلۂ شرط ایمان قرار دیا گیا۔ ﴿وذروا مابقي من الربوا إن كنتم مومنين﴾ (سود کا بقایا چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو)۔ جو لوگ سود لینے سے باز نہ آئیں ان کے لیے اعلان جنگ ہے: ﴿فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ (اگر تم نے ایسا نہ کیا یعنی سود مابقایا نہ چھوڑا تو اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے)۔

حدیث پاک میں سود لینے والے، دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے سب پر لعنت آئی ہے اور سب کو گناہ میں برابر قرار دیا ہے۔ سود کے ستر اجزاء میں سب سے ہلکا جزء ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔ سود کا ایک درہم چھتیس دفعہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید ہے۔

سود سے مال بظاہر بڑھتا ہوا نظر آوے گا؛ مگر اس کا انجام قلت ہے۔ سودی کاروبار کے ذریعہ نہ مسلمان کا مال ترقی کر سکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''سود خواہ کتنا ہی زیادہ ہو اس کا انجام قلت ہے''، نہ مال محفوظ رہ سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتا ہے''۔ لہذا سودی کاروبار کو مال مسلم کی حفاظت یا ترقی کا ذریعہ تجویز کرنا نصوص قرآنی وحدیث کا مقابلہ کرنا ہے، مسلمان کی کامیابی اور ترقی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں؛ بلکہ اس کی ترقی وکامیابی احکام شریعت کی پابندی میں ہے، حرام ولعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے، دینی اور مذہبی اداروں کو اگر حرام مال سے چلایا جائے گا تو ان سے ایسے لوگ تیار ہوں گے جو خود بھی حرام وحلال کی تمیز سے بے بہرہ ہوں گے، اور قوم کو حرام سے روکنے کا جذبہ بھی ان میں نہیں ہوگا، اسی طرح ایسے لوگوں کو تیار کرنا ظاہر ہے کہ کوئی دینی خدمت نہیں جس سے رضائے خداوندی میسر آسکے جو مسلمان کی خلقت کا اصل مقصد ہے، الخ۔ (فتاوی محمودیہ ۴/ ۲۰۴ تا ۲۱۱ ملخصاً)

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ میرے نزدیک شک وشبہ کا ایک درہم واپس کر دینا چھ لاکھ درہم راہِ خدا میں صرف کرنے سے بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تجارت کے لیے سودی قرض

سوال: بعض لوگوں کے پاس کسی بزنس (تجارت) کے شروع کرنے کے لیے

اپنا سرمایہ موجود ہوتا ہے؛ لیکن انکم ٹیکس کی مجبوری کی وجہ سے مکمل رقم حکومت کے سامنے نہیں لا سکتے، اور اس مجبوری کی وجہ سے بینک سے سود پر قرض لینا پڑتا ہے، تو کیا صورت مذکورہ کی وجہ سے اس کی اجازت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قانون سے بچنے کے لیے لون لینا

سوال: ایک آدمی مالدار ہے، اس کو لون لینے کی ضرورت نہیں؛ مگر بغیر لون لیے اگر کوئی بڑا کاروبار کرنے جاتا ہے تو سرکاری قانون اس کو پریشان کرتا ہے اور انکم ٹیکس والے حساب مانگتے ہیں تو آیا قانون سے بچنے کے لیے لون لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لون ایک طرح کا سودی قرض ہے اور سود کا لینا اور دینا دونوں قرآن وحدیث کے نصوص قطعیہ کی رو سے ناجائز اور حرام ہے، اس لیے اس کی اجازت نہیں ہے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ / ربیع الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سرکاری ٹیکس سے بچنے کے لیے سودی قرض لینا

سوال: آج کل سرکاری ٹیکسوں سے بچنے کے لیے عام طور پر بڑے تاجر کاروبار کے منافع میں بہت تھوڑا سا حصہ پکے حساب میں ظاہر کرتے ہیں، اور زیادہ

تر حصہ چھپاتے ہیں تاکہ سرکار کو ٹیکس کم ادا کرنا پڑے، اس طرح کے چھپائے ہوئے حصے کو آج کل کی اصطلاح میں بلیک (سیاہ) رقم کہتے ہیں، جس کو دوسرے لفظوں میں غیر قانونی بھی کہہ سکتے ہیں، اور پکے حساب میں ظاہر کی ہوئی رقم کو وہائیٹ (سفید) رقم کہا جاتا ہے، اس طرح کی سیاہ رقم کو سفید رقم بنانے کی کچھ صورتیں بھی ہیں جن کو کاروباری حضرات جانتے ہیں، ان میں سے ایک شکل بینک سے لون لینے کی ہے جس میں سود بھی دینا پڑتا ہے؛ لیکن دقت کم ہوتی ہے اور دیگر صورتوں میں بھی فی صد کچھ رقم تو دینی پڑتی ہے؛ لیکن دقت زیادہ ہوتی ہے۔

بینک سے لینے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک لاکھ روپیے کا کاروبار کرنا ہے اس کے پاس اتنی بلکہ اس سے زائد رقم موجود بھی ہے؛ لیکن سب قانونی نہیں ہے؛ اس لیے اس کو ظاہر نہیں کرسکتا؛ لہذا بینک سے رقم سود پر لیتا ہے جس کو پھر وہ مع سود ادا کردیتا ہے۔ اور بینک کے علاوہ قانونی بنانے کی شکل یہ ہے کہ مثلاً ایک تاجر کے پاس سفید رقم کافی مقدار میں موجود ہے اس سے قرض لیا جائے؛ لیکن اس صورت میں اس تاجر کو حکومت کو ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے؛ اس لیے یہ تاجر بھی اپنے مقروض سے فی صد کچھ رقم (سود) لیتا ہے، اور بعض بڑے تاجر تو اس کو مستقل کاروبار کے طور پر ہی کرتے ہیں۔

اب سوال طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں قسموں کی شکلوں میں سے شرعاً جائز کون سی شکل ہے؟ بالفرض اگر دونوں کا حکم ایک ہی ہے تو بہتر کون سی شکل ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سیاہ رقم کو سفید بنانے کے لیے بینک سے یا کسی بڑے تاجر سے رقم قرض لینے کی

صورت میں سود دینا پڑتا ہے، تو ٹیکس میں چوری کر کے جو رقم بچائی تھی وہ اس راہ سے گئی، فرق صرف اتنا ہے کہ سود والی صورت اپنی پسند فرمودہ اور اختیار کردہ ہے گویا اپنی مرضی سے سود دینے کے لیے آمادہ ہوا، اور ٹیکس والی صورت اضطراری یعنی غیر اختیاری ہے جس کی وجہ سے اس کا وبال خود پر نہیں پڑتا ہے، تو پھر رقم کو سیاہ اور سفید بنانے کا مکر کرنے کے بجائے شروع ہی سے سفید بنانے کی صورت کیوں نہ اختیار کی جائے؛ اس لیے آپ نے سفید بنانے کی جو دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں دونوں ہی ناجائز ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قسطوں پر گاڑی خریدنا

سوال: گاڑی ہفتہ پر لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کی سود کی رقم سے گاڑی خریدنا جائز نہیں، اور اگر اپنی ذاتی رقم سے خرید رہے ہیں تو پوری رقم نقد دے کر بھی خرید سکتے ہیں، اور ادھار (بشرطیکہ رقم کی ادائیگی کی مدت سودا کرتے وقت متعین کر دی گئی ہو) بھی خرید سکتے ہیں، اب اس ادھار میں ادائیگی کے لیے ہفتہ مقرر کیے گئے ہیں تو وہ بھی درست ہے؛ البتہ بینک سے لون لے کر ہفتہ پر جو گاڑی خریدی جاتی ہے اس میں چوں کہ سود دینا پڑتا ہے، اور سود کا دینا اور لینا قرآن اور حدیث کی رو سے حرام ہے، اس لیے درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ — املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ

سودی آمدنی سے دی ہوئی تنخواہ حلال نہیں

سوال: ہم کسی مکتب یا لائبریری میں دینی تعلیم دیتے ہیں، لائبریری چلانے والا تاجر ہے، مگر سودی لین دین کرتا ہے تو کیا وہ تنخواہ ہمارے لیے حلال ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ کی تنخواہ سودی آمدنی سے دی جاتی ہے تو وہ حلال نہیں ورنہ حلال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بینک کے سود کو نفع کہہ دینے سے حقیقت بدل نہیں جاتی

سوال: یہاں ایک صاحب کہتے ہیں کہ بینک سے حکومت ہم کو جو سود دیتی ہے وہ ہمارا نفع ہے؛ اس لیے کہ اگر لوگ بینک میں روپیہ جمع نہ کریں تو حکومت اپنے کام نہیں کرسکتی مثلاً حکومت روڈ کا کام کرتی ہے، بڑے بڑے بریج (پل) بناتی ہے، اسی طرح بڑے بڑے کارخانے اور بلڈنگ بناتی ہے، تو حکومت بینک سے روپیہ لیتی ہے اور کام کرتی ہے گویا ہمارا روپیہ تجارت میں لگ گیا؛ اس لیے یہ پیسہ جو حکومت ہمیں سود کے نام سے دیتی ہے وہ دراصل ہمارا منافع ہے، ان صاحب کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو حضرات بینک سے حاصل ہونے والے سود کو نفع کا نام دے رہے ہیں، یہ وہی نظریۂ جاہلیت ہے جس کو قرآن پاک نے ﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾ سے بیان

کیا ہے، نفع کا نام دینے سے سود کی حقیقت نہیں بدل جاتی، یہ سود ہی ہے اور حرام ہے اس سلسلہ میں تفصیل مطلوب ہو تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ مسئلہ سود (جو اس موضوع پر ہے اور مفصل ہے) کا مطالعہ فرمائیں، نیز معارف القرآن میں بھی اس کی بقدر ضرورت تفصیل فرمائی گئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گروی رکھی ہوئی زمین سے انتفاع درست نہیں

سوال: (۱) زید نے احمد کے پاس اپنی زمین گروی رکھ دی، تو کیا احمد اس زمین سے فصل حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کیا گروی رکھی ہوئی زمین سے باجازت مالک نفع حاصل کرنا سود میں داخل ہے؟

(۳) اگر یہ معاملہ سودی ہو گیا تو پھر اس معاملہ کو کس ترکیب سے حلال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (۲) انتفاع مرہون سے اگر مشروط یا معروف ہو جیسا کہ آج کل ہے اور ربوا حرام ہے، اور ربوا اذن سے حلال نہیں ہوتا۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۵۴)

قال ط قلت: والغالب من أحوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع الخ (شامی ۵/ ۳۴۳)

(۳) مرتہن (احمد) اس سے فصل حاصل نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مکان مرہون سے انتفاع

سوال: کسی گھر کے مالک کے کہنے کے مطابق کچھ پیسے مثال کے طور پر بیس ہزار روپئے دے کر اس کے گھر میں پانچ یا دس سال رہنا، پھر اس کے بعد یعنی مدت ختم ہونے کے بعد اپنے پیسے لے کر چھوڑنا جائز یا نہیں؟ یہاں پر اس کو ''دھناوٹ گھر'' کہتے ہیں، یعنی کوئی کرایہ نہیں، کچھ سال پیسے دے کر ٹھہرے، پھر سال گذرنے کے بعد اپنے پیسے لے کر مالک کا گھر مالک کو دے دیتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں مکان مرہون سے انتفاع ہے، جو شرعاً جائز نہیں ہے، یہ بھی سود کی ایک صورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

یونٹ ٹرسٹ میں رقم جمع کرنا

سوال: ایک دینی ادارہ ہے، یہ ادارہ ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' میں اپنی رقم رکھنا چاہتا ہے؛ تاکہ اس رقم سے حاصل ہونے والے منافع کو مدرسین کی تنخواہ کے لیے استعمال کر سکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے علم کے مطابق ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' زیادہ تر اپنی رقوم بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں کو سود پر دیتا ہے، اس لیے اس میں رقم رکھنا؛ نیز اس کے حاصل شدہ

منافع کو مدرسین کی تنخواہ میں استعمال کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حکومتی ادارہ انسٹی ٹیوٹ سے سودی قرض لینا

سوال: فائنانس انسٹیٹیوٹ کی تفسیر یہ ہے کہ حکومت کمزور طبقات کو معاشی طور پر بلند کرنے کے لیے کچھ شرائط کے ساتھ قرض رقم دیتی ہے، دراصل یہ کام مرکزی حکومت کے ماتحت ایک ادارہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے، اس ادارہ کی صوبائی شاخیں بھی ہوتی ہیں، جو مرکز سے امداد حاصل کر کے اپنے صوبہ کے کاروبار کرنے کے خواہش مند حضرات کو حسبِ ذیل شرائط کے ساتھ قرض دیتی ہیں:

① جتنی رقم کا کاروبار کرنا ہو، اس کا ایک تہائی خود کاروبار کرنے والے کو اپنے ذاتی مال سے لگانا ہوگا۔

② جیسے جیسے وہ اپنا مال لگا کر بل پیش کرتا جائے گا، ادارہ کا آدمی اس کی تحقیق کر کے ادارہ کو رپورٹ پیش کرے گا، جس پر ادارہ لگائی ہوئی رقم کا دو تہائی حصہ دے گا۔

③ قرض لی ہوئی رقم کا طے شدہ سود ادا کرنا ہوگا۔

④ مقروضہ رقم کو بالاقساط بھی ادا کر سکتے ہیں، اور ایک ساتھ بھی ادا کر سکتے ہیں؛ جب کہ ادا کی جانے والی رقم وائٹ (جس رقم کا انکم ٹیکس حکومت کو بھر دیا ہو) ہو۔

⑤ کاروبار شروع کرنے سے دو سال تک کوئی قسط ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

⑥ کاروبار شروع کرنے سے آٹھ سال کے اندر پوری پوری رقم مع سود ادا کرنا

ضروری ہے۔

⑦ کاروبار میں بالکلیہ نقصان آنے پر، مثلاً فسادات کے موقع پر دکان جلادی گئی یا لوٹ لی گئی یا اچانک حادثہ میں گرگئی، تو ادارہ بھی اپنے دوتہائی نقصان کا ذمہ دار ہوگا؛ مگر اس وقت جب کہ ادارہ کی رقم ادا کرنے سے پہلے نقصان آیا ہو۔

اس ادارہ سے سودی لون لینے کی وجہ مندرجۂ ذیل ہیں:

① کاروبار کو بڑھانا۔

② لون لے کر اس سے دوکان یا کارخانہ وغیرہ قائم کیا جائے تو اس میں کارندوں کی ضرورت محسوس ہوگی، تو ان کارندوں میں مسلمانوں کو لیا جائے؛ تاکہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچے کہ ان کو ملازمت ملے گی، اور مسلمانوں کو دوسری جگہوں پر ملازمت کے لیے کفار اور حکومت بہت کم مسلمانوں کو لیتی ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو روزینہ میں بہت تکلیف پہنچتی ہے۔

اس ادارہ سے رقم نہ لے کر اپنی ذاتی رقم جو وائٹ نہ ہو اس سے تجارت کرنے پر مندرجۂ ذیل نقصانات ہیں، اور ادارہ سے رقم لینے پر مندرجۂ ذیل فوائد ہیں:

① ذاتی غیر وائٹ رقم کو وائٹ کی جائے گی، یا وائٹ نہیں کی جائے گی۔

اگر وائٹ کی جائے گی تو اس میں کافی خرچ برداشت کرنا پڑے گا کہ ۶۰ فیصد رقم سرکار کو دینی پڑے گی، جس کی وجہ سے رقم میں بہت کمی ہوجائے گی۔

اور اگر وائٹ نہیں کی گئی تو دوکان یا کارخانہ بننے پر سرکار تفتیش کرتی ہے کہ یہ رقم کہاں سے لاکر بنایا، تفتیش کرنے پر جب دو نمبر کی رقم معلوم ہوتی ہے تو سرکار اس پر ٹیکس لگاتی ہے، مزید جرمانہ بھی لگاتی ہے اور کم از کم تین سال تک قید خانہ میں جانا پڑتا ہے۔

② انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس سے رہائی حاصل ہوتی ہے کہ تین سال تک سیل ٹیکس بھرنا نہیں پڑتا اور انکم ٹیکس بھی کچھ سال تک بھرنا نہیں پڑتا؛ لیکن اس کے بجائے سود بھرنا پڑتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات قائم ہوتے ہیں:

① اس ادارہ سے اس شخص کو جس کے پاس کاروبار کرنے کے لیے رقم کا مکمل انتظام نہ ہو، اس کو سودی لون لینا کیسا ہے؟

② اس ادارہ سے اس شخص کو کاروبار کرنے کے لیے جس کے پاس رقم کا مکمل انتظام ہے؛ مگر وہ رقم غیر وائٹ ہے تو ایسے شخص کو سودی لون لینا کیسا ہے؟

③ مذکورہ صورت میں کچھ سال تک سودی لون لینے کی وجہ سے انکم ٹیکس نہیں بھرنا پڑے گا، جس کی وجہ سے انکم ٹیکس کی رقم بچے گی، اس بچی ہوئی رقم کو قرض لی ہوئی رقم کے سود میں بھرنا کیسا ہے؟

تین نمبر سوال کی مزید تفصیل یہ ہے کہ مثلاً ہم نے اپنی وائٹ رقم سے دوکان بنائی، اب ایک سال میں جو بھی نفع ہوا تو اس میں ۶۰ فیصد کے اعتبار سے انکم ٹیکس بھرنا ہوگا، اور اگر ہم نے ادارہ سے رقم لے کر دوکان بنائی ہے، تو اس میں انکم ٹیکس معاف ہوگا؛ کیوں کہ ادارہ سے لی ہوئی رقم کا سود بھرنا پڑتا ہے۔

④ ایک آدمی نے فائنس انسٹیٹیوٹ سے تیس لاکھ روپئے قرض لیے، پھر اس نے دوکان بنائی اور اس کو چلایا اور کافی نفع ہوا، اب ایک سال کے بعد جو کچھ نفع ہوا اس کا انکم ٹیکس سرکار میں بھرنا پڑے گا، مثلاً: دس لاکھ نفع ہوا تو پانچ لاکھ انکم ٹیکس بھرنا پڑے گا، اب وہ آدمی جس کو انکم ٹیکس بھرنے کا ہے، وہ پانچ لاکھ روپئے لے کر بھرنے کے

لیے چلا، اب اس رقم میں سے چار لاکھ تو جو رقم ادارہ سے لی تھی اس کے سود میں بھر دی، اور ایک لاکھ انکم ٹیکس میں بھر دی اور سود میں بھرنے کی وجہ سے انکم ٹیکس اب بھر سے بھرنا نہیں پڑے گا، تو اس طرح جو رقم انکم ٹیکس میں جا رہی تھی، وہ رقم سود میں بھر دی تو اس طرح کرنا کیسا ہے؟ جب کہ انکم ٹیکس اور سود دونوں سرکار کے پاس ہی پہنچتے ہیں۔

فائنانس انسٹیٹیوٹ اور اسی طرح کے دوسرے ادارے حکومت عوام کو فائدہ پہنچانے کے لیے بناتی ہیں کہ جس میں مسلمان اور غیر مسلمان سب برابر فائدہ اٹھا سکتے ہیں؛ مگر سود کی وجہ سے مسلمان فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں، تو مسلمان ان اداروں سے کس طرح فائدہ اٹھائے؛ تاکہ ترقی یافتہ ہو، اس کے لیے صحیح صورت سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی طرف سے کاروبار کے لیے جو قرض دیا جاتا ہے، اور اس کے عوض میں قرض لینے والے سے جو رقم زائد وصول کی جاتی ہے وہ سود ہی ہے، دور حاضر کی اصطلاح میں یہ تجارتی سود کہلاتا ہے، سود چاہے تجارتی ہو یا مہاجنی؛ بہر صورت حرام ہے، قرآن وحدیث کی نصوص اور اجماعِ امت سود کی ہر قسم اور ہر شعبہ کو سخت ترین حرام قرار دیتے ہیں۔

اب رہا انکم ٹیکس کی ادائیگی کا معاملہ تو اس کے خاطر سود کی ادائیگی کو ایک مسلمان کیوں اختیار کرے گا؟ جب کہ اس میں اپنی مرضی واختیار سے حرام کا ارتکاب لازم آتا ہے، اور انکم ٹیکس میں ہم پر جبر وظلم ہوتا ہے، اس لیے انکم ٹیکس کا خطرہ بتلا کر سود کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ حکومتی ترقیاتی اداروں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری

ہے کہ مسلمان متحد ہو کر اپنی آواز حکومت کے ان اداروں کو پہنچائیں، اور سود کے بجائے کاروبار میں حکومت کی شرکت والی صورت کو بطور بدل پیش فرما کران کے سامنے واضح کریں کہ سودی معاملہ کے بجائے شرکت والا معاملہ خود حکومت کے لیے زیادہ مفید اور نفع بخش ہے، اگر مسلمان اس طرح کے نمونے امانت ودیانت کے ساتھ پیش کر دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ حکومت اپنے موقف پر جمی رہے؛ اس لیے بہتر اور مناسب صورت یہی ہے کہ شریعت کے احکام منصوصہ میں تاویل وتغییر کے بجائے حکومت کے سامنے سنجیدگی سے ہمارا موقف رکھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ رجب ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیٹی کے بینک قرض کے سود میں باپ کو ملنے والا سود دینا

سوال: ہمارے والد صاحب کے دو لاکھ روپئے بینک میں ہے، جس کا سود ۹/ ہزار روپئے آتا ہے، ہماری ایک اور بہن جس کا قرضہ ڈیڑھ لاکھ روپئے ہیں، جس کا سالانہ ۱۲/ ہزار روپئے سود بھرنا پڑتا ہے، کیا ایسی صورت میں جو ہمارے والد کا پیسہ سود کا آتا ہے ہماری بہن کے سود کے پیسے کے بدلے میں دے سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ کی وہ بہن محتاج اور مستحق زکوۃ ہے تو اس کو وہ رقم دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ۷/ ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بینک میں کونسے اکاؤنٹ میں رقم جمع کرواسکتے ہیں؟

سوال : موجودہ دور میں بینک میں پاؤنڈ (پیسہ) کون سے اکاؤنٹ میں جمع کروانا چاہیے، حضرت مولانا مفتی محمود گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس بارے میں کیا رائے تھی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:
بینک میں رقم جمع کرانے کی تین صورتیں ہیں: ① سودی کھاتا (سیونگ اکاؤنٹ) ② غیرسودی کھاتا (کرنٹ اکاؤنٹ) ③ لاکر۔ سودی کھانے میں رقم جمع کرانا حرام ہے، اس میں سود لینے کا گناہ ہوگا، جن پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے شدید ترین وعیدیں ہیں۔

کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانا بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں اگرچہ سود لینے کا گناہ نہیں ہے، مگر تعاون علی الاثم کا گناہ اس میں ہے، لاکر میں جمع کرانا بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ اگرچہ سود لینے اور تعاون علی الاثم کا گناہ نہیں ہے؛ مگر بینک کے حرام پیسے سے بنے ہوئے خانے کے استعمال کا گناہ ہے، شدید مجبوری کے وقت اس میں رقم جمع کرائی جاسکتی ہے کہ اس میں پہلی دوصورتوں کی نسبت گناہ کم ہے؛ لیکن پھر بھی استغفار لازم ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/ ۱۴-۱۶)

فقہ کے قاعدہ "الضرورة تتقدر بقدر الضرورة" کا بھی تقاضہ وہی ہے جو اوپر تحریر ہوا۔ سیدی ومولائی حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے مجھے

معلوم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ

بینک میں پیسہ جمع کرنا اور اس پر ملنے والے سود کے مصارف

سوال: (۱) بغیر کسی مجبوری کے بینک میں روپیے جمع رکھنا کیسا ہے؟

(۲) اگر کوئی مجبوری ہو تو بینک میں روپیے جمع کرانا کیسا ہے؟ مجبوری کی تعریف حدود اور قیود کیا ہیں؟

(۳) بینک میں بہ درجۂ مجبوری روپیے جمع کرانے کی اگر گنجائش ہے، تو اس پر جو سود کی رقم ملتی ہے ان کے مصارف کیا ہیں؟

(۴) اس علاقے میں بعض صاحبان سے سنا گیا ہے کہ: ظالمانہ سرکاری ٹیکس میں سود کی رقم استعمال کر سکتے ہیں، ظالمانہ ٹیکس کس کو کہتے ہیں؟ کیا رہائشی مکانات کے ٹیکس (house Tax)، تعلیمی ٹیکس (Edueation Tax)، آمدنی کا ٹیکس (Income Tax)، بکری ٹیکس (Seles Tax) بھی ظالمانہ ٹیکس میں داخل ہے؟ یاد رہے کہ عوام الناس کے حالات مختلف ہیں، بعضے سرمایہ دار متمول ہیں اور اتنی مالی استطاعت رکھتے ہیں کہ سود کی رقم سے کلیۃً مستغنی ہو جائیں، بعضے صاحبان متوسط درجے کے ہیں اور حکومت کی طرف سے عائد ہونے والے مختلف ٹیکس کے متحمل نہیں ہیں، اور حکومت نے بھی پچھلے کچھ سالوں میں ٹیکس کی مقدار میں نہایت زیادہ اضافہ کر رکھا ہے، اور بعضے اتنے غریب ہیں کہ رہائشی مکانات کے ٹیکس بھی مکمل ادا نہیں کر پاتے،

ان تمام حالات کو مدنظر رکھ کر شرعاً کتنی اور کیسی گنجائش نکلتی ہے؟ یہ امر قابل دریافت ہے۔ اگر چہ اصولاً واعتقاداً سود کا لین دین نص قطعی سے حرام ہے، اور سائل کا یہی عقیدہ ہے، الحمدللہ علیٰ ذلك؛ مگر چوں کہ موجودہ دور میں امت مرحومہ نہایت مختلف حالات سے گزر رہی ہے، اور عوام الناس میں عملاً واعتقاداً تغیرات مشاہدہ میں آرہے ہیں، چناں چہ آں جناب سے تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

⑤ بعض صاحبان سود کی رقم رشوت دینے میں استعمال کرتے ہیں، سرکاری دفاتر میں رشوت گویا کہ لازمی چیز اور اس کے بغیر کام چلتا ہی نہیں، یوں تصور کیا جاتا ہے، اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے، تو کیا کسی جگہ رشوت دینے میں سود کی رقم استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① بینک میں رقم جمع کرانے کی تین صورتیں ہیں: ① سودی کھاتا (سیونگ اکاؤنٹ) ② غیر سودی کھاتا (کرنٹ اکاؤنٹ) ③ لاکر۔ سودی کھاتے میں رقم جمع کرانا حرام ہے، اس میں سود لینے کا گناہ ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شدید ترین وعیدیں ہیں، علاوہ ازیں اس میں تعاون علی الاثم ہے، یہ رقم سودی کاروبار میں استعمال ہوگی۔ کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانا بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں اگر چہ سود لینے کا گناہ نہیں ہے؛ مگر تعاون علی الاثم کا گناہ ہے۔ لاکر میں جمع کرانا بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں اگر چہ سود لینے اور تعاون علی الاثم کا گناہ نہیں ہے؛ مگر بینک کے حرام پیسے سے بنے ہوئے خانے کے استعمال کا گناہ ہے، شدید مجبوری کے وقت اس میں رقم جمع کرائی جا سکتی ہے؛ لیکن پھر بھی استغفار لازم ہے۔

(احسن الفتاویٰ ۷ر ۱۴، تا ۱۶ ملخصاً)

۲ بنیادی طور پر پانچ مصالح ہیں، جن کا حصول احکام شرعیہ کا مقصود ہے: دین، حیات وزندگی (بہ شمول عزت وآبرو)، نسل، عقل اور مال کا تحفظ؛ جو امور ان مصالح کے حصول کے لیے اس قدر ناگزیر ہو جائیں کہ اُن کے فقدان کی وجہ سے ان مصالح کے فوت ہو جانے کا یقین یا ظن غالب ہو، وہ ضرورت ہیں۔ ضرورت فقہا کے یہاں مستقل اصطلاح ہے جس میں اضطرار بھی داخل ہے، تاہم یہ اصطلاح بہ مقابلۂ اضطرار کے عام اور وسیع مفہوم کی حامل ہے۔

اباحت محظورات کے سلسلے میں ضرورت معتبرہ کے لیے شرائط ذیل ہونا ضروری ہے: ۱ ضرورت بالفعل موجود ہو، مستقبل میں پیش آنے والی ضرورتوں کا اندیشہ وخطرہ معتبر نہیں۔ ۲ کوئی جائز مقدور متبادل نہ ہو ۳ ہلاکت وضیاع کا خطرہ یقینی ہو یا مظنون بہ ظنِ غالب ہو ۴ محرمات کے استعمال سے ضرر شدید کا ازالہ یقینی اور نہ استعمال کرنے کی صورت میں اس کا وقوع یقینی ہو ۵ بہ قدر ضرورت استعمال کیا جائے۔ ۶ اس کا استعمال اس کے مساوی یا اس سے کسی بڑے مفسدہ کا سبب نہ بنے۔

۳ بینک سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلا نیت ثواب غربا ومساکین کی ملکیت میں دے دی جائے، جو بینک سرکار کی ملکیت ہیں ان سے حاصل شدہ سود کی رقم حکومت کی طرف سے وصول کیے جانے والے ظالمانہ ٹیکس کی ادائیگی میں بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔

۴ سرکاری بینک سے حاصل ہونے والی سود کی رقم حکومت کے ظالمانہ ٹیکس (یعنی غیر شرعی مطالبوں) میں دی جاسکتی ہے، شرعی مطالبوں میں یہ رقم دینا جائز نہ ہوگا، مثلاً: بجلی کا ٹیکس، پانی کا ٹیکس؛ یہ ٹیکس اس بجلی اور پانی کا معاوضہ ہے جو حکومت دیتی

ہے، میٹر جتنا بتلاتا ہے اتنا دینا پڑتا ہے۔ تعلیم کا ٹیکس بھی معاوضہ ہے، آمدنی کا ٹیکس اور بکری کا ٹیکس غیر شرعی مطالبہ ہے، مکان کا ٹیکس لینے میں اگر یہ پہلو مدنظر ہو کہ جان و مال کے تحفظ کے لیے حکومت جو انتظامات کرتی ہے، اس کی بنیاد پر وصول کیا جاتا ہے، تو اگر وہ معقول مقدار میں ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ بکری ٹیکس میں بھی اگر یہ پہلو مدنظر ہو کہ امن وامان کی فضا قائم رکھ کر تجارت کا موقع فراہم کیا گیا، تو اس کی بھی معقول مقدار کی گنجائش ہوگی۔

⑤ رشوت دینے والا رشوت دے کر اپنا کام نکالتا ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ سود کی رقم اپنی ضرورت کی تکمیل میں استعمال ہوئی، جس کا ناجائز ہونا ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

حفاظت کے خاطر بینک میں رقم جمع کرنا

سوال: جس مکتب میں خدمت انجام دیتا ہوں، میرا ارادہ ہے کہ ہر ماہ تنخواہ میں کچھ رقم بینک میں حفاظت کی غرض سے رکھوں، جب کہ سود بالکل مقصود نہ ہو؛ تا کہ ضرورت کے وقت کام آئے، ایسے تو الگ سے حفاظت کی بہت کوشش کرتا ہوں؛ مگر حفاظت ہوتی نہیں، تو میں نے سوچا کہ بینک میں ضرور حفاظت ہوگی تو آیا بینک میں حفاظت کی غرض سے اگر پیسے جمع کروائے تو حرج ہے یا نہیں؟ ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ کے خلاف ہوگا یا نہیں؟ مذکورہ صورت کے علاوہ بھی اگر کوئی آدمی

بینک میں پیسے جمع کروائے جب کہ سود مقصود نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک میں جو رقم جمع کرائی جاتی ہے، بینک اس رقم کو سودی قرض میں چلاتا ہے، اس لیے اصل یہ ہے کہ تعاون علی الاثم ہونے کی وجہ سے بینک میں رقم جمع کرانا منع ہے؛ لیکن اگر رقم کی حفاظت بینک میں جمع کرائے بغیر ممکن نہ ہو یا قانونی مجبوری ہو تو اس کی اجازت ہے؛ بشرطیکہ سود مقصود نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر ۱۴۱۷ھ

بینک میں رقم جمع کرنا اور سود نہ لینا

سوال: میں نے انڈیا میں بینک میں اپنا کھاتہ کھولا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ بینک سے سود کی رقم نہیں لوں گا، اس لیے کہ بینک میں کھاتہ کھولنے کے وقت اس بات کی وضاحت کرنی پڑتی ہے کہ سود لینا ہے یا نہیں؟ اب میرے احباب کا کہنا ہے کہ اگر تم یہ رقم بینک سے نہیں لوگے تو غیر مسلموں کے کام آئے گی، جس کو وہ مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں گے، احباب کا اصرار ہے کہ تم یہ رقم بینک سے وصول کر کے کسی انتہائی غریب آدمی کو بغیر ثواب کی نیت کئے ہوئے دیدو، یا پھر کسی مدرسہ یا مسجد میں بیت الخلاء وغیرہ بنوادو، اس مذکورہ صورت میں میرے لیے بینک سے سود کی رقم لینا کیسا ہے؟ جب کہ قرآن میں حدیث میں بغیر کسی تخصیص کے سود لینے والے کے لیے سخت وعیدیں آئی ہیں، اگر اس مجبوری کے تحت سود کی رقم لیتا ہوں تو کیا خدانخواستہ میرا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا جن کے لیے یہ وعیدیں ہیں۔ نیز یہ رقم غرباء کو بغیر ثواب کی

نیت کئے ہوئے دی جاسکتی ہے کہ نہیں؟ مدرسہ و مسجد میں بیت الخلاء بنوا سکتے ہیں کہ نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا مفصل جواب عنایت فرما دیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پہلے آپ یہ تحقیق فرمالیں کہ جب آپ بغیر سود کا اکاؤنٹ جاری کر رہے ہیں تو اس صورت میں آپ کے اکاؤنٹ میں کیا سود کی رقم جمع ہوتی ہے؟ اور کیا وہ مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوگی؟ آپ نے جو سوالات اٹھائے ہیں وہ بعد کے ہیں، بینک میں روپیہ سود حاصل کرنے کے لیے جمع کرانا حرام ہے، اگر کسی ضرورت سے جمع کروائے اور اس صورت میں سود ملا تو سود کی وہ رقم غرباء ومساکین کو بلا نیت ثواب محض اس کا وبال دور کرنے کی نیت سے دے دینی چاہیے، مسجد و مدرسہ کے بیت الخلاء میں اس کا استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

بینک میں سود وصول کرنے کے لیے رقم جمع کرنا

سوال: آج کل مدارسِ اسلامیہ اور اوقافِ دینیہ کی بڑی بڑی رقوم بینکوں میں کرنٹ کھاتہ میں جمع کی جاتی ہیں اور کرنٹ کھاتہ میں جمع شدہ رقم پر بینک سے سود نہیں ملتا؛ مگر اپنی ان رقوم سے بینک والے سودی کاروبار کے ذریعہ پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان رقوم کو بطورِ قرض دے کر لوگوں سے بہت زیادہ سود وصول کرتے ہیں، تو بجائے اس کے ہماری ان بڑی بڑی رقوم سے صرف بینک والے فائدہ اٹھائیں، اگر ہماری یہ رقوم بینک میں سیونگ کھاتہ میں جمع کی جائیں اور بینک سے جو سود ملے، اس سے

غریب محتاج مسلمانوں کے لیے خرچ کیا جائے، تو ہمارے ان مذہبی اداروں کی رقوم سے غریب مسلمانوں کو بھی بہت فائدہ ہوگا، تو کیا اس طرح بینک میں سیونگ کھاتہ میں پیسے جمع کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ چوں کہ عام طور پر سیونگ میں پیسے جمع کرنا ناجائز سمجھا جارہا ہے، اور فتاویٰ کی کتابوں میں یہ مسئلہ بھی نظر سے گزرا ہے کہ بینک سے ملنے والا سود بینک میں نہ چھوڑنا چاہیے؛ بلکہ اس کو وصول کرلینا چاہیے، امید ہے کہ تفصیلی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

لوگ بینک میں جو رقوم جمع کراتے ہیں، بینک ان رقوم کو سودی کاروبار میں لگاتی ہے، اس لیے گویا رقوم جمع کرانے والے ایک حرام کام میں بینک کی اعانت کرتے ہیں، ارشاد ربانی ہے: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ لہذا بینک میں روپیہ جمع کرنا جائز نہیں، خواہ سود لینے کی نیت ہو یا نہ ہو؛ لیکن اگر کسی کا روپیہ مسئلہ معلوم ہونے سے پہلے جمع ہو، یا کسی قانونی مجبوری سے جمع کردیا ہو، تو اس کا سود بینک میں نہ چھوڑے؛ بلکہ لے کر غرباء اور فقراء پر صدقہ کردے۔ (فتاویٰ دار العلوم ۲/ ۸۵۰، ۸۵۱)

کسی عمل کی برائی اس لیے دور نہیں ہوجاتی کہ اس کا مقصد اچھا ہے، کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے اگر بینک میں رقم جمع کرانی پڑی اور اس میں ایسی صورت ممکن ہے کہ جمع کرانے والے کے کھاتہ میں سود نہ آئے، تو پھر ایسی صورت کیوں اختیار کی جائے، جس میں سود لینے کی نوبت آتی ہو؟ اعانت علی الاثم والی صورت سے احتراز ممکن نہ ہو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ سود لینے والے جرم کا بھی ارتکاب کیا جائے، فقہ کا قاعدہ ہے: ”الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ“ خصوصاً جب کہ عوام کے موجودہ ذہن کی وجہ

سے یہ قوی اندیشہ ہے کہ لوگ اسی مقصد کا نام لے کر بلا ضرورت بھی بینک میں پیسہ جمع کرانے کے جرم کے مرتکب ہونے لگیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بینک میں رقم رکھنے کے جواز سے سود لینے کے جواز کا شبہ

سوال: غرباء و مساکین اور ضرورت مند کو جو سود کی رقم دی جاتی ہے، کیا وہ رقم ان کے لیے حلال ہو جاتی ہے؟ جواب بحوالہ تفصیل سے اور تشفی بخش دیں۔

مسئلۂ سود کے متعلق جو فتاوی وغیرہ شائع ہوتے ہیں، اس سے ایسا قیاس ہوتا ہے کہ جو رقم سود کے نام لی جائے اسے وہ شخص بذات خود استعمال نہ کرے؛ بلکہ غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں میں بغیر ثواب کی نیت سے دے یا پھر مساجد وغیرہ میں بیت الخلاء کی تعمیر میں بھی استعمال کر سکتا ہے، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ رقم کو بینک میں رکھنا اور اس کا سود لینا درست ہے؛ تا کہ اس کو غرباء و مساکین میں دیں، اس کی وضاحت فرمائیں کہ یہ طریقہ کار کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بینک میں جو رقم رکھی جاتی ہے اس کو وہ لوگ سود پر دیتے ہیں، اور اسی کا ایک حصہ رقم جمع کرانے والے کو بطور سود دیا جاتا ہے، اور یہ سب ناجائز و حرام ہے؛ البتہ کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے بینک میں رقم جمع کرانا ضروری ہو گیا، تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ بینک کی طرف سے سود کے نام پر ملنے والی رقم اس کے اصل مالکین (جن سے بینک نے وصول کی تھی) دیدی جائے؛ لیکن چوں کہ رقم جمع کرانے والوں کو اس

کا علم ہوتا نہیں ہے، اور نہ بالتعیین معلوم ہوتا ہے کہ رقم جو سود کے نام سے انھیں ملی ہے وہ فلاں شخص ہی کی ہے، اس لیے یہ رقم لقطہ کے حکم میں آجاتی ہے، جس کا مالک باوجود تتبع وتلاش کے نہ ملتا ہو، اور وہ یہ کہ فقراء اور مساکین کو اس کا صدقہ کر دیا جائے۔

اب درحقیقت یہ رقم مساکین کو اصل مالکین کی طرف سے مل رہی ہے، اور یہ دینے والا ان کا وکیل ہے اور اس صدقہ کا ثواب دینے والے کو نہیں؛ بلکہ اصل مالکین کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا، جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب اصل مالکین تک ان کی رقم پہنچانا دشوار تھا تو شریعت نے ایسا طریقہ بتلایا کہ اس کا بدل، یعنی ثواب اصل مالکین کو پہنچ جائے۔ تمام مسائل کی حقیقی تہ تک پہنچنا عوام کے لیے ضروری نہیں، اس کا شوق ہو تو مکمل علم دین حاصل کیجیے؛ ورنہ علماء جو مسائل بتلائیں ان پر یقین کر کے عمل کیجیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جہیز کے لیے فکس ڈپوزٹ رکھنا

سوال: ہمارے یہاں لڑکیوں کی شادی میں کچھ نقدی رقم بطور جہیز دینی پڑتی ہے، یہ رقمی جہیز نہ دیں تو ہماری لڑکی سے شادی کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں، تو اس صورت میں فکس ڈپوزٹ بعض علماء جائز قرار دیتے ہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس طرح کی مجبوری میں جائز ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ رقم رشوت ہے اور اس علت کی وجہ سے حرام حلال نہیں ہو جاتا۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حکومت نے زبردستی قبضہ کی ہوئی زمین کی قیمت مع سود کا حکم

سوال: بمبئی کے اطراف میں لوگوں کی مملوکہ زمین گورنمنٹ زبردستی اپنے قبضہ میں لے کر عام قیمت کے مقابلہ میں بہت ہی کم قیمت مالکین کو دیتی ہے، لوگوں نے رقم نہ لے کر کافی سال تک کیس لڑا، قیمت کچھ بڑھا کر ملی، ساتھ ساتھ اتنے سالوں تک رقم گورنمنٹ کے پاس ہی پڑے رہنے کی وجہ سے اتنے سالوں کا سود کہہ کر مزید رقم حکومت لوگوں کو دیتی ہے؛ حالاں کہ ان تمام کا مجموعہ بھی عام قیمت سے کم ہی ہے، تو اس صورت میں سود کہہ کر دی جانے والی رقم لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مذکورہ رقم لینا درست ہے، یہ شرعی طور پر سود نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہندوستان، حربی اور سود کا حکم

سوال: عرض یہ ہے کہ دار العلوم شاہ عالم سے ایک فتویٰ منگوایا ہے، جس سے دل کو تشفی نہ ہونے کی بناء پر سوال وجواب روانہ کیا ہے، براہ کرام جلد سے جلد کتب فقہ ومعتبر کتب کے حوالہ سے اطمینان بخش جواب سے نوازیں؛ نیز ہمارے سوال کے یہی جواب ہیں جو مفتی عزیز الرحمن صاحب نے لکھ بھیجے ہیں؛ نیز کافر حربی کسے کہتے ہیں؟ اس کی بھی تشریح فرمادیں۔

دار العلوم شاہ عالم کا جواب:

① سود کھانا کسی سے جائز نہیں، ہاں کافر حربی کو روپے دے کر منافع لینا بطور مال مباح، جائز ہے، کافر حربی و مسلمان کے درمیان سود نہیں، مال مباح ہے، کتب فقہ میں ہے۔ لا ربا بين المسلم والحربي؛ لأنه مال مباح.

کتبہ: عزیز الرحمن رضوی، خادم الافتاء دار العلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات
۴/صفر ۱۴۱۲ھ ۱۴-۹-۹۱

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

دار العلوم شاہ عالم کے مفتی اور ان کے ہم مسلک حضرات ہندوستان کو دار الحرب نہیں مانتے، اس لیے کہ ان کے اعلیٰ حضرت بریلوی صاحب کا ایک مستقل رسالہ ہے ''إعلام الاعلام بأن الهند دار الإسلام'' جس میں ہندوستان کو دار الاسلام ثابت کیا ہے؛ لیکن ساتھ ہی یہ حضرات یہاں کے کافروں کو حربی بھی مانتے ہیں، یہ تضاد تو یہ حضرات ہی دور کر سکتے ہیں، فقہی اعتبار سے اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ ہندوستان کو دار الاسلام بھی قرار دیا جائے اور ساتھ ہی یہاں کے باشندوں کو کافر حربی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

قرض کی ادائیگی میں زیادتی سود ہے

سوال: عمر نے زید سے دو لاکھ روپئے بطور قرض لیے، اور کہا کہ میں ایک سال کے بعد دو لاکھ کے بدلے میں ڈھائی لاکھ روپئے دوں گا، تو زید کو یہ پیسے، یعنی پچاس

ہزار روپئے زائد لینا جائز ہے کہ نہیں؟ یا یہ کہتا ہے کہ میں پچاس ہزار روپئے میری طرف سے بطور ہدیہ دوں گا، تو زید کو یہ پیسے لینا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ سود ہے اس کا دینا اور لینا درست نہیں۔

"کل قرض جر نفعا فهو حرام" (شامی) عن النبی ﷺ قال: "اذا أقرض الرجل الرجل فلا یأخذ هدیة" رواه البخاری فی تاریخه، هکذا فی المنتقی وعن أبی برد بن أبی موسی قال: قدمت المدینة، فلقیت عبدالله بن سلام، فقال إنك بأرض فیها الربوا فاش، فاذا کان لك علی رجل حق فاهدی إلیك حمل تبن أو حمل شعیر أو حبل قت، فلا تأخذه؛ فإنه ربوا رواه البخاری (مشکوٰۃ ۲۴۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

قرض پر نفع سود ہے اور جائز صورت

سوال: (۱) زید کا بمبئی میں بھینسوں کا اصطبل ہے اور اس کو پانچ نئی بھینسیں خریدنی ہیں، اور اس کے پاس نقد پیسہ نہیں ہے؛ اس لیے اس نے عمر کو کہا، کہ تیرے پاس پیسے ہیں، تو مجھ کو ۲۵۰۰ روپیہ دے؛ تاکہ میں بھینس خریدوں اور یہ رقم ایک سال میں واپس کروں گا اور فی بھینس ایک ہزار روپیہ منافع دوں گا، سال پورا ہونے پر زید عمر کو اس کی رقم اور منافع دیتا ہے، تو شرعاً اس طرح قرض کا معاملہ کرنا صحیح ہے؟

(۲) زید کا بمبئی میں بھینسوں کا اصطبل ہے اور اس کو پانچ نئی بھینسیں خریدنی ہیں اور اس کے پاس نقد رقم نہیں ہے؛ اس لیے اس نے عمر کو کہا کہ مجھ کو پانچ بھینسوں کی

ضرورت ہے، تو تو میرے ساتھ چل اور پانچ بھینسیں اپنے پیسوں سے خرید کر مجھے دے، اور زید نے کہا کہ تیری یہ رقم اور فی بھینس ۱۰۰۰ روپیہ منافع ایک سال میں دوں گا، تو کیا شرعاً اس طرح معاملہ کرنا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) یہ صریح سود ہے۔

(۲) اگر عمر نے اپنی رقم سے بھینس خریدی، اس کے بعد اس نے ہر بھینس پر ایک ہزار منافع لے کر زید کے ہاتھ ادھار ایک سال کے وعدہ سے فروخت کی، تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/صفر ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مہلت ختم ہونے کے بعد زیادتی کا مطالبہ سود اور ظلم ہے

سوال: کپڑے کی منڈی میں خود منڈی والوں کے کچھ اصول ہوتے ہیں، چوں کہ علی العموم کاروباری غیر مسلم ہوتے ہیں؛ اس لیے لامحالہ اصول بھی انھیں کے مزاج کے ہوتے ہیں، جو بسا اوقات ہماری شریعت کے مخالف ہوتے ہیں؛ لیکن اگر ہم ان کی رعایت نہ رکھیں، تو ہم کو منڈی سے نکال باہر کیا جائے گا، اور منڈی میں ہم سے کوئی معاملہ نہ کرے گا، مثلاً: جب ہم مال خریدتے ہیں تو قیمت ادا کرنے میں ایک ماہ کی مہلت ملتی ہے، ایک ماہ تک ادا کردیں تو کوئی سود نہیں لگایا جاتا؛ لیکن اگر بالفرض کسی بھی وجہ سے خواہ کیسی ہی شدید مجبوری ہو کچھ دن مہینہ کے اوپر گزر گئے تو سود لیتے

ہیں، سود نہ دینے پر دوسری بار ہم سے کوئی تاجر معاملہ کرنے پر تیار نہیں ہوتا، تو اس طرح کی شرائط کے ساتھ ان مجبوری کی مذکورہ صورتوں میں ہم بیع وتجارت کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر عقدِ بیع میں ایسی شرط رکھی گئی ہے، تو یہ معاملہ یقیناً سودی ہوگا، اور اگر عقد میں ایسی شرط نہیں تو معاملہ درست ہے، اور اس کے بعد اگر وہ زائد وصول کرتا ہے، تو یہ ظلم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرض ادا کرتے وقت برضاء ورغبت زائد رقم دینا

سوال: زید نے عمرو سے چار سال پہلے ۴۰ / ہزار روپئے قرض لیے اور اس رقم سے انتفاع کیا، اب جب قرض ادا کرتا ہے تو زید کی خواہش ہے کہ عمرو نے چوں کہ زید کے ساتھ اتنا بڑا احسان کیا ہے، تو زید بطور احسان کے عمرو کو قرض سے کچھ زائد رقم دینا چاہتا ہے، تو کیا زید اس طریقہ پر دے سکتا ہے، یا اور کوئی جائز شکل ہے کہ زید کم از کم عمرو کو اتنی مقدار زائد دے سکے، جس کے ذریعہ چار سال کی زکوۃ ادا ہو سکے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمرو نے قرض دیتے وقت زائد رقم کی کوئی شرط نہیں لگائی تھی اور نہ اس کے دل میں ایسا کوئی خیال تھا؛ مگر زید اپنے طور پر برضاء ورغبت حسن ادائیگی کے طور پر زائد ادا کر رہا ہے تو یہ سود میں شمار نہیں ہوگا۔

بدائع میں ہے: هذا إذا كانت الزيادة مشروطة في القرض، فأما إذا

كانت غير مشروطة فيه ولكن المستقرض أعطاه أجودهما فلا بأس بذلك؛ لأن الربا اسم لزيادة مشروطة في العقد ولم توجد بل هذا من باب حسن القضاء، وانه أمر مندوب إليه قال النبي ﷺ: خيار الناس أحسنهم قضاء وقال النبي ﷺ: عند قضاء دين لزمه للوازن زن وارجح. (بدائع الصنائع ۷ /۳۹۵)

قال محمد فی كتاب الصرف: ان أباحنيفة كان يكره كل قرض جر منفعة، قال الكرخي: هذا إذا كانت المنفعة مشروطة في العقد؛ بأن أقرض غلة ليرد عليه صحاحا أو ما أشبه ذلك، فإن لم تكن المنفعة مشروطة في العقد فأعطاه المستقرض أجودهما فلا بأس به. (فتاویٰ عالمگیری ۳ /۲۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی لون لے کر کاروبار کرنے والے کی کمائی کا حکم

سوال: زید کے بارے میں جس کو قانونی مجبوری کی بنا پر کاروبار شروع کرنے سے پہلے بینک سے لون لینا پڑا کہ ہمارے ملک (وینزویلا) کے قانون کے مطابق بڑی رقم کو قانونی بتلانے میں بڑے نقصان کا اندیشہ ہے، لہٰذا مجبوراً بینک سے لون لے کر بڑی رقم کا انتظام کیا، اب اس کاروبار سے نفع بھی ہوا، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لون کا انٹرسٹ بھرنے کا کیا حکم ہے؟ اور اس کاروبار کے ذریعے جو نفع ملا اس کا کیا حکم ہے؟ اگر صورتِ مسئولہ میں قانونی مجبوری کے بغیر لون لیا گیا تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور زید کے لیے اس سے توبہ کا طریقہ کیا ہوگا؟ اور کیا انٹرسٹ کی رقم سے انٹرسٹ کو ادا کر سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① امداد الفتاویٰ سے ایک سوال، جواب نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:

سوال: کوئی مسلمان کسی ہندو کے پاس سے کسی ضرورت کے موقع پر سودی قرض لیتا ہے اور اس سے اپنا بیوپار چلاتا ہے، یا کوئی زمین خریدتا ہے، چند دن کے بعد وہ قرضہ مع سود ادا کر دیتا ہے، اپنی باقی ماندہ ملک کو پاک ملک سمجھتا ہے اور یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ سود کے لینے سے تو خود گنہگار رہوا، مگر اس کی حرمت باقی ماندہ ملک میں سرایت نہیں کرے گی خیال کرتا ہے، کیوں کہ اس شخص نے سود دیا ہے، لیا تو نہیں۔ پس اس ملک کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس شخص نے جو سمجھا ہے صحیح ہے۔ (امداد الفتاوی ۳/۱۶۹، ۱۷۰)

جواب بالا سے معلوم ہوا کہ اس کاروبار سے جو نفع حاصل ہوا، وہ حلال ہے، قانونی مجبوری کے بغیر لون لیا گیا ہو تب بھی اس کا حکم یہی ہوگا، توبہ کا طریقہ وہی ہے جو شریعت نے بتلایا ہے کہ اپنی اس حرکت پر دل میں ندامت اور پشیمانی ہو اور آئندہ کے لیے اس سے بچنے کا عزم ہو اور اگر اس کاروبار سے حاصل شدہ نفع کو بھی صدقہ کر دے، تو توبہ میں پختگی اور قبولیت کی زیادہ امید ہے، انٹرسٹ کی رقم سے انٹرسٹ ادا کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی کاروبار والوں کا پانی پینا

سوال: بینک یا جہاں سودی کاروبار چلتا ہو، ایسی جگہوں کا پانی یا اور کوئی چیز

استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو چیز سودی رقم سے خریدی نہ گئی ہو، اس کا استعمال درست ہے؛ لیکن پانی اگر چہ خریدا نہیں گیا؛ مگر جس ظرف میں وہ رکھا ہوا ہے وہ سودی رقم سے خریدا ہوا ہو، تو اس کو نہ پئیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم جس غریب کو دی اس کا ہدیہ لینا

سوال: زید ایک شخص ہے، اس نے بینک میں رقم رکھی تھی، اس رقم پر اس کو سود ملا، اور زید نے اس سود کی رقم کو اپنے عزیز واقارب جن کی مالی حالت کمزور ہے دیا، ان عزیز واقارب کے گھر زید اور گھر کے افراد کا آنا جانا ہوتا ہے، وہ عزیز واقارب ان سود کے پیسوں سے لایا ہوا مال کھانے کے لیے پیش کریں، یا زید کے بچوں کو کچھ اشیاء خرید کردیں، آیا زید، اس کی بیوی اور بچوں کو ان عزیز واقارب کے گھر کھانا اور بطور تحفہ کوئی چیز پیش کریں تو قبول کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے، تو کس طرح؟ اس کو تفصیل سے بیان کریں؛ تا کہ پھر گنجائش باقی نہ رہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم خرافات پر مشتمل شادی میں دینا

سوال: بعضے حضرات سود کی رقم کو غرباء کی شادی بیاہ کے موقعہ پر دیتے ہیں، یا پھر کچھ اشیاء خرید کر دیتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ ان شادیوں میں بہت سے خرافات ہوتے ہیں، مثلاً ہلدی کی رسم، مہندی کی رسم، دولہا کو کپڑوں کے لیے جوڑے کی رقم، پھر کہیں بینڈ باجا، اور ریکارڈنگ بجائی جاتی ہے، اور لڑکی کی شادی ہو تو بہت سے لوگوں کو طعام پر مدعو کیا جاتا ہے وغیرہ، یہ پہلے سے تو معلوم ہوتا نہیں کہ کیا کیا رسمیں کریں گے؟ تو ایسی جگہ سود کی رقم دینا چاہیے یا نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بینک کے سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کے ارادہ سے بلا نیت ثواب فقراو مساکین کو بطور تملیک دیدی جائے، تو دینے والا اپنی ذمہ داری سے بری ہو جاتا ہے، اس کے بعد وہ غریب، مسکین رقم کسی غلط کام میں صرف کرتا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کی ذمہ داری اس صرف کرنے والے پر ہے، اگر پہلے سے معلوم ہو کہ وہ غریب مسکین غلط کاموں ہی میں صرف کرے گا تو دینے میں احتیاط برتی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بونڈز پر ملنے والی رقم اور سود کا حکم

سوال: ہمارے ملکِ وینزویلا میں (ملکی سیاسی اغراض کی وجہ سے) قانون

کے مطابق اگر ہماری ملکی کرنسی کے بدلے امریکن ڈالر لینا ہو تو قانونی طور پر زیادہ ڈالر نہیں لے سکتے، بنابریں یہ شکل اختیار کرنی پڑتی ہے کہ گورنمنٹ کو یہ لکھ کر دینا ہوتا ہے کہ ہم اس ڈالر کے ذریعے اناج غلہ خرید نا چاہتے ہیں، تو گورنمنٹ مثال کے طور پر ۵۰۔۲/ قیمت طے کرتی ہے، اور اگر ہم مشینری وغیرہ اشیاء کو ظاہر کریں تو قیمت ۵۰۔۴/ دیتی ہے، مزید برآں ہمیں جتنی مقدار (ڈالر) کی ضرورت ہے اگر اتنی ہی مقدار کی درخواست دیں، تو کبھی ہماری مطلوبہ رقم پوری منظور ہو جاتی ہے، اور کبھی اس کی آدھی مقدار منظور ہوتی ہے اور بسا اوقات کچھ بھی منظور نہیں ہوتا۔

لہٰذا ہم صورتِ مسئولہ میں بجائے ۳۰/ ہزار کے ۶۰/ ہزار لکھتے ہیں؛ تاکہ آدھی مقدار منظور کرنے پر اپنی مطلوبہ رقم مل جائے، اب مطلوبہ رقم کی منظوری کے بعد گورنمنٹ فوراً ڈالر نہیں دیتی؛ بلکہ اس کے بدلے بونڈز لینے پڑتے ہیں اور اس بونڈز کی مدت ہوتی ہے ۱۰/ سال یا ۲۰/ سال، اور اس پر ہمیں انٹرسٹ ملتا ہے جب تک ہم اس بونڈز کو کیش نہ کرالیں، اور ڈالر موصول ہوتے ہوتے کبھی تین سال بھی ہوتے ہیں، تو یہ انٹرسٹ لینا کیسا ہے؟

اور اگر زیادہ رقم کبھی منظور ہوگئی تو اس میں سے آدھی رقم مذکورہ چیز منگوانے میں خرچ کرتے ہیں اور بقیہ نصف رقم کو اپنے مصرف میں خرچ کرتے ہیں، ان تمام چیزوں کا کیا حکم ہے، اور اس انٹرسٹ سے توبہ کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بونڈز پر ملنے والا انٹرسٹ وصول کر کے بلا نیت ثواب غرباء کو بطور تملیک دے

دے، زیادہ رقم منظور ہونے کی صورت میں بقیہ رقم کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں، اس لیے کہ وہ آپ کی ملک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک کمپنی کا سیل ٹیکس مع سود ادا کرنے کے بعد دوسری کمپنی سے وصول کرنا

سوال: (۱) زید کے ذمہ کچھ سیل ٹیکس کی رقم تھی، سامنے والی کمپنی سے بل بروقت نہ آنے کی وجہ سے انہوں نے بھرنے میں تاخیر کی، آخر انتظار انتظار میں سات ماہ کا پیریڈ نکل گیا اور چوں کہ اس سے زائد سیل ٹیکس بھرنے میں گنجائش نہیں تھی، اس لیے بادل ناخواستہ دوسری کمپنی سے ملے ہوئے بل کی رقم سے وہ سیل ٹیکس مع سود کے بھر دیا، دس؛ بارہ ہزار صرف سود کی رقم بھرنی پڑی، پھر اصل کمپنی سے ان کا بل آیا تو اس پر اصل رقم کے ساتھ تاخیر کی بناء پر اس کا سود پندرہ ہزار آیا، اب کیا زید کو اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ اپنے ادا کردہ بارہ ہزار سود والے اس بل میں ملے ہوئے پندرہ ہزار میں سے لے لے، زید کو اس سود کی رقم کے ملنے کا پہلے سے علم تھا اور اس وجہ سے وہ سیل ٹیکس بھرنے میں تاخیر کر رہا تھا؛ لیکن جب اس کے بھرنے کا وقت آ ہی گیا تو مجبوراً انہوں نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا، ایسا نہیں کہ بل میں سود کی رقم دیکھنے سے باقی بھر آیا ہو۔

سیتہ نارائن کے نام رقم دینا

(۲) رکشہ والوں کی یونین ہے، سال بھر میں ان کے مختلف پروگرام ہوتے ہیں،

اس میں ایک پروگرام "سیتہ نارائن" کی پوجا کے نام پر بھی ہوتا ہے، ایسے موقعوں پر ہر رکشہ والوں سے کچھ لے لیتے ہیں، کیا ایک مسلمان کے لیے ایسے پروگرام میں دینے کی گنجائش ملے گی؟ اور کیا یہ تعاون علی الاثم نہیں ہوگا؟ اور اگر کچھ نہ دیں تو اپنے بزنس کے لیے ان کی جانب سے نقصان کے اندیشے بھی ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر سرکاری قانون یہ ہے کہ سیل ٹیکس کی ادائیگی خریدار پر ہے، اگرچہ خریداروں کے مختلف ومتعدد ہونے کی وجہ سے سرکار ٹیکس دکان دار سے وصول کرتی ہے تو اس صورت میں آپ نے سامنے والی کمپنی کا بل نہ آنے کی وجہ سے جو کچھ بھرا ہے اس کی طرف سے بھرا ہے، اور تاخیر کی وجہ سے جو سود ادا کیا ہے وہ بھی اسی کی طرف سے ادا کیا ہے، اس لیے آپ اس کی طرف سے سود کے نام سے ملی ہوئی رقم سے آپ کا بھرا ہوا سود وصول کر سکتے ہیں، اور زائد رقم اس کو واپس کر دیں، اور اگر سرکاری قانون یہ ہے کہ سیل ٹیکس دکاندار پر واجب ہے تو آپ اپنا بھرا ہوا سود اس سے وصول نہیں کر سکتے۔

② اس میں رقم دینے کی مسلمان کو اجازت نہیں۔ اگر نقصان کا مطلب یہ ہے کہ بکری کم ہو جائے گی تو اس کی وجہ سے بھی ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ موقع پانے پر جانی یا مالی نقصان پہنچاتے ہیں تو جو حضرات لینے کے لیے آتے ہیں ان کو ذاتی طور پر دینے کی نیت سے دینے کی گنجائش ہے، "سیتہ نارائن" پوجا کے پروگرام میں دینے کی نیت نہ کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ صفر ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تجارت کی رقم دے کر مقررہ نفع لینا

(سوال): زید نے کسی کو مثلاً پچاس ہزار روپئے برائے تجارت دیے اور کہا کہ تم ہمیں ہر ماہ دس ہزار روپئے دے دینا، بقیہ تمہارا ہے خواہ تجارت میں تمہیں نفع ہو یا نقصان، اور اس پر دونوں کی رضامندی سے معاملہ طے ہو گیا تو کیا یہ شکل جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب): حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ صورت جائز نہیں، ہر ماہ جو مقررہ رقم لی جائے گی وہ سود کے حکم میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم سے تجارت کر کے منافع وقف کرنا

(سوال): میرے پاس میری اور میرے خاندان کی سود کی رقم جمع ہے (زیادہ تر میری ہے) یہ سود کی رقم برطانیہ میں ہماری اصل رقم جو ڈپازٹ A/C میں تھی اسے بینک نے دی ہے، بینک بھی غیر مسلم کا ہے، ہم اس رقم کو بغیر ثواب کے دینا چاہتے ہیں اور تقریباً کافی دی جا چکی ہے۔

باقی سود کی رقم کے متعلق سوال ہے کہ آیا اس رقم کو کہیں INVEST کر کے وہ تمام سود کی رقم اور اس سے مستقبل میں حاصل ہونے والا نفع دونوں وقف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اصل سود اور اس سے حاصل ہونے والا نفع کسی کو یعنی مستحقین کو وقف کیا جا سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کے لیے کسی بھی قسم کے ثواب کی امید رکھے بغیر غریبوں، محتاجوں کو مالک بنا کر دے دینا ضروری ہے، آپ اس رقم کو INVEST کر کے اس کا منافعہ مستحقین کے لیے وقف کرنا چاہیں تو درست نہیں، اس صورت میں شریعتِ مطہرہ کی طرف سے ایسی رقم کے سلسلہ میں آپ پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس سے آپ انحراف کرنے والے شمار ہو کر گنہگار ہوں گے؛ البتہ غرباء اور محتاج جو اس رقم کے مستحق ہیں آپ یہ رقم بطورِ تملیک ان کو دے دیں اور وہ حضرات برضا ورغبت اپنی طرف سے اس کو INVEST کریں اور پھر اس کا منافعہ ضرورت مندوں پر تقسیم کریں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں، اس صورت میں وہی اس کے INVEST کرنے والے اور منافعہ کو مستحقین پر خرچ کرنے والے سمجھے جائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ رجب المرجب
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

خریدار کو لون دلوانے اور سودی معاملے میں بلڈر کا تعاون

سوال: میں بلڈنگ کنٹرکشن (گھر باندھ کام) کا کام کرتا ہوں تو میرے پاس دو طرح کے گاہک آتے ہیں (۱) مکمل نقد روپئے دے کر گھر خریدتے ہیں۔ (۲) دوسری قسم کے گاہک سودی قرضہ لے کر گھر خریدتے ہیں، آج کے دور میں سودی قرضہ لے کر ہی زیادہ لوگ گھر خریدتے ہیں، شروع میں کچھ رقم بیکینگ کے طور پر دیتے ہیں اور بقیہ رقم بینک سے لے کر دیتے رہتے ہیں، تو اس صورت میں مجھے ان گاہکوں کو میری

زمین کے کچھ ضروری کاغذات دینے پڑتے ہیں، اور بعض مرتبہ بینک میں جا کر گاہک کی طرف سے پچاس یا اسّی فیصد کام مجھے ہی کرنا پڑتا ہے، کام یہ ہوتا ہے کہ ضروری کاغذات پر ہر فریق کے دستخط وغیرہ لینا اس کی تنخواہ، کار سیٹ وغیرہ جمع کرانا، اسی طرح کچھ ضروری ایسے کام کے جس کے بغیر بینک قرضہ دیتی ہی نہیں تو اب میرے سوالات یہ ہیں:

① میری زمین کے مکانات بیچنے کے لیے یہ بینک والا کام کرنا پڑتا ہے تو یہ کام میں کرسکتا ہوں یا نہیں کرسکتا؟ نہ کرنے کی صورت میں بڑی مشکل اور پریشانی اٹھانی پڑتی ہے گھر بکتے نہیں، جس کی وجہ سے معاشی حالت تنگ دست ہو جاتی ہے اور بُرا اثر پڑتا ہے، لوگوں سے کام جاری رکھنے کے لیے غیر سودی قرضہ مانگنا پڑتا ہے، واضح رہے کہ یہ کاروبار میرے والد سے چلتا آرہا ہے۔

② یہ سوال پوچھنے سے پہلے میں نے بینک میں کام کر کے کچھ مکانات فروخت کئے ہیں تو ان کی کمائی صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی سود لینے والے اور سود دینے والے اور سودی معاملہ کی تحریر لکھنے والے اور سودی معاملہ میں گواہ بننے والوں پر اور فرمایا کہ یہ سب اصل گناہ میں برابر ہیں۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چوں کہ سودی معاملہ ان تمام کی باہمی اشتراک اور تعاون سے انجام پاتا ہے اور وجود میں آتا ہے، اس لیے ان میں سے ہر ایک گناہ میں شریک قرار دیا گیا۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ٦/ ٥٩)

جو گاہک آپ سے مکان خریدتے ہیں، اور اس کے لیے بینک سے سودی قرضہ حاصل کرتے ہیں، ان کے لیے بینک سے سودی قرضہ حاصل کرنے کے لیے کی جانے والی کارروائی میں آپ بھی حصہ لیتے ہیں، گویا اس گناہ کے کام میں آپ نے بھی اپنا تعاون پیش کیا، اس لیے آپ بھی گنہگار ہوئے اور وعید کے مستحق ٹھہرے۔

(۲) آپ گاہکوں سے اپنے فروخت کئے ہوئے مکانات کی قیمت کے طور پر جو رقم وصول کرتے ہیں اس کو حرام کمائی نہیں کہا جا سکتا۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

سودی لون لینے والے شرکاء کے ساتھ تجارت کرنا

سوال: ایک شخص نے کمپنی کی بنیاد رکھی، پھر دوسرے شرکاء نے شرکت کی، بعض شرکاء انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے لون ''جو کہ سودی ہوتی ہے'' لیتے ہیں، بعض شرکاء سودی لون سے منع کرتے ہیں؛ لیکن لینے والے غالب رہتے ہیں، وہ لوگ لون لیتے رہتے ہیں، کیا ایسے شرکاء کے ساتھ شرکت میں تجارت جائز ہے؟ کیا سودی لون لے کر کاروبار کرنے والوں کے ساتھ بطورِ مضاربت شرکت جائز ہے؟ عام طور پر مصانع وکمپنیاں سودی لون لیتی ہیں ان کے شیئرز خریدنا شرکت ہے تو ان کمپنیوں میں مذکورہ صورت میں شرکت کے جواز کی کیا تاویل؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک سوال وجواب امداد الفتاوی سے نقل کیا جا رہا ہے:

سوال: کوئی مسلمان کسی ہندو کے پاس سے کسی ضرورت کے موقع پر سودی قرض

لیتا ہے اور اس سے اپنا بیوپار چلاتا ہے یا کوئی زمین خرید تا ہے، چند دن کے بعد وہ قرضہ مع سود ادا کر دیتا ہے، اپنی باقی ماندہ ملک کو پاک سمجھتا ہے اور یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ سود کے دینے سے تو خود گنہگار ہوا؛ مگر اس کی حرمت باقی ماندہ ملک میں سرایت نہیں کرے گی، خیال کرتا ہے؛ کیوں کہ یہ شخص سود دیا ہے لیا تو نہیں، پس اس مِلک کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس شخص نے جو سمجھا ہے صحیح ہے۔(۳/۱۶۹-۱۷۰)

جن لوگوں کے پاس سے سودی لون لی ہے ان کی آمدنی اگر حلال اور جائز ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو اوپر امداد الفتاوی سے نقل کیا گیا، اور اس صورت میں ان کے ساتھ شرکت اور مضاربت بھی درست ہے؛ لیکن اگر جن سے سودی لون حاصل کی گئی ہے ان کی آمدنی ہی ناجائز اور حرام ہے جیسے بینکوں سے لی جانے والی لون کا حال ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ شرکت و مضاربت درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود کا مصرف

بینک سود کا مصرَف اور اس کے استعمال کی مختلف شکلیں

سوال: فی زماننا سود کی رقم کے مصارف جب کہ اس قسم کی رقم کی کثرت پائی جاتی ہے، اگر بیان فرمادیں تو عین نوازش ہوگی؛ کیوں کہ بعض علاقوں میں سود کی رقمیں عجیب عجیب مصارف میں استعمال ہو رہی ہیں، مثلاً:

① پیمنٹ کی ادائیگی کے لیے کسی تاجر کو بھیجنے یا اپنی ضرورت سے دوسرے شہر رقم منتقل کرنے کے لیے بینک سے ڈرافٹ بنوا کر اس کی اجرت (سروس چارج) میں سود کی رقم دینا۔

② واٹر ٹیکس جس میں اپنے ہی استعمال میں آنے والے پانی کی سپلائی پر سرکار کی طرف سے جو ٹیکس عائد کیا جاتا ہے اس ٹیکس کی ادائیگی سود کی رقم سے کرنا۔

③ انکم ٹیکس جس میں تجارت پیشہ حضرات جو ایک سال میں منافع کماتے ہیں اُن منافع پر جو ٹیکس لیا جاتا ہے اس کی ادائیگی کے لیے سود کی رقم کا استعمال۔ تاجر پیشہ حضرات اپنی صحیح اور حقیقی آمدنی کبھی بھی سرکار کو نہیں بتاتے، سنا گیا ہے کہ بعض ہندوستانی علما کی طرف سے دی گئی رخصت و جواز کی بنا پر وہ لوگ ایسا کرتے ہیں، اب جو نقلی منافع پر ٹیکس لگتا ہے اس کو بھی سود کی رقم سے دینا چاہتے ہیں۔

④ سیلس ٹیکس اور اکٹرائی (چُنگی)، اس میں بھی تاجر حضرات دو نمبر کے بل وغیرہ بنوا کر اصل مقدارِ مال پر جو ٹیکس عائد ہوتا ہے، اس سے بچ جاتے ہیں، ہاں نقلی مقدارِ مال پر جو ٹیکس عائد ہوتا ہے اس میں سود کی رقم کا استعمال کرتے ہیں۔

⑤ آفیسروں اور سرکاری ملازموں کو جو ہدایا و تحائف بطورِ رشوت دیتے ہیں ان میں سود کی رقم کا استعمال کرتے ہیں اگرچہ ان تحائف کے دینے کا منشا اپنے ہی کسی قصور و جرم سے سبک دوشی حاصل کرنا ہوتا ہے۔

⑥ اسپتالوں اور کچہریوں میں کام کرتے ملازمین کو بخشش کے طور پر سود کی رقم دے کر اپنے لیے سہولت اور آسانی مہیا کر لیتے ہیں۔

⑦ غیروں کے علاقوں میں رہتے بعض مسلم بھائی فتنہ سے بچنے کے لیے ان

کے مذہبی اور سماجی پروگراموں اور فنکشنوں میں سود کی رقم دیتے ہیں، خصوصاً گنپتی ودسہرا کے موقعوں پر۔

⑧ محلّہ کے شرپسند عناصر کے شر سے بچنے کے لیے سود کی رقم کا استعمال کرتے ہیں، اگرچہ وہ مسلمان ہی ہو اور شہر کے نام چین غنڈوں میں شمار ہوتا ہو۔

⑨ بینک میں کھاتا چلانے کو جو اخراجات (یعنی بینکس چارچیز) لگائے جاتے ہیں مثلاً چیک بُک کی قیمت، پاس بُک کی قیمت، اسٹیٹمنٹ کی قیمت وغیرہ، وہ بینک میں جمع شدہ رقم پر جو سود ملتا ہے، اس میں سے وضع کروالیتے ہیں۔

⑩ فکس ڈپازٹ میں کثیر رقم رکھ کر اس کے سامنے بینک کے ذریعہ کسی چیز (مثلاً مکان، گاڑی، پلاٹ وغیرہ) کی خریداری کر کے یا نقد لون کی صورت میں رقم لے کر اس فکس رکھی ہوئی ڈپازٹ پر ملنے والی سود کی رقم سے اس سود کی ادائیگی کرنا یعنی سود کی رقم سود میں چلی جائے۔

⑪ زید کے پاس سود کی رقم ہے جو اس کی ذاتی رقم پر مدت گذرنے کے بعد ملی ہے وہ بکر کو اس کی لی ہوئی بینک کی لون پر عائد ہونے والی سود کی رقم کے بدلے ادا کردیتا ہے۔

⑫ لائٹ بل بہت زیادہ آگیا، معمول سے زائد رقم کو سود والی رقم سے ادا کردیتے ہیں۔

⑬ تقریبات کے موقعوں پر سود کی رقم سے غریبوں کی مدد کر کے ان کو دعوت وغیرہ کے لیے رغبت دلاتے ہیں اور پھر خود بھی ان کے یہاں جا کر کھانا وغیرہ کھاتے ہیں۔

⑭ عیدِ برات یا خوشی کے موقعوں پر پوسٹ مین، ٹیلی فون مین، ٹیلی گرام مین

اور صاف صفائی کرنے والے اکثر انعام وصول کرنے آجاتے ہیں، ان کو سود کی رقم میں سے تھوڑا تھوڑا دیتے رہتے ہیں۔

⑮ اپنے گھروں اور دوکانوں، فیکٹریوں میں کام کرتے ملازمین وملازمات کو علاوہ تنخواہ کے ان کے زائد اخراجات مثلاً شادی بیاہ، بیماری، موت میت وغیرہ کے لیے سود کی رقم دیتے ہیں جس کی وجہ سے بعض مرتبہ وہ لوگ بھی معینہ کام کے سوا زائد کام کردیتے ہیں، اس طرح گھر والوں کو اور دوکان والوں کو اس کا فائدہ مل جاتا ہے۔

⑯ اجتماعی شادیوں کے موقعوں پر بعض امرا سود کی کثیر رقم منتظمین حضرات کو دیتے ہیں جس سے وہ لوگ غریب دولہا دلہن کے لیے گھر کے استعمال والی اور ذاتی استعمال میں آنے والی چیز خرید کردیتے ہیں نیز اس رقم سے اجتماعی شادیوں کے رقعات اور ڈیکوریشن وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں، پھر ان امرا کا نام اخبار اور رسائل میں مع تصویروں کے چھپ جاتا ہے کہ فلاں سیٹھ صاحب نے اور فلاں امیر صاحب نے اور فلاں رئیس صاحب نے اتنی اتنی رقم اجتماعی شادیوں کے پروگرام کو انجام دینے کے لیے عطا کی، اس طرح سود کی رقم صحیح ٹھکانے پر لگ گئی اور نام بھی ہوگیا۔

⑰ بعض مسلم سوشل ورکر اپنی واہ واہ کروانے کو رفاہِ عام کے کاموں کے لیے سود کی رقم ڈونیٹ کرتے ہیں جس کے ذریعہ سے محلہ میں پکی سڑک کا انتظام، لائٹ کا انتظام، لائبریری کا انتظام وغیرہ کیا جاتا ہے۔

⑱ بعض بیچارے سود والی رقم سے مسجد ومدرسہ کے استنجا خانے، بیت الخلا اور غسل خانے وغیرہ بنوادیتے ہیں، نیز ان میں لوٹے، پاٹ اور بالٹی وغیرہ کا بھی ان ہی پیسوں سے انتظام کرتے ہیں حتی کہ بعض حضرات اپنی رقم سے وہاں کی ضرورت

کے لیے بلب، ٹیوب اور ہیٹر وغیرہ کا نظام کرتے ہیں۔

⑲ بعض جگہوں پر اسکول اور کالج میں تعلیم حاصل کرتے غریب گھرانے کے بالغ ونابالغ لڑکے لڑکیوں کے لیے فیس، یونیفارم اور کتابوں کے لیے سود کی رقم سے تعاون کیا جاتا ہے۔

مذکورہ صورتیں سود کی رقم استعمال کرنے کی آج کل چل رہی ہیں جو بندۂ مستفتی کے علم اور تجربہ میں آئیں، جنابِ والا کی خدمت میں عرض کردیں۔ اب جنابِ والا ان صورتوں میں جواز والی صورت کی نشاندہی فرمادیں، نیز اور بھی جائز مصارف کا ذکر فرمادیں جیسا کہ تحریر کی ابتدا میں درخواست کی گئی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کی سودی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے اور ثواب کی نیت رکھے بغیر فقرا اور مساکین کو بطورِ تملیک دے دینا ضروری ہے، یہی اس کا اصل مصرف ہے، اپنے استعمال میں لانا یا رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کرنا درست نہیں۔ اس رقم کے متعلق یہ اصولی اور بنیادی جواب ہے، آپ نے لوگ اس نوع کی رقم کہاں کہاں خرچ کرتے ہیں اس کو تفصیل سے لکھا ہے، مندرجۂ بالا جواب سے ان تمام صورتوں کا حکم معلوم ہوسکتا ہے، پھر بھی آپ کی تسلئ خاطر کے لیے ہر ایک کا الگ الگ جواب دیا جارہا ہے۔

① ② یہ درست نہیں؛ اس لیے کہ ایک طریقہ سے یہ اپنے ہی استعمال میں لانا شمار ہوگا۔

③ اس سلسلہ میں حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی دامت برکاتہم تحریر

فرماتے ہیں: حکومت کے ایسے ٹیکسوں میں جن کی منفعت ٹیکس دہندہ کو نہ پہونچتی ہو اور شرعاً وہ ظالمانہ ٹیکس کے دائرہ میں آتے ہوں تو حکومتی بینک کے سود سے حکومت کو ظالمانہ ٹیکس دینا تو اصولاً جائز ہونا چاہیے؛ لیکن اول تو ٹیکسوں کی منفعت نہ پہونچنے اور پھر اس کی ٹھیک مقدار کا تعین بسا اوقات مشکل معلوم ہوتا ہے اور پھر سود کی اتنی ہی مقدار پر اکتفا اور زیادہ دشوار نظر آتا ہے۔

مزید برآں یہ کہ اس طرح کی اجازت سے سود لینے کا دروازہ کھل جانے کا خطرہ ہے؛ کیوں کہ عام تجربہ ہے کہ ایک بار کسی کام کی اجازت اگرچہ بہت سی قیود اور حدود کے ساتھ دے دی جائے تو پھر عوام ان حدود وقیود کا لحاظ کیے بغیر اس کام میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس لیے سداً للذ ریعہ حکومتی بینکوں سے ملے ہوئے سود کے بھی عام استعمال کی اجازت نہ دینا ہی بہتر ہے (خواہ وہ غیر شرعی ٹیکسوں کے بقدر ہی لیا گیا ہو)۔

علاوہ ازیں کہ حکومت کے بعض ٹیکس وہ ہیں جو ظاہری طور پر ظالمانہ معلوم ہوتے ہیں اگر ان کی منفعت (کبھی غیر محسوس طریقہ پر) ٹیکس دینے والے کی طرف بسا اوقات لوٹ آتی ہے، گویا اس طریقہ سے وہ ٹیکس اس خدمت کا بدل ہو جاتا ہے جو حکومت کی طرف سے ٹیکس دہندہ کی کی گئی ہے اس خدمت کے بعد سود لینا حقیقتاً وبال ہی ٹھہرے گا؛ البتہ اگر حکومت کے کسی ٹیکس کا ظالمانہ ہونا متعین ہو جائے (اور اس کے بدلے کوئی معتد بہ منفعت بھی حاصل نہ کی گئی ہو) تو اس ٹیکس کا گورنمنٹ کے ٹیکس سے ملے ہوئے سود کی رقم سے ادا کرنا اصولاً جائز معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ظالمانہ ٹیکس کے بقدر حکومت (یا اس کے کسی ادارہ) سے قانونی طریقہ پر وصول کر لینا شرعاً درست ہونا چاہیے۔

(موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل: ۱۷۳-۱۷۴)

یہاں یہ بات یاد رہے کہ بینک کے سود کی رقم سے حکومت کے ظالمانہ ٹیکس کی ادائیگی کو جائز قرار دیا گیا ہے وہاں پر مطلق ہر بینک مراد نہیں؛ بلکہ وہی بینک مراد ہے جو حکومت کی ملک ہو، اس لیے کہ حکومتی بینکوں کے علاوہ دیگر بینکوں سے ملی ہوئی سود کی رقم کو حکومت کے ظالمانہ ٹیکس کی ادائیگی میں دینا درست نہیں۔

④ حضرت مفتی نظام الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: اسٹیٹ بینک یا مرکزی حکومت کے اور جتنے بینک ہیں ان سے سود کی جو رقم ملے اس کو اگر مرکزی حکومت ہی کے کسی غیر شرعی ٹیکس میں دے دے تو ذمہ سے بری ہو جائے گا، جیسے: انکم ٹیکس وغیرہ اور اگر مرکزی حکومت کے ٹیکس کے علاوہ صوبائی یا میونسپل بورڈ وغیرہ کے کسی مقامی یا نجی غیر شرعی ٹیکس وغیرہ میں دے دیا جائے تو ذمہ سے بری نہ ہوگا؛ بلکہ ایسی صورت میں اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے غربا و مساکین پر تصدّق کر دینا لازم ہوگا۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ ۳/۱۲۸)

⑤ اپنا کوئی کام نکلوانے کے لیے یا اپنے آپ کو حکومت کی کسی گرفت سے بچانے کے لیے جو رقم حکومت کے متعلقہ کارندوں کو بطورِ رشوت دی جاتی ہے اس میں بینک کی سودی رقم کا استعمال جائز نہیں ہے۔

⑥ یہ بھی درست نہیں، یہ استعمال بھی ذاتی استعمال میں شمار ہوگا۔

⑦ یہ بھی جائز نہیں۔

⑧ یہ بھی جائز نہیں۔

⑨ درست نہیں۔

⑩ فکس ڈپازٹ میں رقم رکھنے کا مقصد ہی سود حاصل کرنا ہوتا ہے جو کسی حال

میں درست اور جائز نہیں، اصالتاً تو بینک میں رقم جمع کرانا ہی جائز نہیں؛ اس لیے کہ اعانت علی المعصیۃ ہے، چند قانونی مجبوریوں کی وجہ سے اس کی اجازت دی جاتی ہے جو فکس ڈپازٹ والی صورت میں پائی نہیں جاتی، نیز اس آدمی کے پاس اپنی ذاتی رقم ہوتے ہوئے سودی قرض (لون) لینا یہ خود بہت بڑا جرم ہے اور اس طرح سے آدمی دوہرے گناہ (سود کے لینے اور دینے) میں مبتلا ہوتا ہے۔

⑪ اگر بکر مستحقِ زکوٰۃ یعنی بینک کی سودی رقم کا مصرف ہے تب تو زید کے لیے خود کو بینک سے بطورِ سود ملی ہوئی رقم بکر کو دینا جائز ہے اور رقم ملنے کے بعد بکر اپنی کسی بھی ضرورت میں اس کو استعمال کر سکتا ہے؛ لیکن اگر بکر مصرفِ زکوٰۃ یعنی بینک کی سودی رقم کا حق دار نہیں ہے تو زید کے لیے بینک سے ملی ہوئی سود کی رقم بکر کو دینا جائز نہیں۔

⑫ لائٹ بل کی ادائیگی میں بھی بینک کی سودی رقم کا استعمال درست نہیں، اگر لائٹ بل بہت زیادہ آ گیا ہو تو اس وقت جس نوع کی قانونی کاروائی کی جانی چاہیے کرے اور اس زیادتی سے اپنے آپ کو بچائے۔

⑬ تقریب کے موقعہ پر دعوت کی غرض سے جس غریب کو بینک کی سودی رقم دی جا رہی ہے وہ اگر اس کا مصرف ہے تو اس کی اجازت ہے۔

⑭ مذکورہ اشخاص کو بطورِ انعام بینک کی سودی رقم دینا جائز نہیں؛ البتہ اگر یہ حضرات مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو زبان سے انعام کا نام لے کر دینے کی گنجائش ہے۔

⑮ اپنے یہاں کام کرنے والے ملازم مرد اور عورتوں کو اگر وہ مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو دینا جائز اور درست ہے؛ لیکن اس کی بنیاد پر ان سے ان کے فرضِ منصبی سے زیادہ کام لینا جائز نہیں۔

⑯ اجتماعی شادیوں کے پروگرام میں غریب دولہا دُلہن کو مالک بنا کر جو چیزیں دی جاتی ہیں اس میں اس رقم کا استعمال درست ہے؛ لیکن اجتماعی نکاح کے لیے تیار کیے جانے والے پنڈال اور اس کے ڈیکوریشن میں خرچ کرنا جائز نہیں؛ اس لیے کہ تملیک جو ضروری ہے پائی نہیں جاتی، باقی دینے والوں کا نام اخبار میں چھاپنا یہ سب نام ونمود کے علاوہ کچھ نہیں۔

⑰ جیسا کہ شروع میں بتلایا جاچکا رفاہِ عام کے کاموں میں بینک کی سودی رقم کا استعمال درست نہیں۔ ⑱ یہ بھی ناجائز ہے۔

⑲ اسکول اور کالج میں تعلیم حاصل کرنے والے لڑکے لڑکیوں کی ضرورتوں میں بطورِ تملیک استعمال کرنا درست ہے بشرطیکہ وہ مصرفِ زکوٰۃ ہوں، اور اگر وہ نابالغ ہیں اور ان کے ماں باپ مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو ان کی ضرورتوں کے لیے بطورِ تملیک دیا جاسکتا ہے۔

شروع میں اصولی اور بنیادی بات بتلادی گئی ہے اسی کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کونسا مصرف درست ہے اور کونسا مصرف درست نہیں اس کا فیصلہ بہ آسانی کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۴/ جمادی الثانیہ ۲۴ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ

بینک یا پوسٹ سے ملنے والا سود اور ٹیکس میں اس کا استعمال

(سوال): بینک یا پوسٹ آفس سے ملنے والی رقم لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس کا

استعمال اپنے گذارے کے لیے کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۱) ہمارے یہاں سرکاری ملازم جب (عمر ہونے پر) ریٹائرڈ ہوتا ہے تو اس کو ہر ماہ پنشن (جو تنخواہ سے بہت کم ہوتا ہے) ملتا ہے، عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے دوسری ملازمت بھی نہیں کر سکتا، مجبور ہے، اور ملنے والی پنشن سے اس کا نباہ نہیں ہو سکتا ہے، ایسی صورت میں (ریٹائرڈ ہونے پر پرووِیڈنٹ فنڈ ملتا ہے) تو اس کی رقم کو حفاظت کی غرض سے بینک یا پوسٹ آفس میں رکھتا ہوں، تو ایسی صورت میں اس پر ملنے والی رقم (سود) کو میں اپنے لیے استعمال کر سکتا ہوں کہ نہیں؟

(۲) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ: ہمارا ملک دار الاسلام نہیں ہے (اسلامی قواعد نافذ نہیں ہو سکتے ہیں)؛ اس لیے ہم نے ہمارے پیسے بینک یا پوسٹ آفس میں بہ غرض حفاظت رکھے ہیں، اس پر ملنے والے سود کو اپنے لیے استعمال کر سکتے ہیں، یہ بات کیسی ہے؟

(۳) ایک بات یہ جاننے میں آئی ہے کہ بینک یا پوسٹ آفس میں جمع شدہ رقم پر ملنے والے سود کو آمدنی Tex اور مکان اور پانی کا Tex وغیرہ کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، اگر یہ صحیح ہے تو ہم سود اپنے ہی لیے استعمال کر رہے ہیں! کیوں کہ آخر کار اس کے دینے سے اپنے پیسوں کا بچاؤ ہوتا ہے، تو یہ بات کیسی ہے؟

نوٹ: پوسٹ آفس میں جمع شدہ رقم سرکار سود کے کاموں میں استعمال نہیں کرتی ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) بینک سود کی رقم، اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے ثواب کی نیت رکھے بغیر

فقرا اور مساکین کو بہ طور تملیک دینا ضروری ہے، اپنے استعمال میں لانے کی اجازت نہیں۔ آپ کے پاس جب تک وہ رقم موجود ہے جس کو آپ نے بہ غرض حفاظت بینک میں رکھا ہے، وہاں تک آپ شرعی فقیر اور مسکین کی تعریف میں نہیں آتے۔

② سود کی حرمت مطلق ہے، کسی زمانہ اور مکان کے ساتھ خاص نہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وحرم الربوا﴾.

③ حکومت کی طرف سے جو سہولتیں (پانی بجلی وغیرہ) مہیا کی جاتی ہیں اور اس کے معاوضہ میں جو رقم ٹیکس کے نام سے وصول کی جاتی ہے، اس میں بینک سود کی رقم دینا جائز نہیں؛ البتہ جو ٹیکس جبراً بلا کسی معاوضہ کے وصول کیے جاتے ہیں ان کی ادائیگی میں یہ رقم دینا اس لیے روا رکھا گیا ہے کہ، یہ حکومتی ادارہ (یعنی وہ بینک جو حکومت کی ملک ہے اس) کی طرف سے ملی ہے، اب حکومت ہی کے ناجائز مطالبہ سے بچاؤ کے لیے اس کو استعمال کرتے ہوئے اس کو لوٹایا جا رہا ہے؛ اسی لیے یہ حکم ہر بینک سے حاصل ہونے والے سود کا نہیں ہے؛ بلکہ اس کا تعلق صرف ان ہی بینکوں سے ہے جو حکومت کی مملوکہ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ رذوالحجۃ الحرام ۱۴۲۱ھ

سودی رقم کا مصرف

سوال: غیر مسلم سرکار سے ربوا لینا دینا جائز ہے کہ نہیں؟ اور ہمارے ملک میں یہ قاعدہ جاری ہے کہ بینکوں میں روپیہ رکھنے والوں کو ربوا کے طور پر روپئے دیے جاتے ہیں، تو اس کا لینا جائز ہے؟ اور اس کا خرچ کرنا اپنے ذاتی مفاد کے لیے جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی حرمت فروعی اور استنباطی نہیں؛ بلکہ منصوص اور قطعی ہے۔ ﴿وحرّم الربوا﴾ (اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے) سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے؛ سب پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔

عن جابر قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال هم سواءة رواه مسلم (مشكوٰة: ٢٤٤)

بہتر یہ ہے کہ بینک میں روپیہ داخل نہ کیا جائے، اگر اور کوئی صورت نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری بینک میں بھی روپیہ داخل کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴/ ۲۰۰)

اگر بینک میں رقم جمع کی ہے، تو فاضل رقم وہاں سے وصول کر کے غرباء کو دیدی جائے اس نیت سے کہ اللہ پاک اس کے وبال سے محفوظ رکھے۔ (ایضاً ۲۰۳)

اپنے ذاتی استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم کا مصرف

سوال: جماعت المسلمین محلہ جونا بازار مجگاؤں جماعت کے کئی ہزار روپئے مختلف بینکوں میں موجود ہیں، اس رقم پر ملنے والی سود کی رقم کو مدرسہ کے کس مد میں استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بلا ضرورت اور مجبوری بنک میں رقم جمع کرانا جائز نہیں ہے، اگر کسی ضرورت یا

مجبوری کی وجہ سے اس کی نوبت آ گئی، تو اس پر سود کے نام سے جو زائد رقم حاصل ہوتی ہے تو اس کو غرباء ومساکین کو بطورِ تملیک دینا ضروری ہے، اور دیتے وقت نیت ثواب کی نہ ہو؛ بلکہ اس کے وبال کو دور کرنے کی ہو، اگر ادارہ پر حکومت نے کوئی ناجائز ٹیکس لازم کر دیا ہے تو حکومتی بینک سے حاصل شدہ اس زائد رقم کو اس ناجائز ٹیکس کی ادائیگی کے نام سے حکومت کو واپس کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شوگر فیکٹری کے سود کا حکم

سوال: میں شکر فیکٹری کا ممبر ہوں اور یہ ممبر اور شیئر بننا ضروری ہوتا ہے بایں طور کہ میں کاشت کار ہوں گنا وغیرہ کی کھیتی بھی کرتا ہوں ظاہر سی بات ہے اس گنے کو شکر فیکٹری میں فروخت کریں گے اب سوال یہ ہے کہ جب گنا فیکٹری میں بھیجا جاتا ہے اس وقت فیکٹری مالک اپنا کچھ فنڈ کاٹ لیتے ہیں شیئر بناتے ہیں اور پھر اس فنڈ کا پیسہ بعد میں فیکٹری مالک بھیجتے بھی ہیں لیکن یہ لکھ کر بھیجتے ہیں کہ آپ کا بیاج یہ ہے۔ تو کیا یہ رقم جو بہ نام بیاج بھیجی گئی بیاج ہی ہے؟ یا اپنی دی ہوئی رقم (فنڈ والی) کا منافع ہے؟

نوٹ: یہ بات ملحوظ رہے کہ فنڈ والی رقم تو مالک فیکٹری کے پاس جمع ہی رہتی ہے البتہ وہ اس کا سالانہ بیاج بھیجتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فنڈ کی جمع شدہ رقم پر جو سود آپ کو مل رہا ہے اس کا استعمال آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔ وہ رقم اس کا وبال اتارنے کی غرض سے غرباء ومساکین کو بہ طور تملیک

دے دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ / ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

سودی پیسہ گٹر یوجنا میں

سوال: جو پیسہ بینکوں میں رکھا جاتا ہے، اور جو اس کا سود ملتا ہے اس کا استعمال کہاں کہاں جائز ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں دھرم پور میں نگر پنچایت کی طرف سے گاؤں کے پانی نکالنے کے لیے گٹر بنوایا جارہا ہے، جس میں ہر گھر والے سے کچھ رقم لی جارہی ہے، تو آیا بینک کا بیاج جو پیسہ گٹر یوجنا میں دے سکتے ہیں کہ نہیں؟ ایک خلاصہ یہ بھی ہے کہ ایک جنرل گٹر ہوگا جس میں ہر گھر والے کا کنکشن جوڑا جائے گا، تو اپنے گھر کے باڑے سے جنرل پائپ تک اپنے راس المال میں سے خرچ ہو، اور جنرل میں بیاج یا دونوں میں بیاج چل سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی ضرورت شدیدہ کے پیشِ نظر بینک میں رکھی ہوئی رقم پر جو سود ملتا ہے اس کو اس کے وبال کو دور کرنے کی نیت سے (بلانیت ثواب) غرباء ومساکین کو بطور تملیک دے دیا جائے، گٹر یوجنا میں یہ رقم نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بینک کے سود سے نالی کا ڈھکن بنوانا

سوال: میرے گھر کے سامنے دروازے پر پانی جانے کی نالی بنائی ہوئی ہے

اس نالی کے اوپر پتھر رکھے ہوئے ہیں تو ان پتھروں کے اوپر میری گاڑی یہاں آتی ہے اور جاتی ہے جس سے وہ پتھر ٹوٹ جاتے ہیں تو وہاں پر سودی رقم سے لوہے کی جالی لگائی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کے سود کی رقم سے لوکھنڈ کی وہ جالی بنوا کر پتھر کی جگہ رکھنا درست نہیں، اوپر جواب میں لکھے ہوئے مصرف میں بینک سود کی رقم دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۹/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بینک میں رقم جمع کرنا اور ملنے والا سود مدارس پر خرچ کرنا

سوال: ہمارے یہاں انگلینڈ میں کچھ مسلمان بینک یا بلڈنگ سوسائٹی (یہ بھی بینک جیسا کاروبار کرتے ہیں) میں سودی کھاتے میں اپنی رقم جمع کروا کر اس پر جو سود ملتا ہے وہ سود غریبوں، مدرسوں میں دے دیتے ہیں، کیا اس طرح سود لینا جائز ہے؟ جب کہ یہاں بنکوں میں ایسے کھاتے کھولنے کی سہولتیں بھی ہیں جن میں رقم جمع کروانے والے کو بینک سود نہیں دیتی، ایسے کھاتوں کو کرنٹ اکاؤنٹ کہتے ہیں، ان کھاتوں میں ایک سہولت یہ بھی ہے کہ رقم جمع کروانے والا کسی کو بھی نقد رقم کے بجائے چیک کی صورت میں رقم ادا کرسکتا ہے، کیا ایسی سہولت کے باوجود بھی بینک میں سود والے کھاتے یعنی اکاؤنٹ میں رقم رکھ کر اس پر سود لے کر غریبوں اور مدرسوں کو دینا جائز ہے؟ مدرسوں اور غریبوں کو سود والی رقم دینے کی وجہ سے لوگوں میں چند قباحتیں بھی پیدا ہو گئی ہیں،

مثلاً جو مسلمان بینک میں دو ہزار پونڈ جمع کرواتا ہے تو اس کو ایک سال کے بعد اس رقم پر آج کل تقریباً ۱۶۰ پونڈ سود ملتا ہے، اور اس پر مزید ۵۰ پونڈ زکوٰۃ بھی فرض ہو جاتی ہے، تو کیا وہ ایک سال میں ۲۱۰ پونڈ اس میں بہ آسانی ادا کرے گا، اگر کسی نے اتنی رقم نکال بھی دی تو پھر وہ للہ خرچ کرنے میں بخل کرے گا، اور اکثر لوگ ایسا کر بھی رہے ہیں کہ جب وہ اتنی بڑی رقم سود کی غرباء اور مدرسوں کو دیں گے تو ان کو للہ جہاں تک زکوۃ ادا کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ براہِ کرم اس مسئلہ پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سود کی حرمت منصوص اور قطعی ہے۔﴿وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا) سود کی حرمت جب نازل ہوئی اس وقت جن لوگوں کا پہلے سے باقی تھا اس کو وصول کرنے کی بھی ممانعت فرمادی گئی بلکہ اس کو شرط ایمان کے برابر قرار دیا+ ﴿وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْن﴾ (سود کا بقایا چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو) جو لوگ سود لینے سے باز نہ آئے ان کے لیے اعلانِ جنگ ہے۔ ﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُولِه﴾ (اگر تم نے ایسا نہ کیا، یعنی سود کا بقایا نہ چھوڑا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے)۔

سود خوار کے حشر کو قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا:﴿الَّذِيْنَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلاَّ كَمَا يَقُومُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَس﴾ (جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو)۔

سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔ لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء (مسلم)

بلاضرورتِ شدیدہ بینک میں روپیہ جمع کرانے کی اجازت نہیں ہے؛ اس لیے کہ تعاون علی الاثم ہے؛ اس لیے اولاً تو بینک میں روپیہ داخل ہی نہ کیا جائے؛ البتہ اگر رقم کی حفاظت کی کوئی اور صورت نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری رقم جمع کرانے کی اجازت دی گئی ہے، اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ "الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ" (جس کام کی اجازت کسی ضرورت کی وجہ سے دی گئی ہو وہ ضرورت کی حد تک ہوتی ہے) جب وہ ضرورت کرنٹ اکاؤنٹ سے پوری ہو جاتی ہے جس میں سود لینا نہیں پڑتا، تو پھر ایسا کھاتہ کیوں جاری کرایا جائے جس میں سود لینا پڑتا ہے، پھر یہ رقم غرباء ومساکین اور مدارس کو جو دی جاتی ہے اس کا مقصد تو اس کے وبال کو دور کرنا ہے نہ کہ ثواب حاصل کرنا؛ بلکہ اگر کوئی آدمی اس رقم سے ثواب کی نیت کرے تو یہ نہایت خطرناک بات ہے، جب شروع سے ہی اپنے آپ کو اس وبال سے بچانا ممکن ہے تو پھر یہ کونسی دانشمندی اور دیانت ہے کہ اس وبال کو اختیاری طور پر اپنے سر لیا جائے اور پھر اس کو دور کرنے کی تدبیر اختیار کی جائے، کوئی بھی سمجھدار آدمی اس لیے زہر نہیں کھا سکتا کہ اس کے پاس تریاق موجود ہے۔ پھر دینی اور مذہبی اداروں کو اگر حرام مال سے چلایا جائے گا تو ان سے ایسے لوگ تیار ہو کر نکلیں گے جو خود بھی حرام وحلال کی تمیز سے بے بہرہ ہوں گے اور قوم کو حرام سے روکنے کا جذبہ بھی ان میں نہیں ہوگا، اس طرح ایسے لوگوں کو تیار کرنا ظاہر ہے کہ کوئی دینی خدمت نہیں جس سے رضاءِ خداوندی میسر آسکے جو کہ

مسلمان کی خلقت کا اصل مقصد ہے؛ نیز اس میں سود کی قباحت کو لوگوں کے قلوب سے کم کرنا لازم آتا ہے جو مقاصد دین کے صریح منافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذوی الحجۃ الحرام ۱۴۲۰ھ

سودی رقم کا مصرف اور کسی ادارے کا اس کو لینا

سوال: ضلع کولہا پور میں ایک ادارہ قائم ہوا، ہمارے علاقہ میں سودی کاروبار بہت زیادہ ہے، اس مال سے بچتے ہوئے یہ ادارہ قائم ہوا ہے؛ لیکن بات یہ ہے کہ پھر بھی ان لوگوں کی رسیدیں کٹ رہی ہیں تو اس مال کا کیا کیا جائے؟ کیا یہ مال روم کے کرایہ کے لیے یا لائٹ بل کے لیے یا کسی اور کام میں استعمال ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں ہوسکتا ہے تو اس مال کا استعمال کہاں اور کیسے کریں بتلادیں؟ عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کا لینا دینا قرآن اور حدیث کے نصوص سے قطعاً حرام ہے، بذریعۂ سود حاصل کی ہوئی رقم اس کے اصل مالک کو اور اس کا انتقال ہوگیا ہو تو اس کے ورثاء کو لوٹانا ضروری ہے، کسی بھی ادارہ کے لیے اس طرح کی رقم کا قبول کرنا کسی حال میں جائز اور درست نہیں، اس لیے اگر اس طرح کی رقوم وصول کر کے رسیدیں کاٹی گئی ہیں تو وہ تمام رقمیں دینے والے کو یوں کہہ کر لوٹادی جائے کہ یہ ان کے اصل مالکین کو پہنچاؤ، ادارہ کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں؛ البتہ اگر بینک سود کی رقم کسی کے پاس ہو تو وہ بلا نیتِ ثواب فقراء اور مساکین کو بطور تملیک دے دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

رفاہ عام میں سود کی رقم دینے کا حکم

سوال: ہمارے استاد نے ربا کے متعلق یہ کہا کہ ربا کی رقم میں حق غربا ہے یعنی مصرف غربا ہیں لقطہ پر قیاس کرتے ہوئے کہ کوئی مستحق نہ ملے تو تصدق علی الفقراء ہے اور کبھی یہ بھی سنا کہ رفاہ عام کے کام میں بھی استعمال کر سکتے ہیں تو رفاہ عام میں استعمال کے وقت کس کو مقیس علیہ بنا کر اجازت دیتے ہیں فی الحال مجھے یاد نہ رہا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں اس روپیے کو جو بینکوں کے سود کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں صرف کر دینا چاہیے۔ عالمگیری میں ہے: وما أوجف المسلمون عليه من أموال أهل الحرب و بغير قتال يصرف في مصالح المسلمين الخ (۲/۲۳۵. کتاب السير ص:۲۱۸) تفصیلات کے لیے درمختار ۳/۳۴۵ اور شرح السیر الکبیر ۳/۱، ۱۷۸، ۱۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹ عالمگیری ۲/۲۱۰ وغیرہ ملاحظہ فرمائیے۔ (مکتوبات ۲/۱۲۴)

اس پر بہ طور حاشیہ مفتی محمد سلمان صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں: فقہ کی دیگر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ سودی رقم کو فقرا پر صدقہ کرنا چاہیے۔ (شامی ۶/۳۸۶) اور اجتماعی مقاصد میں خرچ کرنے کا حکم ہندوستانی سود کے جواز کے حکم پر مبنی ہے جو اس وقت مفتیٰ بہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام ص:۱۴۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۳/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سود کی رقم رفاہ عام اور حکومتی ٹیکس میں دینا

سوال: (۱) سود کی رقم رفاہِ عام میں دینا درست ہے یا نہیں؟ ڈربن کے آس پاس میں حبشیوں کا علاقہ ہے، دعوت کا کام ہو رہا ہے کنواں وغیرہ بنانے کے لیے زیادہ رقم درکار ہے، للہ رقم اکثر ملنا دشوار ہوتا ہے تو اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے گنجائش ہے یا نہیں؟

(۲) سود کی رقم سے حکومتی ٹیکس ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پوری یا اتنی مقدار جتنا ظلم سمجھا جاتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) بینک کے سود کی رقم اس کے وبال سے بچنے کے لیے بلا نیتِ ثواب فقراء اور مساکین کو دے دی جائے، مالک بننے کے بعد وہ جس کام میں بھی استعمال کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، براہِ راست رفاہِ عام میں استعمال نہ کی جائے۔

(۲) اگر بینک کی مالک حکومت ہے تو اس بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم حکومت کے غیر واجبی ٹیکس میں ادا کرنا درست؛ بلکہ اولیٰ ہے، ورنہ جواب نمبر ۱ر کے مطابق صرف کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

رفاہی کاموں میں سود کی رقم دینا جائز نہیں

سوال: جو روپیہ بینک میں رکھا جاتا ہے اس پر جو سود ملتا ہے اس کا استعمال

کہاں کہاں جائز ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں دھرم پور میں نگر پنچایت کی طرف سے گاؤں کا پانی نکالنے کے لیے گٹر بنوایا جا رہا ہے جس میں ہر گھر والے سے کچھ رقم لی جا رہی ہے تو کیا بینک سے ملا ہوا سود گٹر یوجنا میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ دوسری بات یہ بھی ہے کہ ایک جنرل گٹر ہوگا جس میں ہر گھر والے کا کنکشن جوڑا جائے گا تو اپنے گھر کے باڑے سے جنرل پائپ تک اپنے روپیے سے خرچ ہو، اور جنرل میں سود کی رقم دی جائے یا دونوں میں سود کی رقم دی جائے گی تو کیا درست ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

کسی ضرورت شدیدہ کے پیش نظر بینک میں رکھی ہوئی رقم پر جو سود ملتا ہے اس کو اس کے وبال کو دور کرنے کی نیت سے (بلا نیت ثواب) غرباء و مساکین کو بطور تملیک دے دیا جائے، گٹر یوجنا میں یہ رقم نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم، انکم ٹیکس، رشوت وغیرہ میں صرف کرنا

سوال: (۱) دیوالی یا New year میں سود کی رقم سے بیوپاری کو تحفہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) دکان میں کام کرنے والے نوکروں کو چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان سود کی رقم سے دیوالی کا بونس (Bonus) دے سکتے ہیں؟

(۳) سود کی رقم سے دکان کے کسی نوکر کی یا اس کے گھر والوں کی مدد کر سکتے ہیں؟

(۴) سود کی رقم سے انکم ٹیکس (Incom tax) ادا کیا جا سکتا ہے؟

⑤سود کی رقم سے حکومت کے افسر کو رشوت دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

⑥Co.Operatve Housing Socity کے بینک کے کھاتہ (Account) میں جمع سود کی رقم سے گٹروں کا کام یا گندی نالیوں کا کام کروا سکتے ہیں یا نہیں؟

⑦سود کی رقم سے اسکول میں رشوت دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

①ایک بات اصولی طور پر سمجھ لیں کہ بینک سود کی رقم اپنی کسی بھی ضرورت یا فائدہ میں استعمال کرنا جائز اور درست نہیں؛ نیز رفاہِ عام کے کاموں میں بھی اس کو استعمال نہ کیا جائے، اس کا صرف ایک ہی مصرف ہے، اور وہ یہ کہ غریبوں اور مسکینوں کو بلانیتِ ثواب اس کا بوجھ دور کرنے کی غرض سے مالک بنا کر دے دیا جائے، مالک بننے کے بعد وہ حضرات جہاں چاہیں استعمال کر سکتے ہیں؛ البتہ اگر بینک گورنمنٹ کی مالکی کی ہے تو اس سے حاصل شدہ سود کی رقم گورنمنٹ کی طرف سے لاگو کئے جانے والے غیر واجبی ٹیکس میں ادا کر سکتے ہیں، جیسے کہ انکم ٹیکس؛ اس لیے سود کی رقم دیوالی وغیرہ کے موقع پر کسی بیوپاری کو تحفہ میں دینا جائز نہیں کہ یہ بھی ایک طرح سے خود ہی فائدہ اٹھانا ہوا۔

②یہ بھی درست نہیں۔

③اگر وہ غریب اور محتاج ہے تو بطورِ امداد وہ رقم اس کو مالک بنا کر دی جا سکتی ہے؛ لیکن دی جانے والی اس رقم کے ذریعہ دباؤ ڈال کر اس سے اس کی ڈیوٹی سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔

④ اگر جس بینک سے سود کی رقم ملی ہے وہ بینک گورنمنٹ کی ملک ہے تو اسی گورنمنٹ کی طرف سے لاگو کیا جانے والا انکم ٹیکس ادا کیا جا سکتا ہے۔

⑤ نہیں دی جا سکتی، اس لیے کہ اس طرح اس کو رشوت دے کر آپ اپنا کام نکلوا رہے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اس رقم سے فائدہ اٹھایا۔

⑥ اوپر اس کا جواب آ گیا۔

⑦ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پرائیوٹ بینک کی سودی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنا

سوال: میں (سید نصرت علی) اسکول میں ٹیچر کی حیثیت سے سروس کرتا ہوں، اور ہماری تنخواہ ICICI بینک میں جمع ہوتی ہے، ضرورت کے مطابق ہم اس میں سے پیسے نکالتے ہیں، ورنہ یہ تنخواہ کے پیسے اسی بینک میں جمع رہتے ہیں، کبھی کبھی دو یا تین مہینے کے اکٹھے پیسے وہی جمع رہتے ہیں، غرض یہ کہ ہمارا کھاتہ اسی بینک میں ہونے کی وجہ سے تنخواہ کے پیسے یہیں پر رہتے ہیں، مثلاً چالیس ہزار، پچاس ہزار، جو بھی رقم بینک میں رہتی ہے اس پر بینک سال میں دو مرتبہ یعنی مارچ اور ستمبر کے مہینے میں ہم کو جتنے پیسے جمع ہیں اس کے مطابق سود دیتی ہے، اور اسی تنخواہ پر جو ہم کو سال بھر میں ملی ہے گورنمنٹ مارچ کے مہینے میں ہم سے Incom Tax لیتی ہے، تو کیا ہم بینک سے ملی ہوئی سود کی کچھ رقم کو انکم ٹیکس میں بھرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بینک کا کاروبار سودی لین دین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس میں رقم جمع کرانا ایک ناجائز کام میں تعاون کی وجہ سے درست نہیں؛ البتہ اپنے مال کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہ ہو یا کوئی قانونی مجبوری ہو اس صورت میں بینک میں رقم جمع رکھنے کی گنجائش دی گئی ہے؛ لیکن اس صورت میں بھی اس جمع شدہ رقم پر بینک کی طرف سے سود کے نام سے جو رقم زائد دی جارہی ہے اس کا اپنے کسی بھی کام میں لانا جائز نہیں؛ بلکہ حرام ہے، ایسی سود کی رقم غریبوں، محتاجوں کو ثواب کی نیت رکھے بغیر اور سود کا وبال اپنے سر سے ٹلانے کی غرض سے دے دی جائے، اور اگر وہ بینک جس میں رقم جمع رکھی گئی ہے سرکاری ہے تو اس صورت میں سود کے طور پر ملنے والی اس رقم کو سرکار کے کسی غیر واجبی ٹیکس (یعنی ایسا ٹیکس جس کے معاوضہ میں مستقل کوئی فائدہ حاصل ہوتا نہ ہو اس) میں ادا کرنے کی بھی گنجائش ہے، حضرات علماء نے انکم ٹیکس کو بھی اسی نوع کے ٹیکس میں شمار کیا ہے؛ لیکن جیسا کہ آپ نے سوال میں ذکر کیا، آپ نے اپنی رقم ICICI بینک میں جمع رکھوائی ہے، چوں کہ یہ بینک سرکاری ملک نہیں ہے، اس لیے اس کی طرف سے جو رقم سود کے نام سے آپ کے کھاتہ میں جمع ہو رہی ہے اس کو آپ انکم ٹیکس میں ادا نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حکومتی ٹیکسوں میں سودی رقم دینا

سوال: حکومت وقت کی طرف سے لگائے گئے ٹیکس: مثلاً پانی کا ٹیکس، گھر کا

ٹیکس، سڑک کا ٹیکس، قحط زدہ علاقوں میں راحت رسانی کے لیے ہنگامی ٹیکس؛ وغیرہ میں سودی رقم سے ادائیگی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سود کی جو رقم سرکاری محکمہ سے حاصل ہوئی ہے اس کو سرکار کی طرف سے لگائے گئے غیر واجبی ٹیکس میں ادا کرنا درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۴/ ۲۰۳)

حکومت کی طرف سے پانی پہچانے کا جو انتظام کیا جاتا ہے اس پر اگر ٹیکس لیا جاتا ہے تو اس کو غیر واجبی نہیں کہا جاسکتا، سڑک بھی اسی حکم میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اوقاف کی آمدنی کا سود اوقاف کی املاک کے ہاؤس ٹیکس میں

سوال: میں ایک مسجد کے وقف میں خدمت دے رہا ہوں، وقف کے قانون کے اعتبار سے آمدنی بینک میں رکھتے ہیں، اس آمدنی کا معتد بہ سود بینک میں جمع ہوا ہے، اب سود کی رقم کرایہ پر دیے ہوئے مسجد کی ملکیت کے وقف مکانات کے ہاؤس ٹیکس میں میونسپلٹی کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سرکاری بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم غیر واجبی ٹیکس میں سرکار ہی کو دے دی جائے، یا پھر محتاج کو دے دی جائے۔ (فتاوی محمودیہ ۴/ ۲۰۳)

ہاؤس ٹیکس کو غیر واجبی ٹیکس میں شمار کیا جاتا ہے۔

إن الدار لا مؤنة فيها أصلا.(شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

کیا ہاؤس ٹیکس میں سود کی رقم دے سکتے ہیں

سوال: ہاؤس ٹیکس جو میونسپلٹی کی طرف سے لیا جاتا ہے کیا اس میں سود کی رقم دینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے جو رقم حکومت کے بینک میں جمع رکھی گئی اور اس پر جو زائد رقم بینک نے بطور سود دی ہے اس رقم سے ہاؤس ٹیکس (جو حکومت کی طرف سے عائد کیا جاتا ہے) ادا کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پروفیشنل ٹیکس میں سودی رقم استعمال کرنا

سوال: ہر تجارت جس کی فرم کھولی جاتی ہے اس پر حکومت پروفیشنل ٹیکس عائد کرتی ہے جس کے تحت سالانہ ۱۰۰۰ یا ۵۰۰/ روپے حکومت کو ادا کرنے پڑتے ہیں جس کا کوئی بھی فائدہ تجار کو گورنمنٹ کی طرف سے نہیں ملتا، آیا اس ٹیکس کی رقم کی جگہ سود کی رقم ادا کی جائے تو یہ روا ہوگا یا درہے یہ ٹیکس بالکل آکٹرائے کی طرح ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پروفیشنل ٹیکس کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا کوئی فائدہ حکومت کی طرف سے تجار کو

حاصل نہیں ہوتا سمجھ میں آنے والی بات نہیں اس ٹیکس کی ادائیگی کے نتیجے میں جب حکومت نے ان کی تاجرانہ حیثیت کو تسلیم کرلیا تو تاجر حکومت کی طرف سے ملنے والی سہولتوں کا بھی حق دار ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۵/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ

رشوت اور این۔اے کی کاروائی میں سود کی رقم دینا

سوال: جن زمینوں میں کھیتی کی جاتی ہے، ان میں مکانات بنانے کے لیے حکومت کی طرف سے N-A کی کاروائی کرنی پڑتی ہے، جس میں حکومت اور آفیسر حضرات خوب پریشان کرتے ہیں، حکومت این۔اے کی کاروائی کے لیے رقم لیتی ہے اور آفیسر حضرات بھی رشوت مانگتے ہیں تو کیا ان دونوں جگہوں میں سود کی رقم دے سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

این۔اے کی کاروائی میں جتنی رقم قانونی طور پر حکومت وصول کرتی ہے اس میں حکومتی بینک سے ملی ہوئی سود کی رقم ادا کرسکتے ہیں؛ لیکن افسران کو دی جانے والی رشوت میں نہیں دی جاسکتی؛ اس لیے کہ اس صورت میں وہ رقم حکومت کے پاس نہیں جاتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنا

سوال: زید احمد آباد کے میونسپل اردو اسکول میں مدرس کی حیثیت سے ملازمت

کررہا ہے، ملازموں کو سالانہ آمدنی پر آمدنی ٹیکس (انکم ٹیکس) ادا کرنا پڑتا ہے، اس کے علاوہ گجرات سرکار کے قانون کے تحت ہر ماہ تنخواہ میں سے آمدنی کی مقدار میں ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، جو ملازموں کی تنخواہ سے لازمی طور پر وصول کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ زید مندرجۂ بالا ٹیکس ادا کرنے کے لیے اپنے پاس بینک وغیرہ سے جو سودی رقم ملتی ہے، ان سودی رقموں کو ان ٹیکسوں میں ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟ یا اپنی جائز آمدنی میں سے ان ٹیکسوں کو ادا کرنا پڑے گا؟ مطلع کیجئے، نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک میں روپیہ جمع کرانا چوں کہ اس کے سودی کاروبار میں تعاون کا ذریعہ ہے، جائز نہیں ہے؛ البتہ کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے اس میں رقم جمع کرانی پڑی اور اس کے نتیجہ میں کچھ سود بھی ملا، تو اپنی اصل رقم سے زائد جو رقم سود کی ملی ہے، اس کو غریب ومحتاج لوگوں کو اس کا وبال دور کرنے کے ارادہ سے بلانیت ثواب دے دی جائے، ہندوستان میں چوں کہ بینک حکومت کی ملک ہے، اس لیے صورت مذکورہ میں وصول شدہ رقم حکومت کے غیر واجبی ٹیکس میں دینا چاہے تو دے سکتا ہے، غیر واجبی ٹیکس سے مراد وہ ٹیکس ہے جس کے عوض حکومت آپ کو کوئی مخصوص فائدہ نہ پہنچاتی ہو، اگر انکم ٹیکس اور دوسرے مذکورہ ٹیکس بھی اس تعریف میں آتے ہیں تو ان میں دے سکتے ہیں؛ البتہ یہ یاد رہے کہ جو رقم آپ کو سود کے نام سے ملی ہے وہی اس میں ادا کی جاسکتی ہے، اگر حکومت تو آپ کی تنخواہ میں سے دونوں ٹیکس وصول کرلے، اور اس کے بعد آپ اس

کے معاوضہ میں بینک کا سود اپنے پاس رکھ لیں، یہ درست نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سود کی رقم مسجد کے طہارت خانہ میں استعمال کرنا جائز نہیں

سوال: ایک مسلمان کا روپیہ بینک میں جمع ہے، اس روپیے پر ملنے والے سود کا استعمال مسجد کے طہارت خانہ میں کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مالک کو اپنی اصل رقم سے زائد جو رقم سود کے نام سے ملی ہے وہ واجب التصدق ہے۔ اور شرع میں صدقہ جب مطلق بولا جائے تو صدقہ تملیک پر محمول ہوتا ہے، جس کا مصرف فقراء اور مساکین ہیں، تعمیری کاموں میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''اشباع الکلام فی مصرف الصدقۃ من المال الحرام'' جو فتاوی دار العلوم، امداد المفتیین میں ہے اس کا مطالعہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود کی رقم سے بیت الخلاء بنوانا درست نہیں

سوال: ایک بستی ہے وہاں چار پانچ گھر ہیں، یعنی وہ بستی غریب کی ہے تو اپنی

سود کی رقم سے بیت الخلاء بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس بستی کے لوگ آٹھ سو، ہزار تک مہینہ کماتے ہیں، اگر سود کی رقم مذکورہ مصرف میں استعمال نہیں کر سکتے تو کہاں استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی رقم بلا نیت ثواب اس کا وبال دور کرنے کے لیے کسی محتاج فقیر، مسکین کو دے دی جائے، وہ مالک بننے کے بعد جہاں چاہے اپنی مرضی سے خرچ کر سکتا ہے آپ ابتداءً کسی بھی تعمیری کام میں نہیں لگا سکتے۔ (اشباع الکلام للمفتی محمد شفیع) فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بینک سے حاصل شدہ سود سے بیت الخلاء بنانا کیسا ہے؟

سوال: بنکوں سے جو سود ملتا ہے اس سود کی رقم سے مسجد، مدرسہ یا خود کے مکان کے بیت الخلاء، غسل خانہ اور حمام وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک سے بطورِ سود حاصل ہونے والی رقم کا صدقہ کر دینا ضروری ہے، یعنی ثواب کی نیت کے بغیر کسی محتاج کو دے دی جاوے، اس کے بعد وہ اپنے طور پر جہاں چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود کی رقم سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا درست نہیں

سوال: زید نے سود کے پیسوں سے مسجد کا بیت الخلاء بنوایا، اب زید مسجد میں معتکف ہے تو قضائے حاجت کے لیے اس بیت الخلاء میں جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی نیت سے ثواب کی امید کے بغیر کسی غریب ومحتاج کو بطورِ تملیک دی جائے۔ اس رقم سے مسجد کے بیت الخلاء کی تعمیر درست نہیں۔ (اشباع الکلام) فقط واللہ تعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحکم.

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم سے بیت الخلاء بنانا

سوال: ایک آدمی بہت ہی غریب ہے اور ایک دوسرا آدمی جو بڑا ہی مالدار ہے اور اس کا پیسہ بینک کے اندر ہے اور اس کا سود نکلتا ہے جو کہ بہت ہے، اب وہ چاہتا ہے کہ بینک کے اندر سے جو سود مجھ کو ملنا چاہیے، وہ میں لیتا نہیں؛ لیکن اس پیسوں کے ذریعہ سے اس غریب آدمی کے گھر پر ایک بیت الخلاء اگر بنانا جائز ہو تو بنا دوں؛ تا کہ اس کی سہولت ہو جاوے اور میرے دل میں کوئی ثواب کی نیت بھی نہیں ہے، اس لیے مسئلہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی عذر کی وجہ سے بینک میں روپیہ جمع کیا گیا اور اس پر بینک کی طرف سے سود کے نام سے زائد رقم ملی، وہ بلا نیت ثواب کسی فقیر ومسکین کی ملک میں دے دی جائے،

اس کے بعد وہ خود اپنی جس ضرورت میں لگانا چاہے لگا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/شوال ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایضاً

سوال: آج کل جو بینک بچت میں بیاج کی رقم کا حساب چل رہا ہے، احقر اس کے لیے مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہے، اس پیسے کو کونسی جگہ خرچ کرنا چاہیے؟ یا یہ پیسہ بینک سے لیا جائے کہ نہ لیا جائے؟ اگر لیا جائے تو کیا یہ پیسہ کسی غریب مسلمان یا ہندو کی دوا دارو میں خرچ کر سکتے ہیں؟ یا ان کا قرض ادا کر سکتے ہیں، یا کسی غریب بیوہ عورت کی امداد کر سکتے ہیں، یا کسی غریب لڑکے لڑکی کی شادی کرا سکتے ہیں؟ یا کسی ہندو یا مسلمان کو کپڑا بنوا کر دے سکتے ہیں، یا کسی غریب مدرسہ یا مسجد کی بیت الخلاء یا غسل خانہ بنا سکتے ہیں، یا کسی کے گھر کا بیت الخلاء یا غسل خانہ بنا سکتے ہیں، یا کسی نابینا کی امداد کر سکتے ہیں، یا عوام کی پریشانی کی وجہ سے راستہ میں کنواں یا نل یا راستہ میں بارش کے پانی کی وجہ سے کیچڑ وغیرہ رہتا ہو تو اس پیسے سے یہ سب چیزیں بنا سکتے ہیں، یا کسی کا قرض ادا کر سکتے ہیں؟ اس کی عزت اور پیشہ کی وجہ سے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بلا ضرورت اور بلا عذر بینک میں رقم نہ رکھی جائے، اگر کسی عذر کی وجہ سے وہاں رقم رکھی گئی اور اس پر بینک کی طرف سے جو سود ملتا ہے، وہ بلا نیت ثواب فقراء اور مساکین کو دیدیا جائے، اس کو مسجد یا مدرسہ کے بیت الخلاء یا غسل خانہ کی تعمیر میں لگانا درست

نہیں ہے، جن فقراء اور مساکین کو یہ رقم دیدی جائے، وہ اپنی ملک میں آنے کے بعد اپنی یا دوسرے کی کسی بھی ضرورت میں لگانا چاہیں، لگا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/شوال ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی رقم پر ملنے والے سود کا مصرف کیا ہے؟

سوال: ایک مسجد کا روپیہ بینک میں جمع ہے اس رقم پر ملنے والے سود کا کیا مصرف ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا مصرف فقراء ومساکین ہیں، اس پر مسجد کی ملک ثابت ہی نہیں ہوتی ہے؛ البتہ اگر وہ سود حکومتی بینک سے حاصل ہوا ہے تو حکومت کی طرف سے عائد ہونے والے غیر واجبی ٹیکس کی ادائیگی میں دیا جا سکتا ہے، وہ بھی اس لیے کہ اس نام سے وہ اصل کی طرف واپس ہو رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مقروض آدمی کو سود کی رقم دے سکتے ہیں

سوال: ایک صاحب ملازم ہے اور ذرائعِ آمدنی ملازمت کے سوا کچھ نہیں اور وہ صاحب مقروض ہے اور بال بچوں کا خرچ بھی زیادہ ہے، تو کیا ایسے آدمی کو سود کی رقم دی جا سکتی ہے تاکہ وہ قرض ادا کرے، اور یہ سود کی رقم حکومت دے رہی ہے، وہ اس طرح کہ تقریباً آٹھ سال قبل بھینسوں کے مالکین اور حکومت کے درمیان تنازع تھا کہ

حکومت ریلوے میں بھینسوں کو بمبئی سے گجرات، اور گجرات سے بمبئی لے جانے کا کرایہ زیادہ مانگتی تھی، اور مالکین کم دینا چاہتے تھے؛ بہرحال حکومت نے زبردستی کرایہ زیادہ لیا مگر آج آٹھ سال کے بعد مالکین مقدمہ جیت گئے تو حکومت وہ زائد کرایہ جو اس نے اب تک لیا سود کے ساتھ لوٹا رہی ہے، اسی سود کے متعلق سوال ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسے آدمی کو وہ رقم بطور تملیک دے دی جائے، اس کے بعد وہ اس سے اپنا قرض ادا کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم دے کر قرض وصول کرنا

سوال: زید نے بکر کو قرضۂ حسنہ دیا تھا، عرصہ ہوا یا کچھ مدت ہوئی بکر نے رقم نہیں لوٹائی، اس اثناء میں زید کے پاس سود کی رقم آئی، بکر غریب ہے، اس لیے زید نے یہ سود کی رقم بکر کو دی، بکر نے اسی رقم کو بطور ادائیگی قرض زید کو لوٹا دیا، تو شرعاً زید کو یہ رقم لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مقروض کا سودی رقم لینا

سوال: بندہ جامع مسجد میں نائب امام ہے، میری اہلیہ کا پیٹ کا آپریشن ہوا

ڈاکٹر کے کہنے پر فوراً آپریشن کرانا پڑا جن میں ۵۰۰۰۰ کا قرض دار ہوا جن لوگوں کو پیسے دینے ہیں وہ روزانہ آ کر پریشان کرتے ہیں فوراً پیسہ مانگتے ہیں بندہ کی ۲۳۰۰ روپیہ تنخواہ ہے گھر کا یہ حال ہے کہ بستر ے بھی نہیں ہیں چٹائی پر سو کر گزارا کرتے ہیں کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے فوراً قرض ادا کرسکوں قرض دینے والے فوراً پیسے مانگتے ہیں ایسی صورت میں سود کے پیسے لے کر قرض ادا کرسکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آپ نے سوال میں اپنی جو صورت حال تحریر فرمائی ہے اس کے پیش نظر آپ زکوۃ وصدقات کے مستحق ہے بینک کے سود کی رقم اگر کوئی آپ کو دیتا ہو تو اس کو آپ قبول کر کے اپنا قرضہ ادا کرسکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاه: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ / صفر ۱۴۲۳ھ

سود کا پیسہ سود میں دینا

سوال: زید نے سود پر ایک آدمی سے کوئی چیز خریدی یا سود پر رقم لیا ہے، زید کو کہیں سے سود کا پیسہ ملا، مثلاً زید کا بینک میں پیسہ جمع تھا، بینک سے سود کا پیسہ لے کر اس نے سامنے والے آدمی کو دے دیا، یعنی سود کا پیسہ لے کر سود میں دے دیا تو سود کا پیسہ لے کر سود میں دینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ / ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

سود کی رقم سے سودی قرض کی ادائیگی کرنا

سوال: ایک آدمی کو قرض کی ضرورت ہے؛ لیکن اس کو کوئی قرض نہیں دیتا ہے، تو یہ آدمی مجبوراً بینک سے ۲۵؍ ہزار روپئے بطور لون کے لیتا ہے، اب یہ آدمی جب ایک برس کے بعد ادا کرتا ہے، پچیس ہزار کے بجائے ۳۰؍ ہزار روپئے ادا کرنا پڑتے ہیں، تو یہ آدمی پچیس ہزار حلال کمائی کے ادا کرتا ہے، اور جو پانچ ہزار سود ہوا ہے، اس کو سود کی رقم سے ادا کرتا ہے تو کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے فقراء ومساکین کو بلانیتِ ثواب بطور تملیک دینا ضروری ہے، چوں کہ سود ادا کرنے کی صورت میں یہ بات پائی نہیں جاتی؛ اس لیے اس کا ذمہ بری نہیں ہوا۔ یہ حکم اس وقت جب خود اس کو براہِ راست بینک سے سود ملا ہو، اور اگر یہ آدمی فقیر ومحتاج ہے اور کوئی دوسرا آدمی خود کی ملی ہوئی بینک سود کی رقم اس کو بطور تملیک دیتا ہے، تو اس کے لیے اس سے ادائیگی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سودی رقم سے کتاب خرید کر غیر مسلم کو دینا

سوال: ہمارے شہر گلبرگہ میں جامع مسجد مجلس کے تحت ایک عوامی دینی لائبریری

چلتی ہے، اس کی ترقی کے لیے رقم جمع ہوتی رہتی ہے، اس کو ہم بینک میں جمع کر دیتے ہیں، بینک ہم کو اس رقم کا سود دیتی ہے، ہمارے ارکانِ کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ ان سودی رقم سے دینی کتابیں جن کا ترجمہ انگریزی یا ہندی یا دیگر زبان میں ہو، ان کتابوں کو خرید کر دوسرے مذہب کی لائبریری کو برائے ہدیہ دیں، اس سے صرف مقصد یہ ہے کہ کتابوں کی رقم کتابوں پر لگے اور دینِ حق کی اشاعت ہو، کیا کمیٹی کا اس طرح کرنا جائز ہے؟ لائبریری کی رقم سے دینی کتابیں جن کا ترجمہ انگریزی یا ہندی زبان میں ہو، ان کو خرید کر غیر قوم کے سنجیدہ طبقہ میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں بطور ہدیہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم واجب التصدق ہونے کی وجہ سے فقراء اور مساکین کو بلا نیت ثواب، محض اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بطورِ تملیک (مالک بنا کر) دے دی جائے، سوال میں بیان کردہ طریقہ درست نہیں۔

(اشباع الکلام امداد المفتیین ۴۵۳)

اگر ان کی طرف سے ان کو دی جانے والی ان دینی کتابوں کی بے ادبی اور توہین کا اندیشہ نہ ہو، تو دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذوالحجۃ ۱۴۱۰ھ

مکان خالی کرنے کے لیے سودی رقم کرایہ دار کو دینا

سوال: میری اپنی میراث میں ملی ہوئی کچھ زمینیں ہیں، اور کچھ بنے ہوئے

مکانات ہیں، زمینوں پر اپنی طرف سے مکان بنا کر کچھ لوگ رہتے ہیں، وہ زمین کا کرایہ نہیں دیتے، نہ زمین خالی کرتے ہیں، اگر ان سے مطالبہ کرتے ہیں تو وہ نقدی مانگتے ہیں، جو زمین کی قیمت کے ۲۰ / فیصد ہے، مثال کے طور پر پلاٹ کی قیمت ۱۰۵۰۰ / ساڑھے دس ہزار ہے، تو اس کے مقابلے میں دو یا تین ہزار مانگتے ہیں، اسی طرح کرایہ دار مکان بھی خالی نہیں کرتے، اور کرایہ بھی نہیں دیتے، اور پیسے مانگتے ہیں، کیا انہیں دونوں قصوں میں اپنے یا دوسرے کے پاس سے سود کی رقم دے کر خالی کرا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں دے سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم سے بیٹی کی شادی کرنا

سوال: کسی غریب کی بیٹی جوان ہوگئی اور نکاح کے لیے پیسہ نہیں ہے، تو بینک سے سودی قرضہ لے سکتے ہیں، کسی مسلمان نے بہت ساری رقم بینک میں جمع کی اور آٹھ دس سال بعد وہ رقم واپس لیتا ہے تو وہ رقم کے ساتھ ڈبل رقم سود کی آتی ہے، اب اگر وہ اپنی خود کی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ سود کی رقم شادی میں دیہج ران (جہیز) وغیرہ میں استعمال میں لایا جا سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سودی قرضہ لینا حرام ہے، بینک میں اگر کسی مجبوری کی وجہ سے رقم جمع کرائی تھی،

جس کا سود ملا تو سود کے نام سے ملی ہوئی اس رقم کا استعمال اس آدمی کے لیے جائز نہیں ہے؛ بلکہ اس رقم کو اس کا وبال دور کرنے کے ارادہ سے بغیر نیت ثواب کسی غریب، مسکین کو دے دے، اپنی بیٹی کی شادی میں یا اپنی کسی بھی ضرورت میں اس کو صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ / ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

سودی رقم سے مکان بنانا

سوال : ایک عورت ذات ہے، اس کا شوہر اور اولاد وغیرہ کوئی نہیں ہے، اور وہ عورت دوسروں کے مکان پر کام کرتی ہے اور اپنا گذران کرتی ہے، اور اس عورت کا مکان بھی اس حالت میں ہے کہ وہ مکان گرنے کے قریب ہے، اور عورت بہت تنگ دست بھی ہے، تو کیا ایسی عورت کو سود کا پیسہ دینا جائز ہے کہ نہیں؟ یا عورت کو مکان بنا دیں تو کیا مکان بنانا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس عورت کو بینک کے سود کی رقم بلا نیت ثواب دے سکتے ہیں، اس کو رقم کا مالک بنا دیا جائے، اس کے بعد وہ عورت اس رقم کو اپنے مکان کی مرمت یا تجدید میں استعمال کر سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود کی رقم سے کسی کا مکان بنانا

سوال : زید کا کہنا ہے میرے پاس بینک سے حاصل شدہ سودی رقم کافی ہے وہ

تو واجب التصدق ہے ہی؛ لیکن ہمارے علاقے میں ایک مولوی صاحب رہتے ہیں ان کے پاس مکان وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے؛ البتہ وہ مکان کے تعلق سے بڑے پریشان ہیں، دوسرا کوئی ذریعۂ آمدنی بھی نہیں ہے، زید کا کہنا ہے کہ میں اس سودی رقم سے بلانیت ثواب مکان باندھ کر دیدوں یا یہ ان کو پوری رقم اٹھا کر دیدوں کہ تم مکان باندھ لو یا یہ کہہ کر کہ یہ رقم ہے آپ اس رقم کو اپنی اشیاء ماکولات ومشروبات میں ہرگز استعمال نہ کریں، اسے صرف تعمیری کام میں لائیں، ابھی حال میں مولوی صاحب کی حالت بڑی خستہ ہے تو حضرت! کیا زید کا ان تینوں طرح سوچنا اور اس کا سودی روپیہ مولوی صاحب کے لیے نکال کر تعمیر میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ مولوی صاحب مستحقِ زکوۃ ہیں تو بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم ان کو دینا جائز ہے، اور ان کی ملکیت میں آنے کے بعد وہ اس کو اپنی تمام ضروریات (چاہے مکان بنانا ہو یا کھانا کپڑا وغیرہ) میں استعمال کر سکتے ہیں؛ البتہ بیک وقت ان کو اتنی رقم دے دینا جس سے وہ مقدارِ نصاب کے مالک بن جائیں مکروہ ہے، اس لیے مکان والی ضرورت پورا کرنے کے لیے یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی سے قرض لے کر اپنا مکان بنالیں، اس کے بعد ان کے اس قرض کی ادائیگی کے لیے بینک کی سودی رقم ان کو دے دی جائے جس سے وہ اپنا قرض ادا کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ صفر ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سودی رقم سے کھیل کا سامان خریدنا

سوال: اگر کوئی نوجوان مسلمان ساتھی سود کے پیسہ سے کرکٹ یا فٹ بال یا تو کھیل کے کپڑے یا کھیل کا اور سامان گیند یا بّلا وغیرہ خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر خرید سکتے ہیں تو اس سے کھیل سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بینک کے سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلا نیت ثواب غریب محتاج کو بطور تملیک دے دی جائے، اپنے کسی بھی قسم کے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم خاندان کے مفلس لوگوں کو دے سکتے ہیں

سوال: سود کی رقم سے اپنے خاندان کے مفلس و نادار کی بغیر ثواب کی نیت کے مدد کر سکتے ہیں، جائز ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بینک کے سود کی رقم میں اس کی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم مستحق بیوہ کو دینا

سوال: ایک بیوہ عورت ہے، جس کی کیفیت یہ ہے کہ دو معصوم صغیر بچے ہیں،

کوئی کمانے والا نہیں ہے، ضعیف دادا بچوں کے حیات ہیں، اور مٹی کا اور لکڑوں کا مکان ہے، کھیتی ہے؛ مگر موسم باراں میں کام آتی ہے جب کہ بارش ہو؛ ورنہ کھیتی کچھ کام نہیں دیتی، کبھی کبھی فاقہ تک کا موقع آتا ہے، کھیت دادا کا ہے، بچوں کے والد کی کوئی ملکیت نہیں ہے، سو کیا اس بیوہ عورت کو اور بچوں کو سود کی رقم دی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بینک کے سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلا نیت ثواب سوال میں مذکورہ بیوہ کو دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم مدرسہ میں صرف کرنا

سوال: اگر کہیں سے سودی رقم آگئی؛ خواہ وہ بینک کی ہو یا کسی نے دی ہو یا خود مدرسہ کا پیسہ جو مختلف مدوں کا ہوتا ہے، بینک میں جمع ہوتا ہے، اس پر جو سود آتا ہے اس کو صورت مذکورہ میں استعمال کرنا چاہیں یا مدرسہ کی دیگر ضروریات یا طلباء پر استعمال کرنا چاہیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

غریب اور نادار طلبہ کی ضروریات میں خرچ کرسکتے ہیں، مطلب یہ کہ تملیک ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرض کی رقم مسجد میں دینا اور پھر سود سے قرض کی ادائیگی

سوال: ایک آدمی سود کا روپیہ مدرسہ یا مسجد میں دیتا ہے، اس نے یوں حیلہ کیا کہ ایک غیر مسلم سے قرض لے کر مسجد یا مدرسے میں دے دیے، اور وہ سود کے روپیہ سے قرض ادا کر دیا، کیا ایسا کر سکتے ہیں؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کوئی آدمی کسی غیر مسلم سے قرض لے کر وہ رقم مدرسہ یا مسجد میں دیتا ہے، تو وہ درست ہے؛ لیکن اب وہ اپنا یہ قرض سود کی رقم سے ادا کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ سود کو اپنی ضرورت میں استعمال کرنا ہوا، جب کہ بینک کے سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے کسی غریب محتاج کو بلا نیتِ ثواب بہ طورِ تملیک دے دینا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۸/رجب ۱۴۱۹ھ

سودی رقم غریب طالب علم کو دینا

سوال: بینک کا سود اگر ہم کسی غریب کو دینا چاہیں خواہ وہ رشتہ دار ہو یا نہ ہو، کیا حکم ہے؟ مثلاً اگر اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کو دے دیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کے سود کا مصرف فقراء ہیں، چاہے وہ اس کے رشتہ دار ہوں یا غیر ہوں، اپنے رشتہ دار فقراء کو بھی دے سکتے ہیں۔ کما هو حكم اللقطة مصرح في

کتب الفقہ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدرسہ کی تعمیرات کی تصویر اور اس میں سودی رقم صرف کرنا

سوال: مدرسہ کی تصویر کھینچی گئی؛ تاکہ عوام کے سامنے پیش کریں جائز ہے کہ نہیں؟ اور اجرت سودی رقم سے دینے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر دے دی گئی ہو تو کیا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مدرسہ کی تعمیرات کی تصویر اس طرح کھینچنا کہ اس میں جاندار کی تصویر نہ آنے پائے درست اور جائز ہے، اگر وہ مدرسہ کے مصالح کے پیش نظر کھینچی گئی ہے تو مدرسہ کی رقم سے اس کے مصارف ادا کر سکتے ہیں، سودی رقم کا مصرف فقراء ہیں، اس لیے اس رقم سے براہِ راست اجرت کی ادائیگی جائز نہیں ہے، اگر دیدی گئی تو دینے والے کو چاہیے کہ اتنی مقدار اپنی طرف سے اس کی تلافی میں فقراء پر صدقہ کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فکس ڈپازٹ کے سود سے امدادِ غرباء کے ادارے کو چندہ

سوال: میں ایک تاجر ہوں، ایک ایسوسی ایشن تاجروں کی بنائی گئی ہیں جس کا میں ممبر ہوں، اور ممبر کو ایسوسی ایشن کے لیے کچھ رقم دینی ہے، اس رقم کو ایسوسی ایشن والے (فکس ڈپازٹ) میں رکھی گئی اور اس پر جو سود کی رقم ملے گی جس سے غریب تاجر

جو اس ایسوسی ایشن کے ممبر ہیں صرف انہیں کا علاج اور ان کے بچوں کی تعلیم میں مدد کریں گے، کیا اس میں رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر میں نے اس میں رقم نہ دی تو ہماری تجارت کا بائیکاٹ کریں گے جس سے تجارت کو نقصان ہوگا۔

(الجواب): حامداً و مصلیاً و مسلماً

آپ یہ کہہ کر اپنی رقم دیجئے کہ میں یہ رقم غریب تاجروں کی امداد کے لیے دیتا ہوں اس رقم کو ان کی امداد میں صرف کیا جائے، دوبارہ ضرورت ہوگی تو دوبارہ دوں گا آپ کا ذمہ بری ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

فکس ڈپازٹ کے سود سے بنی عمارت میں نماز و مکتب کا حکم

(سوال): ہمارے بستی والوں کا بمبئی میں ایک روم ہے، جو ایک مدت تک گاؤں ہی کے چند حضرات کے ماتحت تھا، اس کمرہ کی آمدنی بینک میں جمع کرتے گئے، ایک بڑی رقم ہونے کے بعد وقفہ وقفہ سے تقریباً تین مرتبہ وہ رقم فکس ڈپازٹ میں ڈالی جس کی ایک بڑی رقم ہاتھ آئی، اب ان بزرگوں نے سوچا کہ اس رقم سے کوئی بڑا کام کریں جو "جماعت المسلمین مراد پور" کے کچھ کام آسکے، چناں چہ گاؤں ہی میں ایک شخص نے اپنی ایک زمین "جماعت المسلمین مراد پور" کو وقف کی تھی، اس زمین پر انھوں نے ایک دو منزلہ عمارت تعمیر کرائی، جس میں نچلے حصہ میں امام صاحب کے لیے فلیٹ، ایک روم جماعت کے سامان رکھنے کے لیے اور دو کمرہ تجارت کرنے والوں کے لیے

مختص کردیے، جن سے بھاڑا وصول ہوتا رہے گا، اور اوپر والے حصہ میں ایک وسیع وعریض ہال بنایا جہاں گاؤں کا مدرسہ (مکتب) شروع کرنا چاہتے ہیں، اور بوقت ضرورت اس میں نمازیں بھی ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چناں چہ قابلِ استفسار امور یہ ہیں کہ:

① فکس ڈپازٹ کے ذریعہ حاصل شدہ رقم کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مکمل وضاحت درکار ہے تاکہ چند معاندین کو مطمئن کرسکیں۔

② کیا اس عمارت میں مکتب شروع کرسکتے ہیں؟ نیز گاؤں میں موجودہ مسجد (تعمیرِ نو کے خاطر) شہید کرنے پر عارضی طور پر اس ہال میں نمازیں ادا کرنا درست ہوسکتا ہے؟

③ تعمیر تقریباً مکمل ہونے کے بعد اس کا پتہ چلا کہ اس کے لیے اس نوعیت کی رقم صرف کی گئی ہے، تو آپ سے التماس ہے کہ اسلامی وفقہی نقطۂ نظر سے ہماری رہنمائی فرمائیں کہ اس تعمیر شدہ عمارت کو کیا کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① قرآن اور احادیث میں سود لینے اور دینے پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے لینے والے، اور دینے والے، اور اس کا رقعہ لکھنے والے، اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے؛ نیز جانتے ہوئے سود کے ایک درہم کھانے کو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت بتلایا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی بہت ساری وعیدیں سود لینے اور دینے پر قرآن وحدیث میں موجود ہیں، اسی لیے سود کا لینا اور دینا سخت حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

بینک کا سارا کاروبار یہی ہے، یعنی وہ سود پر رقم لیتی اور دیتی ہے؛ اس لیے بینک میں رقم جمع کرانا حرام ہے، البتہ اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے رقم جمع کرانے کی نوبت آئی تو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اس پر بینک کی طرف سے جو سود ملتا ہے وہ لے کر اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلا نیت ثواب غرباء اور مساکین کو صدقہ کر دیا جائے، اپنے استعمال میں لانا ناجائز اور حرام ہے۔

سود حاصل کرنے کی غرض سے رقم کو بینک میں جمع کرانا نہایت خطرناک اور سخت ترین گناہ ہے، فکس ڈپازٹ کے طور پر بینک میں جو رقم رکھی جاتی ہے، اس کا مقصد بھی سود کا حاصل کرنا ہی ہوتا ہے جس کی حرمت منصوص اور قطعی ہے۔

(۲) مسلمان بچوں کو قرآن پاک اور دیگر اسلامی احکام کی تعلیم کے لیے جو عمارت بنائی جاتی ہے جس کو مکتب کے نام سے پہچانا جاتا ہے، یہ عمارت بھی خالص دینی مقصد کے لیے بنائی جانے کی وجہ سے قابل احترام اور دینی شعائر کا ایک حصہ ہے، نماز کی ادائیگی کے لیے جو عمارت تعمیر کی جائے، اس میں اگر مسجد کی نیت کی گئی ہے تب تو اس کا شعائر میں سے ہونا ظاہر و باہر ہے، اور اگر مسجد کی نیت نہیں بھی کی گئی صرف جماعت خانہ کے طور پر استعمال کی جا رہی ہے، تب بھی چوں کہ نماز کے لیے مختص کی گئی ہے؛ اس لیے یہ بھی شعائر دین کا ایک حصہ ہے، ایسی عمارتیں سود کی رقم سے تعمیر کرنا کسی حال میں جائز اور درست نہیں، اور ایسی عمارت میں دینی تعلیم کے سلسلہ کو جاری کرنا یا نمازیں ادا کرنا جائز نہیں۔

(۳) ایسی رقم سے جو عمارت تعمیر کی گئی ہے، اس کو غرباء اور مساکین کے استعمال

کے لیے مختص کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ / رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سودی رقم سے رشوت دینا

سوال: مدرسہ کا کوئی ایسا کام جو سرکاری دفاتر سے وابستہ ہو، اور کوشش کے باوجود کافی وقت کا صرفہ ہو، مثلاً سال دو سال یا اس سے زیادہ مدت لگ جائے، اور رشوت دینے پر وہ کام جلد ہو جائے تو اگر بینک کے سود سے رشوت دے دی جائے تو کیسا ہے؟ اگر سرکاری حکام رشوت کا مطالبہ کریں تو اس صورت میں ہم کیا کریں؟ غرض مطالبہ وعدم مطالبہ کی صورت میں رشوت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اپنا حق بغیر رشوت دیئے وصول نہ ہو سکتا ہو، اسی طرح اپنی ذات سے دفع ضرر اس کے بغیر ممکن نہ ہو، تو اس صورت میں رشوت دینے کی گنجائش ہے؛ البتہ لینے والا تو اس صورت میں بھی گنہ گار ہوگا۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة، يعني في حق الدافع اھ (شامی ۵ / ۳۰۰)

بینک سے حاصل شدہ سودی رقم اس کے وبال کو دور کرنے کی نیت سے کسی محتاج اور فقیر کو بلا نیت ثواب دیدی جائے، یہی اس کا مصرف ہے۔

(اشباع الکلام فی مصرف صدقة الحرام ۔ فتاوی دار العلوم امداد المفتیین ۴ / ۵۳)

اس لیے رشوت میں دینے سے مصرف میں صرف نہ ہوئی سمجھی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود کی رقم رشوت میں دینا درست نہیں ہے

سوال: زمین میں اس کے پانی لائٹ لانے کے لیے شروع میں سرکاری فیس دینا پڑتی ہے تو سرکاری فیس دینے کے باوجود بڑے بڑے آفیسر لوگوں کو رشوت کے طور پر کچھ دینا پڑتا ہے جس کے بغیر وہ کنکشن نہیں دیتے، تو کیا میں اس رشوت میں بیاج کی رقم جو میرے پاس ہے (بینک اکاؤنٹ سے حاصل ہونے والی) وہ دے سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بینک کی سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی نیت سے کسی بھی قسم کے ثواب کی نیت کے بغیر غریبوں محتاجوں کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے، اپنے کسی بھی کام میں اس کو استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ سرکاری آفیسروں کو بجلی کا کنکشن حاصل کرنے کے لیے بطورِ رشوت دینا یہ بھی اپنی ہی ضرورت میں استعمال کرنا کہلائے گا، اس لیے کہ اس کا فائدہ آپ ہی کو پہنچ رہا ہے؛ لہذا یہ جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

سود کی رقم رشوت میں دینا

سوال: ایک شخص کا روپیہ بینک میں جمع ہے، اس جمع شدہ رقم پر اس کو کچھ سود ملتا

ہے، اس شخص کو اپنے کسی معاملہ میں پولس بھی حیران کر رہی ہے، اگر ان کو بطور رشوت کچھ رقم نہیں دیتے تو وہ آبرو ریزی پر اتر آئیں گے، مذکورہ سودی رقم بطور رشوت پولیس کو دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کے سود کی رقم جیسا کہ معلوم ہے، اپنے استعمال میں لانا، اور خود انتفاع حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اپنی آبرو ریزی کی حفاظت کے لیے پولیس آفیسر کو دینا یہ ایک نوع کا انتفاع ہے، اس لیے جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

جوئے کی رقم طالب علم یا غریب کو دینا

سوال: ایک آدمی جوا کھیلتا ہے، اس میں جو پیسے حاصل ہوتے ہیں اس میں سے اکثر مدرسہ کے بچوں کو دیتا ہے، اور غریب بچے ان پیسوں سے کتابیں خریدتے ہیں اور دوسری ضرورتوں میں استعمال کرتے ہیں، کیا طالب علم کا کتابیں خریدنا اور دوسری ضرورتوں میں استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جوئے میں جو رقم حاصل ہوئی ہے وہ ان ہی لوگوں کو لوٹانا ضروری ہے جن سے حاصل کی گئی ہے، اس رقم کا مدرسہ کے بچوں کو دینا اور ان کا اس سے کتابیں خریدنا درست نہیں، اسی طرح غریب بچوں کو دینا اور ان کا اس کو اپنی ضرورتوں میں استعمال

کرنا درست اور جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ظالمانہ ٹیکس ادا کرنے کی نیت سے پیسہ بینک میں رکھنا

سوال: ہم گورنمنٹ بینک میں پیسہ رکھتے ہیں اور اس کا سود ملتا ہے تو اس کا استعمال ہم مختلف قسم کے ٹیکس بھرنے میں کر سکتے ہیں یا نہیں مثلاً انکم ٹیکس سیلس ٹیکس روڈ ٹیکس ہاؤس ٹیکس پراپرٹی ٹیکس وغیرہ اس کا فتویٰ مختلف جگہوں سے منگوا چکے ہیں اور اس کا جواب ہمیں ہاں میں ملا ہے اب سوال یہ ہے کہ:

اگر کسی شخص کو بڑے پیمانہ پر ٹیکس کی رقم بھرنی ہو تو وہ اس نیت سے اپنی رقم بینک میں رکھے کہ اس کا سود (مال حرام) جو ہر سال آئے گا تو وہ مختلف قسم کے گورنمنٹ کے ٹیکس جو گورنمنٹ ہم سے جبراً وصول کرتی ہے (مال حرام) بھرنے میں دے دیا جائے گا کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس نیت سے بینک میں رقم رکھنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۴ ؍ شوال ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نواسوں کو سود کی رقم دینا

سوال: ہمارے نواسے ضرورت مند ہیں، کیا ان کو بینک کے سود کا پیسہ دے سکتا ہوں؟ جب کہ ہماری ہی پرورش میں ان کے ماں باپ بھی ہیں، اب ان کا

وراثت میں حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کا سود اگر آپ کو ملا ہے تو نواسوں کو نہیں دے سکتے، دوسرا کوئی آدمی دیتا ہے تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ر رمضان ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

لانچ درست کرنے کا حل

سوال: میرا ایک بڑا لانچ ہے، یہی میری جائداد ہے اور کمانے کا ذریعہ ہے، یہ نادرست ہے، اس کو درست کرنے کی لاگت کم از کم تین لاکھ کے قریب ہے، کوئی شخص قرضے کے طور پر اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتا، کیا میں اس کے لیے کوئی شخص سے یا بینک سے سود پر رقم لے سکتا ہوں؟ اگر ایسا نہیں کرسکوں تو اس کو بیچ دینا پڑے گا؛ ورنہ جائیداد خراب ہونے کا خدشہ ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ سودی قرض لے کر لانچ درست کرائیں، اس کے بہ جائے اس کو بیچ کر جو رقم آئے اس سے دوسرا چھوٹا لانچ خرید کر اپنا کاروبار چلا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ر صفر ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

گورنمنٹ کا طے کردہ نفقہ بہ ذریعۂ سود

سوال: (۱) مثلاً میں نے طلاق دے دی، اور گورنمنٹ کے قانون کے مطابق سامنے والے کے مطالبے پر گورنمنٹ نے میرے اوپر عورت کے دوسرے نکاح تک نفقہ دینا ضروری قرار دیا، تو کیا اس نفقہ میں سود کی رقم یا بچہ کے نفقہ کے بہ قدر دے سکتا ہوں (جب کہ میرا بچہ بھی عورت کے پاس ہے)؟

(۲) کیا عورت والوں کا عدت سے زائد نفقہ جو گورنمنٹ کی طرف سے ضروری قرار دیا ہے، لینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) بینک کے سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلانیتِ ثواب غرباء ومساکین کو بہ طورِ تملیک دینا ضروری ہے، گورنمنٹ نے آپ پر سابقہ بیوی کا جو نفقہ لازم کیا اس میں دینا جائز نہیں ہے۔ آپ کے بچہ کا نفقہ تو آپ پر مستقل واجب ہے۔

(۲) گورنمنٹ کے قانون کا سہارا لے کر مطلقہ کے لیے عدت کے بعد کا نفقہ شوہر سابق سے وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

سودی رقم کو مقدمہ سے خلاصی میں استعمال کرنا

سوال: کوئی شخص کسی سرکاری مقدمہ سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے بطور

رشوت سودی رقم دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس بابت سودی رقم دہی کی اجازت و عدم اجازت کے بارے میں تحریری جواب مع حوالۂ کتب مفصل و مدلل تحریر فرمائیں۔ امید ہے کہ جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سود کے طور پر لی گئی رقم اس کے مالک کو (جس سے یہ رقم وصول کی گئی ہے) لوٹانا ضروری ہے۔ اور اگر مالک معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس کو لوٹانا ممکن نہ ہو تو فقراء پر اس کا صدقہ کر دینا ضروری ہے۔ اس نیت سے کہ اپنے آپ کو اس وبال سے نجات دلا رہا ہو۔ ثواب حاصل کرنے کی نیت نہ ہو۔ بہر حال اپنے ذاتی مقصد میں اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے سرکاری مقدمہ سے خلاصی حاصل کرنے کی غرض سے رشوت کے طور پر دینا بھی اپنے ذاتی مقصد میں استعمال کرنا ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ناجائز مطالبۂ نفقہ میں سود دینا

سوال: مطلقہ عورت کو جو عدت کے بعد نفقہ یا خرچہ (ہندوستانی گورنمنٹ کے قانون کے ماتحت) دیا جاتا ہے، جس کا مطالبہ آپ نے شرعاً ناجائز لکھا ہے، مان لو اگر کسی نے مطالبہ کیا تو کیا اس میں سود کی رقم دی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بینک سود کی رقم اس میں دینا درست نہیں ہے، وہ رقم واجب التصدق ہے، جب تک فقراء کو نہ دی جائے وہاں تک ذمہ بری نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بینک کی سودی رقم سے زمین کا کمپاؤنڈ بنوانا

سوال: میری جائداد میں کچھ زمین ایسی بھی ہے جہاں پر میں فصل نہیں لیتا صرف جانوروں کے گھاس چارہ کے لیے وہ زمین رکھی ہے اس زمین میں گھاس وغیرہ ضائع نہ ہونے پائے جس کی بنا پر زمین کی سرحد میں کمپاؤنڈ کرنے کا ارادہ ہے تو کیا اس زمین میں سود کے پیسوں سے کمپاؤنڈ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بینک کی سودی رقم، اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلا نیت ثواب غرباء و مساکین کو بہ طور تملیک دینا ضروری ہے اپنے کسی کام میں چاہے زمین کا کمپاؤنڈ ہو اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۴ / شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سودی رقم بہ قدر ضرورت مصرف میں صرف کی جائے

سوال: زید نے کچھ روپیہ بہ طور حفاظت کے بینک میں جمع کر رکھا تھا، واپسی

کے وقت ایک اچھی خاصی رقم سود میں آئی، زید کا ایک دوست خالد بہت ہی پس ماندہ ہے، مثل مسکین کے ہے، تو کیا یہ رقم خالد کو دی جا سکتی ہے؟ اگر یہ پیسہ خالد لے لے تو کس مصرف میں خرچ کر سکتا ہے؟ تو کیا خالد اس روپیہ سے دنیوی ضرورت کو پوری کرتے ہوئے دین کے کام میں بھی لگا سکتا ہے؟ جیسے کسی مسجد یا مدرسہ یا حج کے خرچ، فطرہ میں یا بچہ یا بچی کے شادی یا اپنے والدین کی خدمت میں یا کسی بھی غریب کی مدد کر سکتا ہے؟ خالد کی حالت یہ ہے کہ بچوں کو پڑھاتا ہے، کرایہ کے مکان میں رہتا ہے، کسی بھی شکل سے آسمانی پریشانی سے کفالت ہو جاتی ہے، کیا اس کے لیے یہ رقم لے لینا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خالد اگر مستحق زکاۃ ہے تو یہ رقم خالد کو دی جا سکتی ہے؛ لیکن یک مشت اتنی رقم جو ۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو دینا مکروہ ہے، اس سے کم دی جائے، جب وہ خالد کی ضرورتوں میں خرچ ہو جائے اس کے بعد اسی قدر دوبارہ دی جائے؛ البتہ اگر خالد مقروض ہے تو بہ قدر ادائیگی قرض دی جا سکتی ہے؛ لیکن یہ یاد رہے کہ خالد کے لیے سوال کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ر ذوالحجۃ الحرام ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بینک کے سود کی رقم کب نکالیں

سوال: بینک میں جب روپئے موجود ہوں ڈائری میں مینیجر نے جب سودی رقم

کی مقدار لکھ دی تو اس سودی رقم کو کب نکالا جائے اور کون سی رقم سے وہ مقدار نکالیں حالاں کہ روپئے حفاظت کے لیے جمع کئے گئے ہوں اور مہینہ درمہینہ میں تھوڑے تھوڑے لیے جاتے ہوں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جب فقراء پر اس کا صدقہ کرنا مقصود ہو اس وقت اسی نیت سے نکالا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سودی رقم کے بہ جائے مال حلال صدقہ کرنا

سوال: سود کے روپئے گھر پر الگ کئے ہوئے موجود ہیں۔ باہر جا رہے تھے کوئی غریب یا مقروض ملا جیب میں سے روپیہ نکال کر دے دیے اور سود کے پیسے دینے کی نیت کرلی۔ تو کیا وہ گھر آ کر سود کی رقم میں سے اتنے روپئے لے سکتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

گھر پر الگ کئے ہوئے موجود ہیں اس کا مطلب اگر یہ ہے کہ وہی رقم بینک میں سے بطور سود ملی تھی تو جو مال سود کہہ کر دیا جائے گا بظاہر تو سود کا اطلاق اس پر آئے گا جس پر لعنت کی وعید ہے۔ اب حاصل یہ ہوگا کہ مال حلال کا صدقہ کیا اپنے پاس سے اور جو مال سود کے نام پر ڈاک خانہ یا بینک سے ملا جو شریعت کی نظر میں حرام اور موجب لعنت ہے اس کو خود کھائے، اس سے قلب سلیم اجتناب کرتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ

۱۳/۱۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۱۵/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سود کی رقم بہ طور قرض لینا

سوال: خالد کے پاس سود کی رقم ہے، سلیم نے اس سے قرض لے کر عیدگاہ کی مرمت کرایا؛ جب کہ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ سود کی رقم ہے، تو کیا اب اس سے قرض لے کر عیدگاہ کی مرمت کرانا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی رقم اگر کسی معلوم ومتعین آدمی کے پاس سے بطور سود خالد نے وصول کی تھی، تو خالد کے لیے ضروری ہے کہ وہ رقم اس کے مالک کو لوٹا دے، خالد کے لیے اس کا استعمال (خود یا کسی کو قرض دے کر) جائز نہیں ہے، اور اگر وہ بینک کے سود کی رقم ہے، تو خالد کو چاہیے کہ اس کا وبال دور کرنے کی نیت سے بلا نیتِ ثواب وہ رقم کسی غریب ومحتاج کو دے دے، وہ غریب ومحتاج اس کا مالک بننے کے بعد جہاں اور جس طرح خرچ کرنا چاہے کر سکتا ہے، خالد کے لیے جائز نہیں تھا کہ وہ رقم سلیم کو قرض دیتا، اب جب کہ وہ سلیم کو وہ رقم قرض دے چکا تو اس پر سلیم کو بھی جائز نہ تھا کہ سود کی رقم اس سے قرض لیتا؛ لیکن اب جب کہ وہ رقم قرض لے چکا اور اس سے عیدگاہ کی مرمت کرائی ہے تو اتنی رقم خالد کو لوٹا دے، جب وہ اتنی مقدار دے گا تو اس کا ذمہ بری ہو کر یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے ذاتی رقم سے یہ کام کرایا ہے؛ لیکن آئندہ اس کا

اقدام ہرگز نہ کرے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴؍شوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیمہ کے مسائل

جان ومال کا بیمہ کرانا

سوال: اس زمانہ میں ایک کمپنی جان ومال وغیرہ کی بالمعاوضہ حفاظت کا ذمہ لینے کا کاروبار کرتی ہے، اس کو بیمہ کمپنی کہتے ہیں، بعض اشیاء میں سرکاری قانون سے بیمہ لینا لازمی ہوتا ہے، اس کے خلاف کرنے پر اس ضروری کام کو چھوڑنا پڑتا ہے، مثلاً: ٹرک، رکشہ، ٹیکسی وغیرہ کا کچھ بیمہ، مثلاً ایک ثلث جس کو ون تھرڈ کہتے ہیں لازمی ہوتا ہے، ویسے فُل یعنی کل بیمہ بھی ہوتا ہے، ون تھرڈ میں اگر رکشہ، ٹرک یا ٹیکسی کے ذریعہ کسی دوسرے کو نقصان پہنچا تو کمپنی اس کا معاوضہ دینے کی ذمہ دار ہوتی ہے؛ لیکن خود اس رکشہ یا صاحبِ رکشہ کو ایسے ہی ٹرک، ٹیکسی یا صاحبِ ٹرک وٹیکسی کو نقصان پہنچے تو کمپنی اس کا معاوضہ دینے کی ذمہ دار نہیں ہوتی، ون تھرڈ بیمہ اگر نہ لیا جائے تو قانوناً ہم مجرم بنتے ہیں، اور اس رکشہ، ٹیکسی اور ٹرک کو چلانے نہیں دیا جاتا؛ البتہ کل بیمہ میں ہمیں اختیار ہے کہ چاہے تو لیں یا نہ لیں، ایسے ہی فسادات کے عموم کی وجہ سے بیمہ کمپنی دکان ومکان کا فسادات سے حفاظت کا بیمہ دیتی ہے، جو سرکاری طور پر لازمی نہیں ہوتا، تو مذکورہ صورتوں میں سے کن صورتوں میں شرعاً بیمہ نکلوانا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ میں سود بھی ہے اور جوا بھی، یہ دونوں چیزیں شرعاً ممنوع ہیں اس لیے بیمہ بھی ممنوع ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص ایسے مقام پر اور ایسے ماحول میں ہو کہ بغیر بیمہ کرائے جان و مال کی حفاظت ہی نہ ہوسکتی ہو یا قانونی مجبوری ہو تو بیمہ کرانا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۲۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جان و مال کا بیمہ کروانا

سوال: آج کل ہندوستان میں مسلمانوں کی جان و مال محفوظ نہیں ہیں، آئے دن فسادات میں مسلمانوں کا مال لوٹا جاتا ہے، اور ان کی جانوں کو تہ تیغ کیا جاتا ہے تو کیا ایسی صورت میں جان و مال کا بیمہ (انشورنش) کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ کی حقیقت قمار اور ربوا کا مجموعہ ہے، اور دونوں چیزوں کی حرمت منصوص ہے؛ اس لیے بیمہ چاہے جان کا ہو یا مال کا ہو جائز نہیں ہے۔ کسی زمانہ میں جب کہ فسادیوں کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ جائیداد (مکان یا دکان) بیمہ شدہ ہے تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے، بعض علماء و مفتیان نے اس شرط کے ساتھ بیمہ کی اجازت دی تھی کہ بیمہ کے بعد بھی اگر وہ جائداد تباہ کردی گئی تو مالکِ بیمہ کمپنی سے ملنے والی رقم میں سے صرف اتنی رقم جو اس نے بیمہ کمپنی کو بطور پریمیم ادا کی تھی، لے کر بقیہ رقم بلانیتِ ثواب غرباء و مساکین کو

دے دے، اب جب کہ فسادیوں نے بیمہ شدہ ہو یا غیر بیمہ شدہ دونوں کو بلاتمیز وبلاتفریق تباہ کرنا شروع کر دیا ہے، دفعِ ضرر والی علت بھی باقی نہ رہی، بیمۂ املاک کی یہ گنجائش بھی بے معنیٰ ہے۔ رہا جان کا بیمہ تو وہ بہر حال ممنوع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰؍ شوال ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جیون بیمہ میں ملی ہوئی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہے

سوال: ایک لڑکے کا انتقال ہوا، اس نے اپنی زندگی میں جیون بیمہ پالیسی اختیار کی تھی، اب اس کی موت کے بعد جیون بیمہ پاس ہوا ہے، کمپنی کی طرف سے اس کے گھر والوں کو جیون بیمہ کی رقم ملی ہے، اور اس کے گھر والے پیسہ والے مال دار ہیں؛ لہذا جیون بیمہ میں ملی ہوئی رقم کو اس کے گھر والے کہاں کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟ واضح رہے کہ اس کے ورثاء میں ماں، باپ، بیوی اور ایک لڑکا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جان کا بیمہ ہر حالت میں حرام وناجائز ہے، اب جو رقم ملی ہے اس میں سے اتنی رقم جو اس نے بیمہ کمپنی کو ادا کی تھی وہ تو اس کے ورثاء میں (بعد ادائے دین ونفاذِ وصیت از ثلث) بقدر حصص تقسیم کر دی جائے، (یعنی کل چوبیس سہام بنا کر زوجہ کو تین، باپ کو چار، ماں کو چار اور لڑکے کو تیرہ سہام دیئے جائیں) اور جو رقم زائد ملی ہے یعنی اس کی دی ہوئی رقم سے زائد کا صدقہ کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جانور کا بیمہ نکلوانا ناجائز ہے

سوال: ضلع کے پیمانے پر بہت سے لوگوں نے مل کر باہمی اشتراک سے دودھ کی خرید وفروخت اوراس کاروبار کو مالہ وماعلیہ کے ساتھ ترقی دینے کے لیے ایک مشترکہ کمپنی بنائی، نظام میں سہولت کے لیے گاؤں گاؤں یا بعض چھوٹے گاؤں کے مرکزی مقام پر اس کی شاخیں بھی قائم کیں، ضلعی پیمانہ پر اوراس کی شاخوں میں کثرتِ رائے کی بنیاد پر نظام چلانے کے لیے ممبران میں سے انتخاب کر کے کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں، ضلعی پیمانے کی بڑی کمپنی کو بڑی ڈیری اور مقامی کمپنی کو سہکاری ڈیری شاخ کہتے ہیں، آج کل ہر چیز کا بیمہ ہونے لگا ہے، جس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی والے ایک مقررہ رقم ہفتہ وار وصول کر کے اس کے عوض جس چیز کا بیمہ کرایا جائے اس کی ایک معین مدت تک حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں، اس مدت کے درمیان اگر وہ چیز ضائع ہو جائے تو بیمہ کمپنی والے اس ضائع شدہ چیز کے عوض مقرر شدہ رقم دیتے ہیں، اسی روشنی میں حسبِ ذیل سوال کا جواب مطلوب ہے، کہ بعض لوگ جانور کا بیمہ اس طرز پر نکلواتے ہیں کہ ماہانہ دس روپیہ جانور کا مالک دے گا، دس روپیہ سہکاری ڈیری شاخ اور دس روپیہ بڑی ڈیری دے گی اور یہ بیمہ ایک سال کے لیے ہوتا ہے، اگر اس سال جانور مرجاتا ہے تو بیمہ کمپنی فی جانور دو ہزار روپیہ دیتی ہے، سوال طلب امر یہ ہے کہ:

(الف) اس طرح بیمہ نکلوانا کیسا ہے؟

(ب) بالفرض اگر بیمہ نکلوایا اور جانور اس عرصہ میں مرگیا تو بیمہ کمپنی سے دو ہزار روپیہ لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) ناجائز ہے۔

(ب) اپنی ادا کردہ مقدار سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیمہ درحقیقت قمار اور ربا پر مشتمل ہے

سوال: زید اپنے گھر کا ایک قابل شخص ہے کہ بظاہر اسی کی کمائی پر اس کے اہل خانہ، والدین وغیرہ کا گزر ہے؛ نیز اس کے اور اس کے والدین کے ذمہ غیر معمولی قرض بھی ہے، جو سوال یا اشراف کا موجب ہوسکتا ہے، زید کا ایک ٹرک سے ایکسیڈنٹ ہوگیا اور اس میں زید کا انتقال ہوگیا، اب زید کے گھر والوں کے لیے سرکاری قانون سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ٹرک کا جس بیمہ کمپنی سے ربط ہے بیمہ پاس کروانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ کی اصل حقیقت قمار اور ربوٰ پر مشتمل ہے، جو ناجائز اور حرام ہے؛ البتہ اگر زید کی موت ٹرک کی ٹکر سے واقع ہوئی ہے تو ٹرک کا ڈرائیور ضامن ہوگا، اور اس سے زید کی دیت وصول کی جاسکتی ہے۔

والظاهر أن سائق السيارة ضامن لما أتلفه في الطريق سواء أتلفه من القدام أومن الخلف. (تكملة فتح الملهم: ٢/٥٢٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جیون بیمہ میں ملی ہوئی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہے

سوال: ایک لڑکے کا انتقال ہوا، اس نے اپنی زندگی میں جیون بیمہ پالیسی اختیار کی تھی، اب اس کی موت کے بعد جیون بیمہ پاس ہوا ہے، کمپنی کی طرف سے اس کے گھر والوں کو جیون بیمہ کی رقم ملی ہے، اور اس کے گھر والے پیسہ والے مال دار ہیں؛ لہذا جیون بیمہ میں ملی ہوئی رقم کو اس کے گھر والے کہاں کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟ واضح رہے کہ اس کے ورثاء میں ماں، باپ، بیوی اور ایک لڑکا ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جان کا بیمہ ہر حالت میں حرام و ناجائز ہے، اب جو رقم ملی ہے اس میں سے اتنی رقم جو اس نے بیمہ کمپنی کو ادا کی تھی وہ تو اس کے ورثاء میں (بعد ادائے دین ونفاذِ وصیت از ثلث) بقدر حصص تقسیم کر دی جائے، (یعنی کل چوبیس سہام بنا کر زوجہ کو تین، باپ کو چار، ماں کو چار اور لڑکے کو تیرہ سہام دیے جائیں) اور جو رقم زائد ملی ہے یعنی اس کی دی ہوئی رقم سے زائد کا صدقہ کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایل، آئی، سی (L.I.C.) کی رکنیت لینا درست نہیں

سوال: ایک صاحب LIC کی رکنیت لیے ہوئے ہیں، یعنی انہیں ہر ماہ سات سو پینتیس روپیے کے حساب سے چھ سال تک رقم جمع کرانی ہے، جو مجموعی اعتبار سے پچاس ہزار کے قریب قریب ہوتی ہے اور جب وہ رقم نکالیں گے تو پچاس ہزار سے

بڑھ کر انہیں ستتر ہزار (۷۷۰۰۰) روپیے ملیں گے تو کیا یہ زائد رقم لینا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زندگی کا بیمہ ناجائز ہے، اس میں قمار (جوا) اور سود دونوں قسم کے گناہ ہیں، اور گناہ بھی بڑے سنگین گناہ، حدیث میں سود دینے والے اور لینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت آئی ہے۔ (مشکوٰۃ)

اور ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں، جن میں ادنی درجہ کا گناہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سود کے ایک درہم کا کھانا (اپنے استعمال میں لانا) اللہ تعالیٰ کے یہاں چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ (مشکوٰۃ ۲۴۶)

جس مسلمان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ مبارک کی عظمت ووقعت ہو وہ کبھی ایسا معاملہ کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۰۰)

اس میں جو زائد رقم ملتی ہے اس کا اپنے استعمال میں لانا حرام ہے، وہ رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلا نیت ثواب فقراء اور مساکین کو بطور تملیک دے دینا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیمہ کی رقم کا حکم

سوال: کسی ٹرک کا ایکسیڈنٹ ہو گیا جس کا بیمہ کرایا گیا تھا، اور اس ٹرک کا کلینر

(CLEANER) جائے حادثہ پر ہی وفات پا گیا، اب انشورنس کمپنی اس ٹرک کی بھرپائی کرتی ہے؛ نیز مرحوم کے ورثاء کو ایک معین رقم دیتی ہے، تو کیا اس رقم کا لینا مرحوم کے ورثاء کے لیے جائز ہے؟ اگر جائز ہو تو کیوں؟ اور ناجائز ہو تو کیوں؟ مفصل ومدلل؛ نیز عام فہم زبان میں جواب سے مستفیض فرمائیں، علاوہ ازیں علمائے شوافع کی تحقیق کو بھی پیش کریں تو عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ میں سود اور قمار کا ارتکاب ہوتا ہے، اور دونوں بہ نص قطعی حرام ہیں، اس موضوع پر علمائے کرام کی مستقل تصانیف موجود ہیں۔ (مثلاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "بیمۂ زندگی" جو آپ کی کتاب جواہر الفقہ کا جلد دوم کا جزء بھی ہے) اس کا مطالعہ فرمالیں، اس سلسلہ میں علمائے شافعیہ کی کوئی تحقیق نظر سے نہیں گزری۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دکان کا بیمہ کرانا

سوال: ہمارے کپڑے کی دوکان ہے جس میں تقریباً ہمارا ذاتی مال دوڈھائی لاکھ روپئے کا بھرا رہتا ہے، یعنی: اسٹاک رہتا ہے، آج کل ماحول بڑا خراب ہوگیا، دنگے فسا کا ماحول بن گیا ہے، ہم اس مال کا بیمہ کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ کمپنی بذات خود مکان، دوکان، کارخانہ، فیکٹری اور انسان کی جان کی حفاظت اور نگرانی نہیں کرتی، اس لیے اس معاملہ کو عقد اجارہ میں داخل کر کے اشتراط ضمان علی الاجیر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، یہ معاملہ سود اور قمار سے مرکب ہے؛ بایں وجہ اس میں سود اور قمار دونوں قسم کے گناہ ہوتے ہیں، اور گناہ بھی بڑے سنگین ہیں، جن کو حلال سمجھنا کفر ہے؛ مگر سوال میں جن خطرات کی نشان دہی کی گئی وہ بھی واقعہ ہیں، اور بیمہ کرانے کی صورت میں فسادیوں کی نظر بد سے دوکان وغیرہ کی بہ ظن غالب حفاظت ہوجاتی ہے، اس لیے قانونِ فقہ "الضرر یزال" کے پیش نظر خطرے کی چیزوں کا بیمہ کرانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس شرط کے ساتھ کہ بیمہ کمپنی میں جو رقم جمع کرائی ہے اس سے زیادہ جو رقم ملے وہ غرباء اور محتاجوں میں بلا نیت ثواب تقسیم کردی جائے، اپنے کام میں ہرگز نہ لی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۶/ ۱۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیمہ کمپنی سے کمیشن لینا

سوال: میں لائف انشورنس کا ایجنٹ ہوں، ہم کو کمپنی تنخواہ نہیں دیتی؛ بلکہ ہم جتنا کام کریں گے، اس کے حساب سے کمپنی ہمیں کمیشن دیتی ہے، تو یہ کمیشن لینا ہمارے لیے جائز ہے یا نہیں؟ تاکہ اس سے بچا جائے۔ جواب حوالہ کے ساتھ ایسا دیں کہ دل مطمئن ہوجائے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لائف انشورنس میں قمار اور سود دونوں خرابیاں لازم آتی ہیں، اس لیے وہ ناجائز اور حرام ہے، اس پر جو کمیشن ملے گا وہ بھی حرام کام میں اعانت پر مل رہا ہے، جو جائز نہیں ہے۔﴿وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَان﴾(البقرہ)فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالحجۃ ۱۴۱۰ھ

جیون بیمہ ناجائز ہے

سوال: جیون بیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناجائز ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جان ومال کا بیمہ کرانا

سوال: لائف انشورنس کا کیا حکم ہے؟ ہم اپنی زندگی اور موٹر، کار، کمپنی وغیرہ کا بیمہ کرا سکتے ہیں؟ بعض دین دار لوگوں کا خیال ہے کہ بابری مسجد کے انہدام کے بعد ملک کے مختلف جگہوں پر مسلمانوں کے جان ومال کا زبردست نقصان ہوا اور یہ نقصان کفار اور سرکاری حکومتوں نے بالقصد کرایا، اس وجہ سے اسلامی فقہ اکیڈمی نے لائف انشورنس کو جائز قرار دیا، اور یہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے کہ اس طرح نقصان کی بھرپائی کی بیمہ کمپنی کو اچھی خاصی رقم ادا کرنی پڑے گی، اس لیے گورنمنٹ مسلمانوں کے

جان ومال کی حفاظت پر مجبور ہوگی، اور یہ کہ اصل رقم صاحب المال کی ہوگی اور باقی فاضل رقم سود کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں غرباء پر تقسیم کردی جائے گی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انشورنس میں سود اور قمار دونوں کا ارتکاب لازم آتا ہے اور ان دونوں کی حرمت قطعی اور منصوص ہے، اس لیے انشورنس بھی حرام اور ناجائز ہے، ایمان کا اصلی تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور تقدیر کا یقین رکھتے ہوئے شریعت کے منع فرمودہ امور سے مکمل اجتناب کرے، اس کے باوجود اگر یہ یقین ہے کہ ایسا کرنے سے حکومت مسلمانوں کی جان ومال کی حفاظت کرنے پر مجبور ہوگی (اگرچہ یہ بھی ایک مفروضہ بن گیا ہے) تو اس صورت میں اس شرط کے ساتھ- کہ جان یا مال کا نقصان ہونے کی صورت میں بیمہ کرانے والا صرف وہ رقم جو اس نے بیمہ پالیسی کے طور پر ادا کی ہے اپنے پاس رکھ کر اس سے زائد تمام رقم غرباء ومساکین میں بلانیت ثواب تقسیم کردے گا- بیمہ کرائے گا تو امید ہے کہ وہ معذور سمجھا جائے اور عنداللہ ماخوذ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/شوال ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بیمہ کے بارے میں ایک مشورہ

سوال: ہمارے ملک (جنوبی افریقہ) کی حالت ہر اعتبار سے بدتر ہوتی جارہی ہے، جان اور مال کا شدید خطرہ ہے، جن عوام نے علماء کے انشورنس کے عدمِ جواز کے

فتوی پر عمل کیا جب ان کا کوئی حادثہ ہوتا ہے نا قابلِ برداشت ہوتا ہے، متأثر ہو کر تقدیر وغیرہ پر شبہ کرنے لگے، یہاں علماء سے مسئلہ میں نظر ثانی کرنے کی عام درخواستیں مل رہی ہیں، کیا عوام کے عقائد کی حفاظت کے خاطر مندرجۂ ذیل صورت کی گنجائش ہے:

بیمہ نکالے، اگر حادثہ ہو جائے زائد رقم کی اگر ضرورت ہو تو فبہا ورنہ واجب التصدق ہے، برائے کرم رہنمائی فرمائیں۔

اور ہم کو کیا فتویٰ جمعیت کی طرف سے دینا چاہیے؟ بیمہ کا شدید تقاضہ سواریوں میں ہے مثلا میری سواری دس ہزار رینڈ کی ہے اور دوسرے کی مثلا نوے ہزار کی، اس کی سواری کی حفاظت کے لیے انشورنس نکالا جاتا ہے؛ ورنہ مجھے تو دس ہزار سے زیادہ رقم ادا کرنی ہوگی اس کی سواری کو نقصان کرنے کی صورت میں، اتنی رقم میں کہاں سے مہیا کروں؟ اس میں کیا راہ ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس سلسلہ میں ہمارے علماء نے جو لکھا ہے اس کو سامنے رکھ کر آپ کے ملک میں جوارباب افتاء ہیں وہ کوئی فیصلہ متفقہ طور پر کریں یہ زیادہ مناسب ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا رسالہ جو جواہر الفقہ میں ہے اور حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کا رسالہ ''بینکنگ انشورنس اور سرکاری قرضے'' وغیرہ رسائل کا مطالعہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سوال: جیون بیمہ اور دکان، مکان کے بیمہ کا کیا مسئلہ ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بیمہ میں سود اور قمار پایا جاتا ہے اور سود اور قمار دونوں کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، اس لیے بیمہ بھی حرام اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ / ربیع الاولی ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ہوٹل کے بیمہ کرانے کی گنجائش

سوال: ملک کے عمومی حالات کے پیشِ نظر جب کہ اکثریت غیروں کی ہے اور تعصب کی بنیاد پر فسادات کے دوران ملکیت کو نقصان پہنچاتے ہیں، ہوٹل کا، کسی ملکیت کا بیمہ اتروانا شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ بیمہ سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ شر پسند عناصر بیمہ بھری ہوئی ملکیت کو نقصان نہیں پہنچاتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بیمہ میں سود بھی ہے اور جوا بھی، اور یہ دونوں چیزیں شرعاً ممنوع ہیں، بیمہ بھی ممنوع ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص ایسے مقام پر اور ایسے ماحول میں ہو کہ بغیر بیمہ کرائے جان و مال کی حفاظت ہی نہ ہو سکتی ہو، یا قانونی مجبوری ہو تو بیمہ کرانا درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۴/۲۴۰)

یہ معاملہ سود اور قمار سے مرکب ہے، بایں وجہ اس میں سود اور قمار دونوں قسم کے گناہ ہوتے ہیں، اور گناہ بھی بڑے سنگین ہیں، جن کو حلال سمجھنا کفر ہے؛ مگر سوال میں جن خطرات کی نشان دہی کی گئی ہے وہ بھی واقعہ ہے، اور بیمہ کرا لینے کی صورت میں

فسادیوں کی نظرِ بد سے دکان وغیرہ کی بہ ظنِ غالب حفاظت ہوجاتی ہے؛ اس لیے قانون فقہی ''الضرر یزال'' کے پیشِ نظر خطرہ کی چیزوں کا بیمہ کرا لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اس شرط کے ساتھ کہ بیمہ کمپنی میں جو رقم جمع کرائی ہے اس سے زیادہ جو رقم ہے، وہ غرباء اور محتاجوں میں بلا نیت ثواب تقسیم کردی جائے، اپنے کام میں ہرگز نہ لی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۱۳۳) والتفصیل فیہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

انشورنش میں ملنے والی رقم کا حکم

سوال: انشورنس کے ذریعہ جو کلیم لیا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور قومی فسادات؛ نیز سیاسی نقصانات اور مزدوروں کی یونین کے ذریعہ جو نقصان ہم کو پہنچے اس کا کلیم ہم انشورنس کے ذریعہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ مزید یہ معلوم کرنا ہے کہ قدرتی آفات یعنی سیلاب اور زلزلہ وغیرہ میں جو نقصان ہو اس کے حکم کی وضاحت بھی مطلوب ہے، جواب ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

انشورنس کے ذریعہ کلیم کر کے لی جانے والی رقم میں وہ مقدار جو بذریعہ پریمیم آج تک اس نے بیمہ کمپنی میں جمع کرائی ہے، وہ تو اس کے لیے جائز اور درست ہے، اور اس سے زائد جو مقدار اس کو حاصل ہوئی ہے اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اپنے استعمال میں لانا درست نہیں چاہے کلیم کسی بھی بنیاد یعنی قومی فسادات، قدرتی آفات وغیرہ پر ہوا ہو؛ البتہ اگر قومی فسادات والی صورت میں حکومت کے عملہ کی طرف سے

فسادات کی ہمت افزائی یا اس میں شرکت ہوئی ہے، اور انشورنس کمپنی بالواسطہ یا بلا واسطہ حکومت ہی سے متعلق ہے تو اس صورت میں حقیقی نقصان کے بعد جو کچھ ملے اور جو حق قانون وضابطہ میں بنایا جائے اس کے مطابق ملنے والا مال انشورنس کرانے والے کے لیے لینے کی بعض علماء کے نزدیک گنجائش ہے، بقیہ صورتوں میں صرف اپنی جمع کردہ رقم کے بقدر لینا اور استعمال کرنا جائز ہوگا؛ زائد کا نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاءہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/محرم ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بیمہ کروانا

سوال: انشورنس اس کا دوسرا نام بیمہ ہے یہ جان کا بھی اتارا جاتا ہے اور مال کا بھی اتارا جاتا ہے جائز ہے یا ناجائز؟ کیوں کہ یہاں کے مسلمانوں میں رواج عام ہو چکا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ چاہے املاک کا ہو یا زندگی کا، سود اور جوے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۱۷/جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

زندگی کا بیمہ کرانا

سوال: زید نے چند سال قبل LIC یعنی لائف انشورنس (جیون بیما پالیسی)

کرواچکا ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ: پورے بیس سال گزرنے کے بعد چالیس ہزار کے بدلے ایک لاکھ روپیے کی رقم نقد ملے گی بہ شکل منافع، اس کے لیے زید کو ہر سال ۲۶۵۲ (دو ہزار چھ سو باون) روپیے بیس سال تک ادا کرنا ہوگا؛ مگر مشکل یہ ہے کہ اب درمیان میں جیون بیمہ پالیسی ختم کرانا چاہے تو اپنے جملہ جمع کیے ہوئے رقم نقصان اٹھا کر ختم کرنا ہوگا اور اس کی ہمت نہیں، نیز ہمارے مسجد کے مولانا یہ فرما چکے ہیں کہ: لائف انشورنس کرانا جائز نہیں جو کہ موجودہ صورت کی کرائی گئی ہے، اب اگر کرواچکے ہیں تو اس کو فوری ختم کروالو، ختم کرائے جانے پر آفس میں بتلائے کہ پھر اتنا نقصان ہوگا جو کہ نا قابل برداشت ہے، نیز یہ بھی فرمایا کہ: بینک میں جو LIC کی رقم جمع ہے اس کی بھی زکوۃ ہر سال واجب الاداء ہے۔ بہر حال! ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کا حل بتلائیں کہ ایل آئی سی کرا سکتا ہوں یا نہیں؟ اب جب کہ کرواچکا ہوں توڑ دینے کی کیا شکل؟ جب کہ میرے لیے اور ۱۲؍سال باقی ہے، نیز مدت ختم پر جو رقم ملے گی مجھ کو ہو یا کسی اَور بھائی کو، تو اس کا استعمال کیسے کریں؟ کیا اپنی ذات پر کریں یا پھر غریبوں کو دے دیں۔ یا پھر کسی مسجد یا مدرسہ کو دیں؟ میں چاہتا ہوں کہ شریعت کی روشنی میں سودی مال سے بھی بچ جاؤں، اور حرام ومشتبہ مال سے بھی احتراز ہو، اور میرا مالی خسارہ بھی نہ ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زندگی کا بیمہ کرانا حرام وناجائز ہے، اور اس کی بنیاد پر جو منافع حاصل ہوتا ہے وہ سود ہے، جس کا استعمال حرام وناجائز ہے۔ آپ کے مولانا صاحب نے جو مسئلہ بتایا

ہے وہ صحیح ہے اور درست ہے، اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔اب جب کہ بیمہ کروا چکے ہیں تو اس کا حل یہی ہے کہ فوری طور پر اس کو ختم کیجیے، ختم کرنے کی صورت میں دنیوی طور پر چند روپیوں کا نقصان ہے؛ لیکن جہنم کے عذاب اور آخرت کی باز پرس سے حفاظت ہے، اس کو باقی رکھنے میں دنیوی فائدہ نظر آرہا ہے، (گو وہ بھی حقیقت میں نقصان ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے)؛ لیکن آخرت کا نقصان ہے جس کی کوئی تلافی نہیں ہے۔شریعت کی روشنی میں جو حکم تھا وہ آپ کو بتلادیا گیا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹؍ذو القعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

افریقہ کے مخصوص حالات میں انشورنس کروانا

سوال: (۱) ہمارے ملک جنوبی افریقہ میں اس وقت لوٹ مار، قتل وغارت گیری رات دن کا ماحول بن گیا ہے بے قصور و بے گناہ لوگ ظلم وستم کا شکار رہتے ہیں۔ صاحب مال اور دولت مند دیکھتے دیکھتے فقیر بن جاتے ہیں اور نان شبینہ کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ایسے حالات میں کاروبار، مکان، مساجد کے انشورنس کی ہمارے دیار میں گنجائش ہے یا نہیں؟ نیز یہاں انشورنس کی کمپنیاں حکومت کی نہیں ہوتی ہیں

(۲) آج کل موٹر ہمارے دیار میں ضروریات دین میں سے ہے بس یا ریل گاڑی میں سفر کرنا کسی صورت میں خطرہ سے خالی نہیں اور پھر ہر وقت بس اور گاڑی کی سہولت میسر بھی نہیں اس لیے صاحب استطاعت کے لیے آسانی سے گاڑی خریدنے کا انتظام

ہوجاتا ہے اور رات دن موٹروں کے ٹکرانے کے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔

حادثہ کی صورت میں دیکھا جاتا ہے کہ قصوروار کون ہے اور حاکم جسے قصوروار ٹھہراتا ہے وہ قصوروار شمار ہوتا ہے۔ اب جس موٹر کے ساتھ حادثہ ہوا ہے اس کو درست اور ٹھیک کرنے کے اخراجات قصوروار کے ذمہ ہوتے ہیں کبھی وہ خرچ لاکھوں روپئے تک ہوتا ہے۔ قصوروار نے اگر انشورنس نہ نکلوایا ہوتو اس صورت میں اس غریب کے کاروبار اور مکان تک جانے کا امکان ہے ایسے حالات میں شرعاً انشورنس کی اجازت ہمارے دیار میں ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② انشورنس اصلاً شریعت میں جائز نہیں۔ کیوں کہ انشورنس میں ایک یا ایک سے زائد محرمات کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ مروجہ انشورنس کی بعض صورتوں میں ربا، قمار، غرر جیسے متعدد محرمات پائے جاتے ہیں۔ بعض میں صرف ربا اور قمار پایا جاتا ہے۔ شریعت مطہرہ میں ربا اور قمار وغیرہ کی شدید مذمت وارد ہوئی ہے اس کے پیش نظر ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ شدید سے شدید تر حالات میں بھی ایسے معاملات اور اعمال سے بچے جن میں ربا، قمار وغیرہ کی آمیزش ہو۔ ہندوستان میں بعض علمانے اس کی گنجائش دی ہے اس کا جب آپ مطالعہ فرمائیں گے تو یہ واضح ہوجاوے گا کہ اس میں اس چیز کو بڑا دخل ہے کہ ہندوستان میں بیما کمپنی حکومت کی ملک ہے ساتھ ہی قومی فسادات کو بھڑکانے میں عموماً حکومت کی مشنری بھی معاون ہوتی ہے۔ اور درصورت اجازت اکثر حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ بیمہ کمپنی سے ملنے والے معاوضہ میں

سے صرف اتنا ہی لیا جائے جتنا یہ شخص بیمہ کمپنی کو ادا کر چکا ہے اس سے زائد مقدار غربا ومساکین پر صدقہ کرے (کما ھو مصرف المال الحرام) اور جو بعض حضرات پورا معاوضہ لینے کی اجازت دیتے ہیں وہ بھی صرف اسی صورت میں جب کہ املاک کی ہلاکت قومی فسادات میں ہوئی ہو۔

اگر اتفاقی حادثہ یا اور کسی صورت میں ہوئی ہے تو وہ بعض حضرات بھی پورا معاوضہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ بلکہ صرف اتنی ہی مقدار کو جائز گردانتے ہیں جتنی وہ ادا کر چکا ہے۔ ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر غور فرمائیں گے تو یہ بات صاف ہو جائے گی۔ آپ نے جو سوالات اٹھائے ہیں ان میں دوسرے سوال کا تعلق تو صرف اتفاقی حادثات سے ہے۔ اور پہلے سوال میں ظلم وستم سے ہے لیکن اس میں حکومت کی مشنری کا تعاون نہیں ہے بلکہ دونوں صورت میں مالی منفعت پیش نظر ہے۔ نیز آپ نے جو صورت حال ذکر فرمائی ہے بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اس وقت دنیا کے اکثر ممالک کا یہ حال ہے کہ ربا اور قمار کی حرمت کے احکام کو مصالح وقت کے پیش نظر ختم یا مؤخر کر دیا جائے البتہ آپ یہ سوال فرما سکتے ہیں کہ پھر اس کا حل کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپس کے تعاون وتناصر کا جو نظام اسلام نے بتلایا ہے جس کا ایک حصہ زکوۃ کے اجتماعی نظام کا قیام ہے اس کو اختیار کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جانی یا مالی خطرہ کے وقت بیمہ کروانا

سوال: ① ہمارا کاروبار پٹرولیم پروڈکٹ (پٹرول سے متعلق جو تیل آتے ہیں) کا ہے اور یہ تیل وغیرہ دوسرے شہروں سے لاتے ہیں، ہماری اپنی ٹرک ہے، ہمارے ڈرائیور ٹرک لے کر جاتے ہیں اور مال لے کر آتے ہیں، وہاں سے مال لانے پر راستہ میں بہت مشکلات بسا اوقات پیش آتی ہے، مثلاً ایکسیڈنٹ وغیرہ تو کیا اس حال میں ہم اس گاڑی کا ڈرائیور کا اور مال کا انشورنش نکال سکتے ہیں؟ فرسٹ پارٹی انشورنس اس فرسٹ پارٹی انشورنس میں یہ ہوتا ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی ایکسیڈنٹ وغیرہ ہو جائے تو اس انشورنس کی رقم انشورنس نکالنے والے کو ملتی ہے اگر انشورنس نکال سکتے ہیں تو کیا انشورنس کی رقم ہم استعمال کر سکتے ہیں یا اور کوئی طریقہ استعمال ہے؟

② ہمارا کاروبار پٹرول سے متعلق جو تیل ہیں اس کا ہے، اور یہ تیل ہم دوسرے شہر مثلاً بروڈا، یا احمد آباد، یا واپی سے لاتے ہیں، اس میں ہم کیروسن لاتے ہیں، اور اس مال کو لانے کے بعد یعنی مال سورت پہنچ جانے کے بعد ہم اس مال کی رقم ادا کرتے ہیں، مال اس وقت ہمارا ہوتا ہے جب سورت پہنچ جاتا ہے اس طرح مال کو وہاں لانے میں آج کل راستہ میں جو مشکلات پیش آتی ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے شر پسند لوگ نقصان پہنچانے کے لیے آگ لگائیں یا ایکسیڈنٹ ہو جائے، ان سب حالات میں اگر مالی یا جانی خطرہ ہو یا مال ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو کیا ان حالات میں اس مال کا انشورنس نکالا جا سکتا ہے؟ اور اگر انشورنس نکالا جا سکتا ہے تو اس انشورنس کے پیسے کا کیا کیا جا سکتا ہے؟ کیا ہم استعمال کر سکتے ہیں یا اور کوئی راستہ ہے؟

③ ہمارا کاروبار پٹرولیم پروڈکٹس کا ہے جس میں ایسا تیل وغیرہ آتا ہے جو جلد آگ پکڑ لیتا ہے، اگر اس قسم کے مال کو کہیں دوسرے شہر سے لایا جائے اور ٹرک کسی ٹرانسپورٹ والے کی ہو اور مال صرف اپنا ہو اور راستہ میں خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آجائے تو کیا ہم اس مال کا فرسٹ پارٹی انشورنس نکال سکتے ہیں؟ اس انشورنس کے پیسوں کا طریقہ استعمال کیا ہوگا؟

④ ہمارا کاروبار جلد آگ پکڑنے والے آئل کیروسن اور پٹرول وغیرہ کا ہے اور جس جگہ ہمارا ڈپو ہے اس کے اطراف میں تمام جھونپڑی ہے، اس ڈپو میں ہم اس کی دیوار زیادہ اونچی نہیں بنا سکتے، اس طرح ہم کو اکثر حالات کے اعتبار سے نقصان کا اندیشہ رہتا ہے، کوئی بھی کسی ناچاقی کی وجہ سے یا کسی دشمنی کی وجہ سے نقصان کے درپہ ہو تو بہت بڑے نقصان کا خطرہ ہے، تو کیا ہم ان حالات میں فرسٹ پارٹی انشورنس نکال سکتے ہیں؟ اور اگر انشورنس نکال سکتے ہیں تو برائے کرم اس انشورنس کی رقم کس طرح استعمال کریں وہ بھی براہ کرم بیان فرما دیں گے۔

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

انشورنس میں قمار (جوا) اور ربوا (سود) دونوں کا ارتکاب ہوتا ہے، اس لیے یہ حرام ہے، نفع اور نقصان دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور نفع حاصل کرنے یا نقصان دور کرنے کے لیے صرف وہی تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے جو شرعاً جائز ہو، بعض مواقع پر قانونی مجبوری یا دیگر عوارض کی بنا پر بعض علماء نے انشورنس کی اجازت اس شرط پر دی ہے کہ اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقم میں سے صرف اتنی رقم اپنے

پاس رکھ لی جائے جو بیمہ کمپنی کو ادا کی تھی، بقیہ رقم کا صدقہ کر دینا ضروری ہے، آپ نے جو چار مسائل دریافت فرمائے ہیں ان میں کوئی ایسا عارض موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر بیمہ کرانے کی گنجائش ہو، نیز آپ کے دریافت کردہ چاروں مسائل میں آپ کا مقصد تو انشورنس کمپنی سے حاصل شدہ رقم کا استعمال ہے، جس کی کسی حال میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ / ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انکم ٹیکس اور رشوت کے مسائل

چنگی اور ٹیکس شریعت کی نظر میں

سوال: آکٹرائے (چنگی) کی ادائیگی سے متعلق شرعی احکامات کیا ہیں؟ آیا اس کی ادائیگی لازمی ہے یا نہیں؟ اگر آکٹرائے کی ادائیگی لازمی ہے تو اسکا ادا نہ کرنا کس درجہ کا گناہ ہوگا؟ جو رقم بعنوان آکٹرائے ادا نہ کرنے پر پاس بچی رہتی ہے اس کا کیا حکم ہے حلال یا حرام؟ آکٹرائے میونسپلٹی اور کارپوریشن میں جاتی ہے جو شہریوں کی ضروریات اور راحت رسانی کے کام آتی ہے، مثلاً ٹیچر حضرات کی تنخواہیں، صاف صفائی، سرکاری دواخانوں میں ڈاکٹر حضرات کی تنخواہیں، دواؤں کا انتظام وغیرہ، آکٹرائے بچانے سے یہ سارے کام متاثر ہوتے ہیں، میونسپلٹی کے خزانے کو بیت المال قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حدیث پاک میں ٹیکس لینے پر وعید ہے، چنگی کو بھی عموماً اس میں شمار کیا جاتا ہے، چناں چہ فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۳۴۷ میں ہے: ''شریعت نے ٹیکس کو حرام قرار دیا ہے، اور ٹیکس وصول کرنے والے کے لیے سخت وعید ہے، اس کی دعاء بھی قبول نہیں ہوتی، آج کل چنگی کا حال بھی تقریباً ایسا ہی ہے''۔ (فتاوی محمودیہ کراچی: ۱۷/ ۱۲۰)

جو ٹیکس ظلماً وصول کئے جاتے ہیں ان کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ جو آدمی اس کو اس سے بڑے ضرر ونقصان میں پڑے بغیر دفع کرسکتا ہو تو کرنا چاہیے۔

وأما المغارم الواردة عليهم.......... وأما غيره مما يوخذ ظلماً و غرامة، فمن تمكن مِن دفعه عن نفسه بالرفع إلى الحاكم الشرع أو كان له قدرة على دفعه من غير ضرر يلحقه أعظم منه فليدفع عن نفسه إذ هو خير له؛ إذ الظلم يجب اعدامه لا تقريره واحكامه. الخ

(تنقيح الفتاوى الحامدية ۲/ ۱۹۹)

البتہ ظلمی ٹیکس کی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ اس کے معاوضہ میں ٹیکس ادا کرنے والوں کو کوئی فائدہ حکومت کی طرف سے یا ٹیکس وصول کرنے والے کی طرف سے نہ دیا جاتا ہو، آکٹرائے کے سلسلے میں آپ نے جو وضاحت سوال میں کی ہے، اس کے پیش نظر اس ٹیکس کی رقم کو اس شہر کے باشندوں کے مفادات (طبی سہولتوں، تعلیمی سہولتوں، اور دیگر شہری سہولتوں کی فراہمی) میں صرف کیا جاتا ہے تو اس صورت میں اس کو ظلمی کہنا درست نہ ہوگا؛ البتہ اس کی مقدار پر پھر بھی کلام کیا جاسکتا ہے؛ نیز اس کی عدم ادائیگی کی صورت میں عزت وآبرو کے خطرہ میں پڑنا بھی ایک حقیقت ہے؛ نیز

برسر اقتدار حکومت کے ماتحت اور ملک کا ایک شہری ہونے کے ناطے جو معاہدہ دستور کی پابندی کا کیا ہے اس کی خلاف ورزی (بصورت عدم ادائیگی) ہوتی ہے، ان وجوہات کے پیش نظر اس کی ادائیگی کا حکم ہی راجح ہونا چاہیے، اس سلسلہ میں دیگر حضرات مفتیان عظام سے رجوع فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلیک (سیاہ) رقم کو سفید بنانے کی صورتوں کا حکم

سوال: آج کل سرکاری ٹیکسوں سے بچنے کے لیے عام طور پر بڑے تاجر کاروبار کے منافع میں بہت تھوڑا سا حصہ پکے حساب میں ظاہر کرتے ہیں، اور زیادہ تر حصہ چھپاتے ہیں، تاکہ سرکار کو ٹیکس کم ادا کرنا پڑے، اس طرح کے چھپائے ہوئے حصے کو آج کل کی اصطلاح میں بلیک (سیاہ) رقم کہتے ہیں، جس کو دوسرے لفظوں میں غیر قانونی بھی کہہ سکتے ہیں، اور پکے حساب میں ظاہر کی ہوئی رقم کو وہائیٹ (سفید) رقم کہا جاتا ہے، اس طرح کی سیاہ رقم کو سفید رقم بنانے کی کچھ صورتیں بھی ہیں، جن کو کاروباری حضرات جانتے ہیں، ان میں سے ایک شکل بینک سے لون لینے کی ہے، جس میں سود بھی دینا پڑتا ہے؛ لیکن دِقّت کم ہوتی ہے، اور دیگر صورتوں میں بھی فی صد کچھ رقم تو دینی پڑتی ہے؛ لیکن دِقّت زیادہ ہوتی ہے۔ بینک سے لینے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ، مثلاً ایک لاکھ روپیے کا کاروبار کرنا ہے، اس کے پاس اتنی بلکہ اس سے زائد رقم موجود بھی ہے؛ لیکن سب قانونی نہیں ہے؛ اس لیے اس کو ظاہر نہیں کر سکتا؛ لہذا بینک سے رقم سود پر لیتا ہے، جس کو پھر وہ مع سود ادا کر دیتا ہے۔

اور بینک کے علاوہ قانونی بنانے کی شکل یہ ہے، کہ مثلاً ایک تاجر کے پاس سفید رقم کافی مقدار میں موجود ہے، اس سے قرض لیا جائے؛ لیکن اس صورت میں اس تاجر کو حکومت کو ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے؛ اس لیے یہ تاجر بھی اپنے مقروض سے فی صد کچھ رقم (سود) لیتا ہے، اور بعض بڑے تاجر تو اس کو مستقل کاروبار کے طور پر ہی کرتے ہیں۔

اب سوال طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں قسموں کی شکلوں میں سے شرعاً جائز کونسی شکل ہے؟ بالفرض اگر دونوں کا حکم ایک ہی ہے تو بہتر کون سی شکل ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سیاہ رقم کو سفید بنانے کے لیے بینک سے یا کسی بڑے تاجر سے رقم قرض لینے کی صورت میں سود دینا پڑتا ہے، تو ٹیکس میں چوری کر کے جو رقم بچائی تھی وہ اس راہ سے گئی، فرق صرف اتنا ہے کہ سود والی صورت اپنی پسند فرمودہ اور اختیار کردہ ہے گویا اپنی مرضی سے سود دینے کے لیے آمادہ ہوا، اور ٹیکس والی صورت اضطراری یعنی غیر اختیاری ہے جس کی وجہ سے اس کا وبال خود پر نہیں پڑتا ہے، تو پھر رقم کو سیاہ اور سفید بنانے کا مکر کرنے کے بجائے شروع ہی سے سفید بنانے کی صورت کیوں نہ اختیار کی جائے؛ اس لیے آپ نے سفید بنانے کی جو دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں دونوں ہی ناجائز ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حکومتی ٹیکس سے بچنے کے لیے کمائی چھپانا

سوال: زید کی ہوٹل کی سالانہ آمدنی پچیس ہزار ہے؛ لیکن گورنمنٹ کو صرف

دس ہزار انکم بتاتا ہے، اور دس ہزار ہی کا انکم ٹیکس بھرتا ہے، تو یہ کمائی کا چھپانا اور ٹیکس کم ادا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی طرف سے عائد کیے جانے والے ناجائز ٹیکس سے بچنے کے لیے کوئی ایسی تدبیر اختیار کرنا جس میں ذلت ورسوائی کا اندیشہ نہ ہو، درست اور جائز ہے؛ البتہ اگر اس تدبیر میں ذلیل اور بے عزت ہونے کا اندیشہ ہے، تو درست نہیں؛ اس لیے کہ خود کو ذلیل کرنا شرعاً جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سرکاری ٹیکسوں سے بچنے کی تدبیر کا حکم

سوال: حکومت تاجروں سے مختلف قسم کے ٹیکس وصول کرنے کے لیے تاجروں کے حساب کتاب کو باقاعدہ دیکھتی ہے، تاجر لوگ ان ٹیکسوں سے بچنے کے لیے مختلف تدبیریں کرتے ہیں، شرعاً اس طرح سرکاری ٹیکسوں سے بچنے کے لیے تدبیریں کرنا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کے ناجائز اور ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لیے کوئی جائز تدبیر اختیار کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: سرکاری ٹیکسوں سے بچنے یا ان کی مقدار کم کرنے کے لیے ایک تدبیر تجار یہ بھی کرتے ہیں، کہ نفع کی رقم کو دوسرے کی بتاتے ہیں اور اس دوسرے کو اس بات پر رضامند کر لیتے ہیں کہ ہم تمہاری طرف سے اتنی رقم اپنے یہاں جمع کر لیں گے اس کو حوالہ لینا کہتے ہیں، اور دوسرے کے اس فعل کو حوالہ دینا کہتے ہیں، حوالہ دینے والا اس حوالہ دینے کے عوض کچھ رقم بھی حوالہ لینے والے سے مانگتا ہے، تو کیا اس طرح حوالہ دینے پر رقم لینا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسئولہ حوالہ دینے پر رقم لینا اس طرح کہ مشروط ہو درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

انکم ٹیکس سے بچنے کی چند تدابیر کا حکم

سوال: جو شخص بھی تجارت یا ملازمت یا ہنر کے ذریعہ اپنا رزق فراہم کرتا ہے، اگر اس کی سالانہ آمدنی مثلاً ۶۰/ ہزار سے زیادہ ہے تو حکومت اس کی پوری آمدنی میں سے بطور ٹیکس (Tax) کے تین فیصد لیتی ہے، اور اگر ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد ہے تو چالیس فیصد ٹیکس وصول کرتی ہے۔ یہ شخص اگر اپنی آمدنی میں سے حکومتی شرح کے مطابق ٹیکس ادا کر دیتا ہے تب تو باقی ماندہ آمدنی وائٹ منی (White

(Money) کہلاتی ہے، ورنہ وہ پوری آمدنی حکومت کی نظر میں بلیک منی (Black Money) کہلاتی ہے۔

(Tax) کی یہ شرح جو مذکور ہوئی؛ بہر حال بہت زیادہ ہے کہ ایک شخص جس نے سال بھر میں ایک لاکھ روپیہ کمایا وہ سال پورا ہوتے ہی اپنی کمائی میں سے تیس ہزار روپیہ حکومت کو دے اور خود صرف ستر ہزار خرچ کرے، اس لیے لوگ حکومت کو ٹیکس نہیں بھرتے ہیں اور بغیر ٹیکس کے آمدنی جمع کرتے ہیں، خرچ کرتے ہیں، اور پھر یہ آمدنی حکومت کی نظر میں (Black) بن جاتی ہے۔

آج ملک میں حال یہ ہے کہ جتنا روپیہ white والا بازار میں رولنگ ہوتا ہے، Black والا اس سے زیادہ ہے، اور وہ بازار میں رولنگ نہیں ہو رہا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ Black Money کو کسی بھی جگہ پر استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے، نہ گھر بنانے میں، نہ زمین خریدنے، دکان خریدنے، سواری خریدنے وغیرہ کسی بھی تجارتی یا ایسی ذاتی ضرورت میں جس میں اس شئی کا رجسٹریشن کروانا ضروری ہوتا ہے، استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً زید نے ایک سال میں دو لاکھ روپیہ کمایا، اور اس پر TAX ادا نہیں کیا اور اس کی بڑی ضرورت رہائش کا مکان خریدنا ہے، اب اس نے ایک مکان جس کی قیمت دو لاکھ روپیہ تھی خرید لیا، خریدنے کے بعد رجسٹریشن کروانے گیا تو وہاں انکم ٹیکس (Income Tax) والے پوچھیں گے کہ آپ یہ دو لاکھ روپیہ کہاں سے لائے؟ وہ کہے گا کہ میں نے اپنی تجارت سے کمائے ہیں، تو پھر سوال ہوگا کہ انکم ٹیکس (Income Tax) ادا کیا یا نہیں؟ اب اس کو وہاں ٹیکس (Tax) بھرنا ہوگا۔

غرض یہ کہ وہ ایسی کوئی بھی چیز خریدے گا، بیچے گا جس کے دستاویز بنتے ہیں وہ وہاں فوراً پکڑا جائے گا اور Tax ادا کرنا ہوگا، دوسرا ایک شخص ہے جس کو ایک کاروبار شروع کرنا ہے اس پورے کاروبار میں اس کو ۱۰/ لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے، اور ۱۰/ لاکھ روپیہ اس کے پاس موجود ہے، مسئلہ صرف اتنا سا ہے ۱۰/ میں سے ۵/ White ہیں اور ۵/ Black ہیں، اور کاروبار میں صرف White لگا سکتا ہے، دوسرے نہیں، اب سوال یہ ہے کہ ان پانچ لاکھ کو کاروبار میں کیسے لگائے؟ کیا شکل کرے جو کہ Black Money ہے۔

① سب سے پہلے اور مطابقِ قانونِ حکومت شکل یہ ہے کہ وہ شخص انکم ٹیکس بیورو سے کہے کہ میرے پاس ۵/ لاکھ روپیہ Black ہیں جو Tax بنتا ہے آپ وہ لے لیں؛ تاکہ میرا باقی ماندہ روپیہ White بن جائے۔

چوں کہ White Money کی لوگوں کو بار بار ضرورت پڑتی ہے؛ اس لیے ذاتی طور پر کچھ لوگوں نے اس کو کاروبار کے طور پر اپنا لیا ہے، وہ لوگ اپنا White روپیہ لوگوں کو قرض کے طور پر دیتے ہیں اور ان کے Black سے ہاتھوں ہاتھ وصول کر لیتے ہیں اور اس سہولت کے مہیا کرانے پر کچھ نفع ۳/ فیصد یا ۵/ فیصد لیتے ہیں۔

② لہٰذا اگر وہ شخص حکومت کو Tax دینا نہیں چاہتا تو پھر کسی شخص کی طرف رجوع کرتا ہے جو اس کو White Money قرض کے طور پر دیتا ہے، وہ بلیک منی سے قرض چکا کر اس پر لینے والے کو کچھ نفع دینا ہوتا ہے جو ۳/ فیصد ہوتا ہے کبھی ۵/ فیصد ہوتا ہے۔

③ اور تیسری شکل یہ ہے کہ کسی ایسے ادارے کی طرف رجوع کرے جو قرض

مہیا کرتا ہے اور اس کے سامنے اپنی تجارت کا پورا پروجیکٹ رکھے اور بتلائے کہ ۵/ لاکھ میں نے لگا دیئے ہیں، دوسرے پانچ لاکھ کی مجھے ضرورت ہے تو وہ ادارہ اس کو سود کے ساتھ ۵/ لاکھ روپیہ قرض دے گا، اور واپس ادائیگی کی جو شرائط اور مدت دونوں کے درمیان طے ہوتی ہے اس کے مطابق وہ شخص Black کو قرض مع سود واپس کرے گا۔

شکل دو اور تین اپنانے میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس پانچ لاکھ پر جو Tax لگتا ہے وہ بچ جائے گا یعنی سود دینے یا نفع دینے میں جو کچھ دینا پڑے گا وہ کم ہے اور Tax زیادہ ہے۔

(۱) دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس زیادتی اور ظلم کی حد تک کے Tax سے بچنے اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے شکل نمبر دو، تین استعمال کیا جاسکتی ہے؟

(۲) شکل نمبر دو میں لیا اور دیا گیا نفع درست ہے یا نہیں؟ اور یہ نفع ہے یا سود؟

(۳) تیسری شکل کا استعمال کس حد تک اور کن حالات میں جائز ہے؟

واضح رہے کہ یہ دشواری تقریباً ہر کاروباری کو پیش آتی ہے، اس لیے درجِ بالا مسئلہ ذاتی مسئلہ نہیں ہے؛ بلکہ عموماً کاروبار میں پیدا ہونے والی مشکلات میں سے ایک ہے۔ لہٰذا گزارش یہ ہے کہ مسئلہ کو پوری تفصیل کے ساتھ واضح فرمائیں اور مراجع بھی تحریر فرمائیں تو خود بھی استفادہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) دریافت طلب دونوں صورتوں میں سود دینا ہوتا ہے، اس لیے اس کی اجازت نہیں ہے، سود کی حرمت کے نصوص قرآن وحدیث آپ کے سامنے ہیں، ٹیکس

کی بیان فرمودہ شرح کو ظلم تسلیم کیا جائے، تب بھی اس ٹیکس کی وصولیابی کے نتیجے میں جس سے ٹیکس وصول کیا جارہا ہے وہ حالتِ اضطرار میں نہیں پہنچتا کہ اس کے لیے کوئی گنجائش (جو اضطرار کی وجہ سے ملتی ہے وہ) دی جائے، ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لیے کوئی تدبیر اختیار کرنا جس کے نتیجہ میں اپنی عزت کی حفاظت کے ساتھ ٹیکس سے بچاؤ ہو اس کی تو اجازت ہے؛ لیکن اب اس کو سفید بنانے کے لیے آپ کی تحریر فرمودہ صورت ۲/اور ۳/کا اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ: آپ نے مثال کے طور پر تحریر فرمایا ہے کہ ایک شخص نے سال بھر میں ایک لاکھ روپیہ کمایا، وہ ختمِ سال پر اپنی کمائی میں سے تیس ہزار روپیہ حکومت کو دے دے، یہ درست نہیں ہے، احقر کے حساب کے مطابق دس ہزار روپیہ ہوتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس ٹیکس کی ادائیگی کے نتیجہ میں اس کو جو فوائد حاصل ہو رہے ہیں وہ بھی کئی ہیں، اگر حکومت کی طرف سے وہ سہولیات مہیا نہ کی جاتیں تو عام حالات میں اس کے لیے یہ رقم کمانا ناممکن یا دشوار ہوتا۔

(۲) یہ نفع نہیں؛ بلکہ سود ہے، اس کی ایک تدبیر ممکن ہے کہ یہ رقم اس (سفید والے) کے پاس سے قرض لینے کے بجائے جو چیز خرید رہا ہے اس میں اس کو اس کی رقم کے بقدر شریک کرلے، اس کے بعد اس کے پاس سے اس کا حصہ نفع دے کر خرید لے، مثلاً دس لاکھ کا مکان خریدنا ہے، خریدار کے پاس پانچ لاکھ کی سفید ہے، اور باقی پانچ لاکھ دوسرا آدمی سے لے رہا ہے، تو یہ مکان دونوں مشترکہ طور پر دس لاکھ میں خرید لیں، اس کے بعد اس دوسرے آدمی کا آدھا حصہ جو اس مکان میں ہے جو اس نے پانچ لاکھ میں خریدا ہے، یہ اس کے پاس سے سوا پانچ لاکھ میں خرید لے، یوں اس

دوسرے آدمی کو پانچ فیصد نفع بھی ملا اور اس کا کام بھی ہو گیا۔

③ یہ صورت بھی جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر وہ ادارہ یہ چیز (مکان یا کار) خرید کر اپنا نفع لگا کر اس کو بالاقساط بیچ دے تو سود سے بچاؤ ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اپنا حق حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا

سوال: ہوٹل کے سرکاری کام اکثر و بیشتر بغیر رشوت کے نہیں ہوتے جب کہ سرکاری عہدہ داران اکثر غیر ہوتے ہیں، اور متعصب بھی ہوتے ہیں، بغیر رشوت کے وقت پر کام نہیں ہوتا، اور بہت پریشان ہونا پڑتا ہے، ایسی مجبوری کی حالت میں رشوت دے کر کام کروانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ لا بأس بالرشوة إذا خاف علی دینه.(درمختار) (قوله إذا خاف علی دینه) عبارة المجتبیٰ لمن يخاف وفيه أيضا دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع.(شامی ۵/ ۳۰۰) البتہ یہ یاد رہے کہ یہ اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ جب کہ قانونی طور پر وہ ہمارا حق ہے، اور یہ سرکاری کارندہ ہمارے لیے اس حق کی وصولیابی میں مانع بن رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دوکان کا مال جانچنے والے کو رشوت دینا

سوال: کرانہ دوکان داروں کے پاس ہر مہینے حکومت کی طرف سے مقرر شدہ جن کو بھیڑ سیڑ والے کہا جاتا ہے (مال جانچنے والے) آتے ہیں، اور مال کو دیکھتے ہیں مال دیکھنے کے بعد انھیں کچھ روپئے مل گئے تو ٹھیک ہے ورنہ مال کو پکڑا دیتے ہیں، چاہے دوکان دار نے مال میں ملاوٹ کی ہو یا نہ کی ہو، جھوٹ سچ کر کے وہ مال پکڑا کر دوکان بند کرا دیتے ہیں کیوں کہ اوپر تک سب انہی کے آدمی ہوتے ہیں؛ اس لیے ہماری طرف ہر گاؤں میں سب دوکان دار مل کر ان کی تنخواہ کے علاوہ کچھ روپیہ مقرر کر دیتے ہیں ان کو اس طرح پیسہ دینا کیسا ہے؟ اگر ناجائز ہے تو کوئی جواز کی شکل نکل سکتی ہے یا نہیں کیوں کہ ان کو پیسہ نہ دینے کی صورت میں تجارت بند کرنی پڑتی ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

رشوت کا دینا لینا حرام ہے؛ البتہ دفع ظلم اور اپنا حق وصول کرنے کے لیے بحالت مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے، اس صورت میں فقط رشوت لینے والا گنہگار رہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/شوال ۱۴۰۷ھ

حق وراثت یا حق جائز وصول کرنے کے لیے رشوت دینا

سوال: اپنا حق وصول کرنے کے لیے رشوت دینا صحیح ہے تو حق واجب کے لیے یا حق جائز کے لیے؟ حق واجب و حق جائز کا معیار کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه.(درمختار)(قوله إذا خاف على دينه) عبارة المجتبى: لمن يخاف وفيه أيضاً دفع المال للسلطان الجائر لرفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعنى فى حق الدافع اھ (شامی۵/۲۷۲)

عبارت بالا میں ''حق'' کو کسی قید یا شرط سے مقید نہیں کیا؛ بلکہ عام رکھا ہے؛ نیز واجب اور جائز کی تقسیم تو ''من عليه الحق'' کے حق میں ہے، ''من له الحق'' کے حق میں نہیں ہے، اور رشوت ''من له الحق'' دے رہا ہے، اس کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ حق واجب اور حق جائز کی یہ تقسیم صورت مسئولہ میں مفقود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذو القعدہ ۱۴۱۸ھ

دستاویز نکالنے میں رشوت دینا

سوال: کسی آدمی کے پاس ایک زمین ہے اور اس کا دستاویز نکالنا ہے، اور اس دستاویز نکالنے کے اندر رشوت دیے بغیر کام نہیں چلتا اور وہ زمین خود ہماری ہی ہے، اور خالص اس کے دستاویز کے ہی اندر وہ رشوت طلب کرتا ہے تو کیا اس رشوت کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنا جائز حق اس کے بغیر حاصل نہ ہوتا ہو تو رشوت دینے کی اجازت ہے، لینے والا تو اس صورت میں بھی گنہ گار ہوگا۔ (شامی:۵/۳۰۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ذو الحجۃ الحرام ۱۴۰۷ھ

انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے سودی قرض لینا

سوال: ایک شخص مکان لینا چاہتا ہے، اس کی کمپنی مکان لینے کے لیے روپیے دے رہی ہے، کمپنی سے روپیے لینے کی صورت میں انکم ٹیکس بھرنا پڑتا ہے، تو وہ آدمی ٹیکس سے بچنے کے لیے بینک سے روپیے لے رہا ہے، بینک سے روپیے لینے کی شکل میں ٹیکس نہیں بھرنا پڑے گا، صرف بینک کا سود بھرے گا، تو کیا بینک سے روپیہ لے کر مکان خرید سکتا ہے؟ ٹیکس زیادہ بھرنا پڑے گا اور سود کم بھرنا پڑے گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک سے رقم سودی قرض پر لی جاتی ہے اور سود کا لینا اور دینا دونوں بہ نصِ قرآن وحدیث حرام ہے؛ اس لیے بینک سے رقم قرض لینا جائز نہیں ہے۔ انکم ٹیکس ایک قسم کا ظالمانہ ٹیکس ہے، ٹیکس ادا کر کے مظلوم بننا بہتر ہے سود ادا کر کے گنہ گار بننے کے مقابلے میں؛ اس لیے کہ مظلوم قابلِ رحم ہے، جب کہ گنہ گار موجب لعنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذی القعدہ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے حکومتی اسکیم میں شریک ہونا

سوال: اپنی آمدنی میں سے تقریباً ۴۰٪ انکم ٹیکس دینا پڑتا ہے اسی بنا پر دنیا کا ہر تاجر اپنی تجارت کی حقیقی آمدنی حکومت کے کارندوں سے چھپاتا ہے چناں چہ جتنی آمدنی وہ حکومت کے کارندوں کو بتلا کر انکم ٹیکس بھرتا ہے یہ رقم وہائٹ کہلاتی ہے اور باقی ماندہ

رقم بلیک کی کہلاتی ہے اب کسی بھی جائداد وغیرہ کی خرید یا سفر حج وغیرہ میں وہائٹ رقم ہی لگائی جاسکتی ہے ورنہ انکم ٹیکس افسروں کی ریڈ آتی ہے اور عموماً اس ظالم ٹیکس سے بچنے کے لیے تجار حضرات کے پاس بلیک کی رقم ہی زیادہ ہوتی ہے اب گورنمنٹ نے کچھ اسکیمیں نکالی ہیں جنھیں اختیار کرنے سے انکم ٹیکس عائد ہوتا ہے بہ دیں صورت تجار اپنی وہائٹ کی رقم کی مقدار زیادہ کر سکتے ہیں جو ترقی کے لیے بے حد مفید ہے اسکیم یہ ہے کہ اگر کوئی تاجر لائف انشورنس کی ممبر شپ لیتا ہے یا NSC یا BSC جیسے اداروں میں اپنی کچھ رقم فکس ڈپازٹ کے طور پر رکھ دیتا ہے تو اس کے مندرجۂ ذیل فوائد ہیں:

① وہائٹ رقم کی زیادتی۔

② ربع العشر انکم ٹیکس عائد ہوگا جیسے ۱۰۰۰۰ کی جگہ ۴۰۰۰ یا ایک ایک لاکھ کے بہ جائے ۴۰۰۰۰ یا پھر بالکل نہ بھرنا پڑے گا۔

③ BSC یا NSC میں جمع کردہ رقم پانچ سال بعد تاجر کو واپس مل جاتی ہے نیز اس پر کچھ فی صد سود کی رقم بھی ملتی ہے یاد رہے کہ NSC اور BSC یہ حکومتی ادارے ہیں نیز حکومت تجار کی اس رقم کو اپنے مفادات میں استعمال کرتی ہے اور رومنگ بھی کرتی ہے حاصل یہ کہ اس طرح کی اسکیمیں جائز ہیں یا ان میں سے کوئی اسکیم ایسی ہے جو جائز ہو اگر تاجر سود کی رقم سے بے نیاز محض مندرجۂ بالا اول الذکر اور ثانی الذکر فائدوں کو بھی مدنظر رکھے تو کیا یہ جائز ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پہلا اور دوسرا فائدہ حاصل کرنے کے لیے سوال میں مذکور اسکیموں میں حصہ

لینے کی گنجائش ہے البتہ اس سے سود حاصل کرنے کی نیت نہ ہو اور جو سود ملے اس کو بلا نیت ثواب غرباء و مساکین کو بہ طور تملیک دے دیا جائے نیز اپنے وصیت نامہ میں بھی ان چیزوں کی تصریح کردی جائے تاکہ اس کے انتقال کے بعد ورثاء بھی اس سود کو ذاتی استعمال میں نہ لائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ

ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار کرنا

سوال: حکومت کے قانون کے مطابق مالدار یا تاجر آدمی کو سیل ٹیکس یا انکم ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ حد سے زائد ہی ہوتا ہے اب اگر کوئی آدمی اس ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لیے کسی فیکٹری وغیرہ کا غلط بل چھاپ کر حکومت میں پیش کردے (حالاں کہ اس فیکٹری کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا) اور اس قسم کے بل پیش کرنے کی وجہ سے وہ حکومت کے اس ظالمانہ ٹیکس سے بچ جاتا ہے تو کیا اس طرح کرنا جائز ہے نیز پریس والے اس قسم کے بل چھاپنے کی اجرت عام اجرت سے زیادہ لیتے ہیں تو کیا پریس والوں کو ایسے بوگس بل چھاپنا اور اس پر مزید اجرت لینا (جب کہ گاہک اس اجرت کے دینے پر راضی ہے جائز ہے)؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کے ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لیے حدود شرعی میں رہتے ہوئے اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کے ساتھ کوئی تدبیر اختیار کرنا درست ہے پریس والے کو معلوم ہو کہ بوگس بل بک ہے تو اس کے چھاپنے کی اجازت نہیں پھر بھی اگر چھاپ دیا تو اس

کی اجرت جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مجبوری میں رشوت دینا

سوال: نوکری کے وقت یا دیگر سرکاری امور میں کثیر مقدار میں وہ لوگ رقم وصول کرتے ہیں، یقین رہتا ہے کہ رقم دیے بغیر کام نہیں ہوگا، تو کیا یہ "الراشي والمرتشي كلاهما في النار" کے تحت داخل ہے، جس رشوت سے حدیث پاک میں روکا گیا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ اسی طرح شدید سے شدید تر موقع پر قرض دہندہ اس شرط پر قرض دے کہ مقروض قرض خواہ کو اتنے روپے پر اتنے روپے زائد ادا کرے گا، جیسے آج بینک کی حالت ہے، جس میں اصل رقم ان کی لینے پر دینے کے وقت کچھ زائد ادا کرنا پڑتا ہے، دریں صورت ہماری شریعت مطہرہ کیا فیصلہ صادر کرتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اپنی جان یا مال پر ہونے والے ظلم کو دفع کرنے کے لیے یا اپنا حق واجبی حاصل کرنے کے لیے جو رقم دی جائے گی، وہ دینے والے کے حق میں رشوت نہیں کہلائے گی۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشو يعني في حق الدافع (شامی: ۳۰۰۵)

کوئی آدمی ایسی حالت میں ہو کہ سود پر قرض لیے بغیر جان بچانا ممکن نہ ہو تو اس کے لیے زائد رقم کی ادائیگی درست ہے؛ البتہ دینے والے کے لیے تو بہر حال حرام

ہے، اپنے کاروبار کو بڑھانے کے لیے یا تجارت کو فروغ دینے کے لیے بینک سے سودی قرض لینا جیسا کہ دورِ حاضر میں عام طور پر ہو رہا ہے، جائز نہیں؛ بلکہ حرام ہے۔

وفی القنیة والبغیة یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح.(الاشباہ والنظائر ۹۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

مختلف جائز اور ناجائز اسکیمیں

منی گروٹرس اسکیم یعنی سوال کا مہذب طریقہ

سوال: خدمتِ عالیہ میں ''منی گروٹرس'' نام کا رسالہ کتابچہ ارسال کیا ہے جو منی گوارس نام کی اسکیم کی ترجمانی کر رہا ہے، منی گوارس کا ترجمہ پیسوں کی بڑھوتری۔ اسکیم کی پوری تفصیلی معلومات وترتیب کتابچہ میں موجود ہے، اس سکیم سے فائدہ حاصل کرنے نہ کرنے کے بارے میں علماءِ دین ومفتیانِ کرام کیا فرماتے ہیں امید ہے کہ اسلام کے عمومی مزاج یسر وسہولت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں گے۔ اگر جواب مع دلائل عنایت فرمائیں تو عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو مال کے حصول کے ذرائع اور اسباب کے معاملہ میں آزاد نہیں چھوڑا، بلکہ اس سلسلہ میں بھی واضح ہدایات عطا فرما کر حصولِ مال کے بعض ذرائع کو ممنوع اور بعض کو مباح قرار دیا۔ شریعت کے منع فرمودہ طریقوں سے

حاصل شدہ مال کو حرام، اور شریعت کے مباح فرمودہ طریقوں سے حاصل شدہ مال کو حلال بتلایا ہے۔ ایک مومن و مسلم کو بحیثیت مومن اس کا پابند بنایا کہ وہ اپنی کمائی کے لیے حلال ہی کو طلب فرمائے ارشاد نبوی ﷺ ہے:

① طلب کسب الحلال فريضة بعد الفريضة. (مشکوٰۃ: ۲۴۲)

یعنی حلال کمائی کی طلب بھی ایک فریضہ ہے۔

② إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا وان الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين فقال: ﴿يأيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا﴾ وقال تعالى: ﴿ياأيها الذين اٰمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم﴾ ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يا رب يا رب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام فأنٰى يستجاب لذلك. (مشکوٰۃ: ۲۴۱)

(یعنی اللہ تعالیٰ تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے اور ایسے مال کو قبول فرماتا ہے جو (تمام عیوب شرعیہ اور اغراض فاسدہ سے) پاک ہو اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اسی بات کا حکم دیا جو رسولوں کو دیا چناں چہ فرمایا اے رسولو! حلال و پاکیزہ کھاؤ اور نیک عمل کرو اور فرمایا اے ایمان والو! ہم نے تم کو جو حلال و پاکیزہ روزی عطا فرمائی ہے وہ کھاؤ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی طویل سفر (حج یا عمرہ یا جہاد یا طلب علم میں) کرتا ہے پراگندہ حال، غبار آلود، اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے (اور کہتا ہے) اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار! حالاں کہ اس کا کھانا حرام اور پینا حرام اور لباس حرام اور حرام غذا سے وہ پلا ہے بھلا اس کی دعا

کیسے قبول ہوگی؟)۔

اس روایت میں جہاں حلال کی ترغیب وتاکید فرمائی گئی ہے وہیں یہ بھی بتلادیا گیا کہ حرام مال سے کیا ہوا صدقہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہے۔

لا یکسب عبد مال حرام فیتصدق منه فیقبل منه ولا ینفق منه فیبارك له فیه ولا یترکه خلف ظهره إلا كان زاده إلی النار.(مشکوٰۃ: ۲۴۲)

یعنی کوئی بندہ مال حرام کما کر صدقہ کرتا ہے تو وہ قبول نہیں ہوتا اور اس میں سے خرچ کرتا ہے تو برکت نہیں ہوتی اور اپنے پیچھے (وراثت) چھوڑ کر جاتا ہے تو اس کے لیے جہنم کا توشہ بنتا ہے)۔

حرام مال سے پلا ہوا جسم جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ وہ جہنم کا حق دار ہے۔

لا یدخل الجنة جسد غذی بالحرام(مشکوٰۃ: ۲۴۳)لا یدخل الجنة لحم نبت من السحت وکل لحم نبت من السحت كانت النار أولی به.(مشکوٰۃ: ۲۴۲)

حرام پیسوں سے خرید کر تیار کیا ہوا لباس جب تک جسم پر ہے اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔

من اشتریٰ ثوبابالعشرة دراهم وفیه درهم حرام لم یقبل الله تعالیٰ له صلوٰة مادام علیه.(۲۴۳)

تحصیل مال کے جن طریقوں کو شریعت میں حرام قرار دیا گیا ان میں سے ایک سوال بھی ہے۔

قال دعاني رسول الله وهو یشترط عليّ أن لا تسأل الناس شیئا، قلت: نعم.(مشکوٰۃ:۱۶۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

(بیعت کے لیے) بلایا اور آپ نے مجھ پر یہ شرط عائد فرمائی کہ لوگوں سے کچھ بھی نہ مانگ، میں نے اس کو قبول کیا۔

② من أصابته فاقة فأنزلها بالناس لم تسد فاقته ومن أنزلها الله أوشك الله له بالغنى الخ(۱۶۳) یعنی جس کو فاقہ پہنچا اور اس نے اپنا فاقہ لوگوں کے سامنے پیش کیا تو اس کا فاقہ بند نہ ہوگا اور جو اپنے فاقہ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جلدی سے غنا سے نوازتا ہے۔

③مایزال الرجل یسأل الناس حتی یأتی یوم القیامة لیس فی وجهه مزعة لحم(۱۶۲) یعنی آدمی لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز ایسے حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی یعنی چہرہ کی رونق ختم ہو چکی ہوگی۔

④عن قبیصة بن مخارق قال: تحملت حمالة فأتیت رسول الله ﷺ أسئله فیها فقال: أقم حتی تأتینا الصدقة فنأمر لك بها ثم قال: یاقبیصة ان المسئلة لا تحل إلا لأحد ثلاثة .... فما سواهن من المسئلة یاقبیصة سحت یأكلها صاحبها سحتا(۱۶۲) یعنی حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بوجھ (تاوان وغیرہ) کا اپنے ذمہ رکھ لیا، اس سلسلہ میں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدد چاہنے کے لیے حاضر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جاؤ کہیں سے صدقہ کا مال آجائے گا تو میں مدد کروں گا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قبیصہ سوال صرف تین آدمیوں کے لیے جائز ہے، ایک وہ شخص ہے جس نے کوئی بوجھ ضمان وغیرہ کا اپنے ذمہ رکھ لیا ہو اس کو جائز ہے کہ اتنی مقدار کا سوال کر لے

اور پھر رک جائے اس سے زیادہ کے سوال کا حق نہیں۔ دوسرا وہ شخص جس کو کوئی حادثہ پہنچ جائے جس سے سارا مال ہلاک ہو جائے (مثلاً آگ لگ جائے وغیرہ) تو اس کو جائز ہے کہ اتنی مقدار کا سوال کرلے جس سے زندگی کا سہارا ہو سکے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس کو فاقہ گزرنے لگے حتی کہ تین آدمی اس کی قوم کے کہنے لگیں کہ اس کو فاقہ ہونے لگا تو اس کو بھی اتنی مقدار سوال کرلینا جائز ہے جس سے زندگی کا سہارا ہو جائے۔ ان تین کے علاوہ جو شخص سوال کرتا ہے وہ حرام مال کھاتا ہے۔

⑤ من سأل الناس أموالهم تكثرا فإنما يسئل جمرا فليستقل أو ليستكثر (١٦٢) جو شخص لوگوں سے اس لیے سوال کرتا ہے کہ اپنے مال میں زیادتی کرے وہ جہنم کے انگارے مانگ رہا ہے جس کا دل چاہے تھوڑے مانگ لے یا زیادہ مانگ لے۔

⑥ لأن يأخذ أحدكم حبله فيأتي بحُزْمة حطب على ظهره فيبيعها فيكف بها وجهه خير له من أن يسأل الناس اعطوه أو منعوه۔ (١٦٢) یعنی کوئی آدمی رسا لے کر لکڑیوں کا گٹھڑا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے اور اس کو بیچ کر اپنی عزت کی حفاظت کرے (یعنی لوگوں سے سوال کرنے سے اپنے کو بچائے) یہ اس کے لیے اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ لوگوں سے سوال کرے (پھر ان کی مرضی کی بات ہے چاہیں) اس کو دیں یا نہ دیں۔

⑦ فما جاءك من هذا المال وأنت غير مشرف ولا سائل فخذه وما لا فلاتتبعه نفسك (١٦٢) یعنی جب کوئی مال اس طرح آئے کہ نہ اس کا سوال کیا جائے نہ اس میں اشراف نفس ہو تو اس کو لے لو اور جو ایسا نہ ہو اس کے حصول میں

اپنی جان کو مت تھکاؤ۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ اشرافِ نفس کیا چیز ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ تو اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ یہ شخص مجھے کچھ دے گا، فلاں شخص مجھے کچھ بھیجے گا، اشراف کے اصل معنی جھانکنے کے ہیں، اشرافِ نفس یہ ہے کہ نفس اس کو جھانک رہا ہو اس کی تاک میں لگا ہوا ہو، جیسا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دل میں یہ خیال ہو کہ یہ مجھے کچھ عطا کرے گا۔

تفصیل بالا ذہن نشین ہونے کے بعد آپ نے ''منی گروٹرس'' کی جس اسکیم کے متعلق دریافت فرمایا ہے اس کی حقیقت بھی صاف ہو جاتی ہے اس پوری اسکیم کی بنیاد سوال پر ہے، یوں سمجھیے کہ سوال کے لیے ایک مہذب طریقہ گھڑ لیا گیا ہے، اگر چہ تعارفی کتابچہ میں اس کو ہدیہ کے لین دین سے تعبیر کیا گیا ہے؛ لیکن یہ محض ایک فریب ہے، بالفرض اس کو ہدیہ تسلیم بھی کر لیں تو شریعت نے اس ہدیہ کی بھی اجازت نہیں دی جس میں سوال اور اشراف ہو۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۷) نیز ہدیہ میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہدیہ دینے والا حرام مال میں سے تو ہدیہ نہیں دے رہا ہے؟ مسئولہ اسکیم میں یہ کون دیکھتا ہے؟ شریعت نے حرام مال سے دیے جانے والے ہدیہ کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، کتب فقہ وفتاویٰ میں اس کی صراحت موجود ہے، مسلمانوں کو چاہیے (خصوصاً اہل علم کو) کہ ایسے فریب کا شکار نہ ہوں آدمی مال کی لالچ میں ایسی اسکیموں کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو اس سے ڈرایا ہے: يأتي على الناس

زمان لا یبالی المرأ ماأخذ منه أ من الحلال أم من الحرام(۲٤۱) لوگوں پر ایسا وقت آنے والا ہے کہ آدمی جو لے رہا ہے اس میں اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ حلال سے ہے یا حرام سے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

آپسی تعاون کی سوسائٹی (اسکیم)

سوال: ہمارے علاقے پالن پور کے اکثر دیہات وقصبوں اور شہروں میں؛ نیز بمبئی میں بلا سودی قرض سے امداد کی مختلف شکلیں رائج ہیں، ان شکلوں کو ہمارے عرف میں سوسائٹیاں کہا جاتا ہے، ان سوسائٹیوں کو جاری کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو بلا سودی قرض ملتا ہے، جس کی ادائیگی بھی آسان ہے، جس کے سبب سے لوگ بینکوں سے سودی معاملات سے اجتناب کریں، اس کے بہت زیادہ مفید ہونے کی بناء پر کثرت سے رائج ہیں؛ چناں چہ جن کا نام قرعہ اندازی میں پہلے نکلتا ہے، تو وہ رقم لے کر کسی کاروبار میں ڈالتا ہے، جن کی بناء پر ان کی اقتصادی حالت بہتر ہوتی ہے، اور جن کا قرعہ تاخیر سے نکلتا ہے، ان کی اتنی رقم آسانی سے جمع ہو جاتی ہے۔

اس کی ایک صورت یہ رائج ہے کہ ایک متحرک شخص ننانوے اشخاص کو اس کے لیے آمادہ کرتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک شخص ہر ماہ کی کسی متعین مثلاً ۱۵/ تاریخ میں اس متحرک آدمی کے پاس پانچ پانچ سو روپئے جمع کریں اور خود وہ متحرک آدمی بھی اس میں اپنے پانچ سو روپئے جمع کرے، جس سے خود اس متحرک آدمی سمیت سب ممبروں

کی مجموعی رقم پچاس ہزار روپئے جمع ہوگئی، اس طرح ہر ماہ اتنی اتنی رقم جمع ہوتی رہے گی۔

پہلے ماہ میں جمع شدہ رقم اس متحرک ذمہ دار شخص کو بلا قرعہ اندازی قرض دینا شرط ہوتا ہے، تمام ممبران خوشی ورضامندی سے اس ذمہ دار کو یہ رقم بطورِ قرض دیتے ہیں، پھر دوسرے ماہ کی جمع شدہ رقم جب اسی متعین تاریخ میں جمع ہوجاتی ہے، تو ایک دن کے بعد مثلاً ۱۷/ تاریخ کو وہ متحرک شخص ننانوے ممبران کے ناموں کے درمیان قرعہ اندازی کرتا ہے اور جس کا نام قرعہ اندازی میں نکلتا ہے، اس کو یہ پچاس ہزار کی رقم دے دیتا ہے، اسی طرح ہر ماہ ہر ممبر خواہ اس کا قرعہ نکلا ہو یا نہ نکلا ہو، رقم جمع کرتا ہے اور اسی طرح قرعہ اندازی ہوتی رہتی ہے، جس کا قرعہ نکل جاتا ہے اس کا نام دوبارہ قرعہ اندازی میں شامل نہیں ہوتا، یہ سلسلہ آٹھ سال اور چار ماہ تک چلتا رہتا ہے، اس مدت میں سب ممبران کو پچاس ہزار رقم مل جاتی ہے، اس میں رقم جمع کرنے میں معین تاریخ پر تاخیر کرنے پر کچھ جرمانہ بھی شرط ہوتا ہے، جن کا قرعہ ابھی تک نہیں نکلا ہے، ان سے بھی فی یوم تاخیر کرنے پر دس روپئے، اور جن کا قرعہ نکل چکا ہے ان سے فی یوم تاخیر پر پچاس روپئے بطورِ جرمانہ وصول کئے جاتے ہیں، یہ جرمانہ کی رقم یہ متحرک ذمہ دار شخص اپنے ذاتی تصرف واستعمال میں لاتا ہے، پھر سوسائٹی کی مدت ختم ہونے پر وہ رقم اس ممبر کو واپس کر دیتا ہے۔

(۱) اس مذکورہ بالا شکل رائج میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلے ماہ کی جمع شدہ رقم تمام ممبران بغیر قرعہ اندازی کے رضامندی سے اس ذمہ دار شخص کو دے دیتے ہیں، اس لیے کہ یہی ذمہ دار شخص تمام امور کا، مثلاً: ہر ممبر سے معین تاریخ میں وصول کرنے، قرعہ اندازی کرنے اور جس کا قرعہ نکلے، اس کو رقم دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے،

اور یہ بات یقینی ہے کہ اگر اس کو پہلے ماہ کی جمع شدہ رقم بلا قرعہ اندازی نہ دیں؛ بلکہ اس کو بھی قرعہ کی ترتیب سے دیں، تو وہ ہرگز بلا اجرت اس سوسائٹی کو چلانے کے لیے جس کی مدت بھی آٹھ سال، چار ماہ ہے، تیار نہ ہوگا، تو کیا یہ شکل "کل قرض جر نفعا فھو ربوا" میں داخل ہو کر نا جائز وحرام ہوگی؟ یا داخل نہیں اور جائز ہے؟

(۲) اگر یہ شکل وصورت جائز ہے تو جو رقم بطورِ جرمانہ وصول کی جاتی ہے، اس کو وصول کرنا، اور روکے رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ وصول کرنا جائز ہے، تو اس رقم کا ممبران کی رضامندی سے ذمہ دار شخص کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ جرمانہ کے طور پر وصول کردہ رقم اپنے پاس محفوظ رکھیں، تو کیا حکم ہے؟

(۳) سوسائٹی کی مذکورہ بالا صورت اگر "کل قرض جر نفعا فھو ربوا" میں داخل ہو کر یا کسی اور شرعی قباحت کے سبب نا جائز ہے، تو اس ذمہ دار شخص کو بجائے پہلے ماہ کی جمع شدہ رقم بلا قرعہ دینے کے ممبران کی طرح اس کو بھی قرعہ کی ترتیب میں شامل رکھ کر سوسائٹی بنانے کے لیے اگر یہ شکل اختیار کی جائے کہ تمام ممبران اس ذمہ دار شخص کو آٹھ سال، چار ماہ تک سوسائٹی چلانے اور ذمہ داری سنبھالنے کے عوض میں ماہانہ ایک روپیہ بطورِ اجرت کے دیں، تو ہر ماہ ننانوے روپئے اس کو اجرت کے طور پر ملتے رہیں گے، اور وہ سوسائٹی چلاتا رہے گا تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ آپسی تعاون کی ایک ایسی صورت ہے، جس میں سود یا قمار لازم نہیں آتا ہے؛ بلکہ پہلے مہینہ میں تو یہ خالص اقراض ہے کہ بقیہ ننانوے ممبران متحرک شخص کو پانچ پانچ سو روپئے قرض دیتے ہیں، اس کے بعد والے مہینوں میں بعض (یعنی جو قرض لے چکے

ہیں وہ) ممبر تو جس کا نام قرعہ میں نکل رہا ہے اس کو ادا کر رہے ہیں، اور وہ جس کا نام قرعہ میں نکل رہا ہے وہ اس سے تو اپنا قرض وصول کر رہا ہے، اور جن کا اب تک نہیں نکلا ان سے قرض لے رہا ہے، اور آخری مہینہ میں تمام ننانوے ممبران اس کو جو آخر میں بچ گیا ہے، قرض ادا کر رہے ہیں؛ البتہ اس سوسائٹی کے قانون میں ایک بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ اب تک جس کا نام قرعہ میں نہیں نکلا ہے، وہ اس سے الگ ہونا چاہے، اور اس کی علیحدگی کے وقت تک جن لوگوں کو قرض مل چکا ہے ان سے اپنا حساب کتاب وصول کرنا چاہے، تو اس کا اس کو اختیار رہنا چاہیے، اگر آپ یہ اختیار اس کو نہیں دیں گے؛ بلکہ آخر تک سوسائٹی سے منسلک رہنا اس پر لازم قرار دیں گے، تو قرض میں تاجیل لازم آئے گی جو درست نہیں ہے۔ ''التأجيل في القرض باطل'' (شامی ٤/١٨٩)

① پہلے ماہ کی جمع شدہ رقم بطورِ قرض ذمہ دار آدمی کے حوالہ کر دینا ''کل قرض جر نفعا'' میں اس لیے داخل نہیں ہے کہ اس وقت اس نے جو وصولیابی کی، وہ سب اپنے لیے کی ہے، کوئی آدمی کسی سے قرض لینا چاہتا ہے، تو اس کے پاس آمد و رفت اور اس سے رقم کی وصولیابی وغیرہ کی زحمت برداشت کرتا ہی ہے؛ نیز قرعہ اندازی سے کسی کا حق ثابت نہیں ہوتا، اصل تو یہ ہے کہ رقم دینے والے تمام حضرات متفق ہو کر جس کے متعلق کہہ دیں کہ فلاں کو رقم قرض دی جائے، اس کو وہ رقم مل سکتی ہے، اب ذمہ دار آدمی کے متعلق (اس کی قربانی کے پیش نظر) تمام حضرات نے برضاء و رغبت اجازت دے دی ہے؛ جب کہ دیگر تمام حضرات اس حیثیت سے یکساں درجہ میں ہیں، اس لیے ان میں سے کسی کو متعین کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی صورت اختیار کی گئی ہے؛ تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔

② مالی جرمانہ درست نہیں ہے۔ لا بأخذ مال في المذهب. (در مختار مع الشامي ۳ /۱۹۵) البتہ اس زائد رقم کی ادائیگی لازم نہ رکھی جائے؛ بلکہ تاخیر والی صورت میں برضاء ورغبت وہ تاخیر کرنے والا زائد رقم دیتا ہو، تو اس کا رکھ لینا درست ہے، اس کے بعد اس کو محفوظ رکھے یا مالک کی اجازتِ مستقلہ کے بعد استعمال کرے۔

③ اس کے لیے الگ اجرت کے طور پر ہر ممبر ایک روپیہ دینا چاہے، تو دے سکتا ہے؛ البتہ جس مہینہ میں خود اس کے نام کا قرعہ نکلا ہو، اس مہینہ میں وہ رقم نہ دی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ / ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

ساگوان کی کاشت پر مشتمل ایک اسکیم

سوال: شہر گجرات میں یہ اسکیم جاری ہے کہ ساگوان کی ایک کمپنی ہم سے ساڑھے آٹھ سو روپئے لے کر ساگوان کی کاشت کرتی ہے، اور پھر پندرہ سال بعد ساگوان کی فصل تیار ہو کر فروخت ہونے کے بعد- خواہ انھیں اس کاشت سے نفع ہو یا نقصان- ہمیں ایک لاکھ دس ہزار دے گی۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا اس اسکیم میں شرکت اور روپئے لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس اسکیم کی تمام تفصیلات جو ہمارے علم میں ہیں، اس کے پیشِ نظر اس میں شرکت یا روپئے لگانا جائز نہیں ہے، نہ یہ معاملہ بطور مزارعت درست ہے، نہ بطور بیع وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

’’بیسی‘‘ اسکیم کا ناجائز طریقہ

سوال: ایک شخص نے بیسی جمع کرنے کا کھاتہ کھولا اور اس کے پاس جمع کرنے والے بیس تیس اس سے بھی زیادہ یا اس سے بھی کم ممبر ہیں، اور کوئی بیسی ہفتہ کی ہوتی ہے اور کوئی مہینہ کی اور کوئی بیسی روز کی ہوتی ہے، اور اس کی شکل یہ ہے (مثلاً) زید نے بیسی جمع کرنے کی ذمہ داری لی، اور زید کے پاس عمرو بکر، فلاں، فلاں، فلاں تیس افراد نے تین ہزار روپۓ مہینہ کی بیسی اور روزانہ سو روپۓ جمع کرتا ہے اور اس جمع کرنے کی محنت ۳۰/ روپۓ یا ۳۵/ روپۓ لیتا ہے، اور روزانہ تیس آدمی سے دن بھر سو سو روپۓ جمع کر لیتا ہے تو زید کے پاس ۳/ ہزار روپۓ جمع ہو جاتے ہیں، اور زید ایک وقت مقرر اور ایک جگہ متعین کرتا ہے، اور اس وقت اور مقررہ جگہ پر سب جمع ہوتے ہیں، اور جن کو ضرورت ہوتی ہے پیسوں کی پہلے اٹھانے کی تو وہ بھی جمع ہوتے ہیں، اور زید پیسوں کی ہراسی پکارتا ہے، ایک روپیہ سے پکارنا شروع کرتا ہے اور ایک سو، دو سو، تین سو تک پکارا تو کسی نے کہا منظور ہے، تو زید تین ہزار میں سے اپنی مقررہ رقم نکال لیتا ہے، مثلاً سو روپۓ کے پیچھے پانچ روپۓ، تو تین ہزار روپۓ سے ۱۵۰/ روپۓ کاٹ کر دو ہزار آٹھ سو پچاس روپۓ میں سے دو ہزار پانچ سو پچاس روپۓ منظوری کرنے والے کو دیتا ہے، اور وہ تین سو روپۓ تیس ممبران کو دیتا ہے یا پھر آئندہ کل سو سو روپۓ کے مہینے کے بجائے نوے نوے لیتا ہے، اور ایسا ہی معاملہ مہینہ بھر بیسی ختم ہونے تک ہوتا ہے، پھر نیا معاملہ شروع کرتے ہیں تو اب آپ سے عرض یہ ہے کہ زید کا ایسے رقم جمع کرنا اور اجرت لینا اور ہراسی پکارنا اور عمرو بکر کا اپنی اپنی تیس ہزار کی رقم

میں سے اتنا اتنا پیسہ کم ہونا اور دوسرے ممبران کو اتنی اتنی رقم کا اضافہ ہونا، کیا ایسا کرنا سود میں بیاج میں داخل ہو کر حرام ہوگا یا کہاں تک صحیح اور درست ہے؟ وضاحت فرما کر قرآن وحدیث کے مطابق جواب دیں، اور ایسی حرکت میں اکثر مسلمان مبتلا ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک ناجائز اسکیم

سوال: ایک فرد مارکیٹ میں یہ اسکیم رائج کرتا ہے کہ اتنی متعینہ رقم بھرنے والے کو یہ چیز ملے گی، اس میں شامل ہونے والے افراد یومیہ رقم بھرتے رہتے ہیں، ایک ماہ کے بعد شامل افراد کے نام پر قرعہ اندازی کی جاتی ہے، جس (ایک) فرد کے نام قرعہ نکلے اس کو وہ متعینہ چیز دیدی جاتی ہے (حالاں کہ اس نے اس چیز کی قیمت کے برابر رقم ادا نہیں کی ہوتی ہے) باقی شامل افراد اسی طرح بدستور رقم بھرتے رہتے ہیں، جس جس فرد کے نام ایک ایک ماہ کے بعد قرعہ نکلتا ہے قرعہ کے بعد ان کو وہ چیز دیدی جاتی ہے، اس کے بعد وہ آئندہ اقساط بھرنے کا مکلف نہیں ہوتا ہے: (مثلاً) ایک فریج کی قیمت ۱۶۲۰۰/ سولہ ہزار دوسو روپیہ ہیں، اسکیم میں شامل افراد (۶۵) ہر روز ۳۰/ روپیہ کے حساب سے جمع کرتے ہیں اس طرح ہر فرد ماہانہ ۹۰۰/ جمع کراتا ہے، ماہ مکمل ہونے کے بعد ان (۶۵) افراد کے نام قرعہ ڈالا جاتا ہے، جس کے نام قرعہ نکلے گا اس کو ایک فریج جس کی قیمت ۱۶۲۰۰/ روپئے ہوتی ہے دے دیا جاتا

ہے، اس کے بعد قرعہ والا فرد رقم بھرنی بند کر دیتا ہے، (۶۴) افراد متعینہ رقم ۳۰۰/ روپیہ بھرتے رہتے ہیں، اسی طرح ہر ہر ماہ کے بعد کسی نہ کسی کے نام قرعہ نکلتا رہتا ہے، اٹھارہ ماہ مکمل ہونے کے بعد تمام مابقی افراد کو ایک ایک فریج دے دیا جاتا ہے، جس کی قیمت اٹھارہ ماہ میں سولہ ہزار دو سو روپئے ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جو شخص صرف ایک ماہ کے اقساط بھرنے کے بعد قرعہ اندازی کے ذریعہ اس چیز (مثلاً فریج) کا مالک بن جاتا ہے، کیا اس کے لیے یہ لینا جائز ہے؟ یہ قمار یا سود میں تو داخل نہیں؟ اس میں رقم اس امید پر جمع کی جاتی ہے کہ اگر قرعہ نکلے تو کم قیمت میں زیادہ نفع ہوگا، نہیں نکلا تو بھی حرج نہیں؛ کیوں کہ اپنی رقم تو محفوظ ہے، اسکیم بنانے والے کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ آخر میں یہ چیز (مثلاً فریج) ہول سیل میں خرید کرتا ہے، اور اسکیم میں شامل افراد کو مارکیٹ بھاؤ میں دے دیتا ہے، جس کی قیمت پہلے سے متعین کی گئی ہوتی ہے، گذارش یہ ہے کہ اس اسکیم کے تمام پہلوؤں پر غور فرما کر تفصیلی جواب عنایت فرمائیں، گذارش یہ ہے کہ دلائل ضرور درج فرمائیں، اگر یہ قمار یا سود ہے تو کہئے، امید کہ تفصیلی جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقلی طور پر بیع کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں:

① ثمن اور مبیع دونوں معجّل ہوں، عموماً یہی بیع زیادہ مروج ہے۔

② ثمن مؤجل ہو اور مبیع معجّل ہو۔

③ ثمن معجّل ہو اور مبیع مؤجل ہو۔

④ ثمن اور مبیع دونوں مؤجل ہوں۔

ان میں سے پہلی تین قسمیں مخصوص شرائط اور قیود کے ساتھ درست ہیں، آخری اور چوتھی قسم شرعاً جائز نہیں۔ نهى رسول الله ﷺ عن بيع الكالى بالكالى۔

سوال میں جس اسکیم کا تذکرہ ہے وہ پہلی اور دوسری قسم میں تو کسی حال میں داخل نہیں ہوسکتی، بیع کی تیسری قسم جس میں ثمن معجّل اور مبیع مؤجل ہو، اس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''بیع سلم'' کہا جاتا ہے، بیع سلم کو فقہاء نے چند شرائط اور قیود کے ساتھ درست قرار دیا ہے، انہی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ رأس المال یعنی ثمن پر مجلس عقد ہی میں مسلم الیہ یعنی بائع کا قبضہ کرا دیا جائے۔

بدائع الصنائع میں ہے: ومنها: أن يكون مقبوضاً في مجلس السلم؛ لأن المسلم فيه دين والافتراق لا عن قبض رأس المال يكون افتراقاً عن دين بدين وأنه ينهى عنه لما روى أن رسول الله ﷺ نهى عن البيع الكالي بالكالي أي النسيئة بالنسيئة. (۵/۲۰۲)

صورت مسئولہ میں مجلس عقد میں ثمن پر بائع کا قبضہ نہیں ہوتا؛ بلکہ پورا ثمن اٹھارہ ماہ میں جا کر ادا ہوتا ہے؛ نیز اس میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ ہر ماہ کی قرعہ اندازی میں جس کا نام نکلتا ہے اس کو مبیع دے کر اسکیم سے خارج کر دیا جاتا ہے، گویا اس کو تو اتنی ہی رقم میں جو اس نے اب تک ادا کی مبیع دے دی گئی، اور چوں کہ قرعہ سے پہلے یہ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے اس لیے اس کے حق میں ثمن مجہول ٹھہرا، اور وہ آدمی بوقت عقد مجہول ہی ہے، اور اس سے عقد میں فساد آتا ہے، یہ تاویل بھی ممکن نہیں کہ اٹھارہ ماہ پورے ہونے پر عقد یعنی ایجاب وقبول فرض کریں؛ اس لیے کہ وہاں تک اس جمع ہونے والی رقم کو بائع کے پاس امانت سمجھیں تو بائع کے لیے اس میں تصرف کرنا جائز

نہیں ہے؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہوتا، اور اگر قرض سمجھیں تو "کل قرض جر نفعا" الخ میں داخل ہو کر ممنوع ٹھہرتا ہے۔ فتأمل وتیقظ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/شوال ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرض کی ایک اسکیم

سوال: دس آدمی مل کر یہ طے کرتے ہیں کہ روزانہ ہم دس دس روپیہ جمع کریں گے، اور مہینہ ختم ہونے کے بعد رقعہ ڈالیں گے اور جس کا نام نکلے گا وہ ان تمام رقوم کو لے لے گا، اور پھر اس کے بعد آئندہ مہینہ ۹/ آدمی کا رقعہ ڈالیں گے، اس میں دسواں آدمی شامل نہیں ہوگا؛ لیکن وہ روزانہ کی رقم برابر ادا کرتا رہے گا، اسی طرح آخر تک، تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تحریر کردہ صورت درست ہے؛ لیکن اس کو لازم نہ قرار دیا جائے، اگر کوئی ان میں سے الگ ہونا چاہے الگ ہوسکتا ہے، جس وقت وہ الگ ہو اور اپنی دی ہوئی رقم کا مطالبہ کرے، لینے والوں کے لیے اس کی ادائیگی ضروری ہوگی، اور اگر وہ خود لے چکا ہے تو جن جن کی لی ہے ادا کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک سودی اسکیم

سوال: حکومت نے ایک اسکیم بنائی ہے، جس میں ایک ہزار روپیہ جمع کرو تو وہ

پانچ سال کے بعد دو ہزار روپیہ دے گی، یہ زائد ایک ہزار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ زائد ایک ہزار کی رقم خالص سود ہے، جو حرام ہے؛ لقولہ تعالیٰ: ﴿وحرم الربوا﴾۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود اور جوا پر مشتمل ایک اسکیم

سوال: ہمارے یہاں ایک شخص نے ایک اسکیم شروع کی ہے، جس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ ایک شخص نے سو ممبران منتخب کئے جو دو ہزار روپئے ماہانہ جمع کرتے ہیں، اس طرح سامنے والے شخص کے پاس دو لاکھ روپئے جمع ہو جاتے ہیں، اب وہ شخص سو ممبروں کے درمیان قرعہ اندازی کے ذریعہ ایک نام چنتا ہے، اور جس شخص کا نام قرعہ میں آتا ہے اس کو ایک گاڑی دیتا ہے جس کی قیمت تقریباً چالیس ہزار روپئے ہے، اسی طرح ہر ماہ قرعہ اندازی ہوتی رہتی ہے اور قرعہ میں نام آنے والے ممبر کو ایک گاڑی دی جاتی ہے، یہ سلسلہ بیس ماہ تک چلتا ہے، اس کے بعد جو اسی ممبران رہ جاتے ہیں ان کو بھی ایک ایک گاڑی دیتا ہے۔

نوٹ: واضح رہے کہ جس شخص کا نام قرعہ میں نکل آتا ہے، اس کو پھر قسط جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، نیز یہ بھی واضح رہے کہ اس اسکیم میں تمام ممبران میں سے کسی بھی ممبر کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہیں ہوتا: بلکہ اس کی جمع رقم کے بدلہ گاڑی ملتی ہے اور گاڑی نہ لینے کی صورت میں رقم واپس کی جاتی ہے، لیکن ایک ہزار

روپئے کاٹ کر۔ یہ بھی واضح رہے کہ سامنے والا شخص اس اسکیم کے تحت جمع رقم سے بہت کچھ کما سکتا ہے اور کما بھی رہا ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح کی اسکیم میں حصہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ اسکیم سود اور جوا کی ایک شکل ہے، اس میں حصہ لینا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس اسکیم کی بنیادی شرط یہ ہے کہ قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آیا اس سے بقیہ اقساط نہیں لی جائیں گی اور نام نکلنے پر اسے چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) کے رقم کی گاڑی دی جائے گی، دوسری جانب یہ کہ رقم جمع کرانے کا مقصد اس سے زیادہ رقم کی شئی حاصل کرنا ہوتا ہے اور اسکیم نکالنے والے کی تحریک بھی یہی ہوتی ہے کہ ہر ممبر قرعہ اندازی میں حصہ لے کر نام نکلنے پر زائد رقم ادا کرے، اسی وجہ سے اس میں سود اور جوا دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں جو کہ حرام ہیں؛ نیز ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ اگر گاڑی نہ لینا چاہے تو اس صورت میں اس کو جمع شدہ رقم ایک ہزار کی کمی کے ساتھ واپس کی جائے گی یہ بھی ناجائز ہے، جب کہ شرعی رو سے اس کو تمام جمع شدہ رقم واپس دی جانی چاہیے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/ ۲۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ڈیٹا سرکیولیشن کلب کا طریقۂ کار اور اسکیم کا حکم

سوال: ڈیٹا سرکیولیشن کلب کے نام سے ایک تنظیم ہے جہاں سے مفت فارم ملتے ہیں، ایک آدمی پانچ سو روپئے جمع کر کے کھاتہ کھولتا ہے، اس کو مزید تین فارم

ملتے ہیں، اب اگر اس نے محنت کر کے مزید تین ممبر بنا لیے تو اپنے پانچ سو روپئے لے کر اپنے پاس رکھے اور ہزار روپئے کمیٹی کو بھیج دے، وہ تین پھر مزید تین تین ممبر بنائیں الی غیر نہایہ، اب آگے جتنے ممبر بنیں گے اس پہلے والے کا مرتبہ بڑھتا جائے گا، اور سو سو روپئے اس کو گھر بیٹھے ملتے رہیں گے، جب دس نمبر تک پہنچ جائے گا تو اس کو ۲۹۵۲۳۰۰ روپئے ملیں گے، اور جس نے تین ممبر نہ بنائے اس کا پانچ سو روپیہ ختم، شرعی اعتبار سے کیا حکم ہے؟ اگر حرام ہے تو علت تحریر فرمائیں۔

نوٹ: کلب کا کوئی نقصان نہیں چاہے ممبر بنے یا نہ بنے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ طریقہ صریح حرام اور ناجائز ہے، باری تعالی کا ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ (النساء:۲۹) کلب جو پانچ سو روپیہ وصول کرتی ہے اس کے معاوضہ میں روپیہ دینے والے کو کیا دیتی ہے؟ لوگوں کے مال کو ہڑپ کرنے کا یہ بھی ایک مہذب طریقہ ہے، انسان کی فطرت میں حرص کا جو مادہ قدرت نے رکھا ہے اس سے فائدہ اٹھا کر دھوکہ سے مال حاصل کرنے کا سلسلہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، سائنسی ترقی کے اس دور میں اس کی شکلیں بھی ایسی اختیار کی جانے لگیں کہ اول وہلہ میں آدمی کا ذہن اس طرف نہ جاسکے، آپ بھی اس پر غور کریں گے تو اس کی برائی خود بخود واضح ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تجارت کو فروغ دینے کی ایک ناجائز اسکیم

سوال: ایک شخص اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے یہ صورت اختیار کرتا ہے، کہ ایک گھڑی کی قیمت سو روپیے ہے اور بازار میں بھی اسی قیمت پر ملتی ہے، اس کے واسطے پچاس ممبر بنائے گئے، دس دس روپے کی یہ اسکیم دس مہینہ چلائی جائے گی، پہلے مہینہ میں جس شخص کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا اس کو دس روپے میں گھڑی دے کر اس کا نام ممبری سے خارج کر دیا جائے گا، اسی طرح نو ماہ تک جس کا نام آتا جائے گا اس کو گھڑی دے کر اس کا نام ممبری سے خارج کیا جاتا رہے گا، اور اس سے روپیے نہیں لیے جائیں گے، دسویں مہینہ اکتالیس اشخاص جو بچے ان کو ایک ایک گھڑی دے کر اسکیم ختم کر دی جائے گی، اس صورت میں کسی کو دس روپیے میں کسی کو بیس روپے میں اور کسی کو چالیس روپے میں یہاں تک کہ کسی کو سو روپے میں گھڑی ملے گی؛ لیکن قرعہ اندازی ضروری ہوگی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا شرعاً یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ برائے کرم مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں بیع صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ مجلسِ عقد میں ثمن کی تعیین نہیں ہو پاتی۔ وجهالة الثمن تمنع صحة البيع. (بدائع الصنائع)

اسی لیے کوئی آدمی اس طرح کوئی چیز فروخت کرتا ہے کہ نقد لو تو اتنی قیمت اور ادھار لو تو اتنی قیمت یا ایک مہینہ کے وعدہ پر لو تو اتنی قیمت اور دو مہینہ کے وعدہ پر لو تو اتنی قیمت تو یہ بیع ناجائز ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ۳/۱۳۶)

البتہ اگر مجلس ہی میں یہ متعین ہوجائے کہ فلاں طریقہ پر لیتا ہوں اور متعاقدین اس پر راضی ہوجائیں تو جائز ہوگی۔

فإذا علم ورضي له جاز البيع لأن المانع من الجواز هو الجهالة عند العقد وقد زالت في المجلس.(بدائع الصنائع۵/ ۱۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چند سودی سرکاری اسکیمیں

سوال: محترم آج کل مسئلۂ سودخوری اپنی جگہ قابلِ غور و بحث کا موضوع ہے، اور فقہائے امت کا اس میں اختلاف ہے، (دیوبند کا ایک دینی ادارہ ہندوستان کو دارالحرب مانتا ہے، اور ہر طرح کے سود اور بینک کے ذریعہ سرمایہ کاری کی اجازت دیتا ہے، وہ فتویٰ میرے پاس ہے) پھر بھی دل و دماغ اس کو تسلیم نہیں کرتے، دنیادار مسلمانوں کے لیے آج کل سود کوئی مسئلہ نہیں؛ کیوں کہ وہ یہ خیال رکھتے ہیں کہ:

(۱) موجودہ سودی نظام یا سود وہ نہیں جو ۱۴۰۰ رسال قبل سود کا لین دین ہوا کرتا تھا، یہ لوگ اس کو معاوضہ سمجھتے ہیں۔

(۲) دنیا کا کوئی ملک یا بینک سود کے بغیر کام نہیں کر سکتے۔

(۳) دنیا کے سبھی مسلم ممالک کے بینکوں میں بھی سود کے ذریعے ہی کام ہو رہا ہے، چاہے وہ آپ کو کوئی بھی شکل دیں۔ آج کا ۵۰-۶۰ فی صدی مسلمان بینک کے سود کو غلط نہیں سمجھتا، اور کسی نہ کسی شکل میں وہ اس کو استعمال کر رہا ہے، اور کہیں نہ کہیں علما نے اجازت بھی دی ہے، جیسے پروویڈنٹ فنڈ وغیرہ وغیرہ؛ لیکن وہ مسلمان جن کے دل

میں اللہ کا خوف اور اسی کی توفیق سے وہ اس سے بچنا چاہتے ہیں، وہ کیا کریں؟

میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں، کہ اس پیچیدہ مسئلے پر علمائے کرام سنجیدگی سے حالات کے مدنظر کیوں نہیں سوچتے؟ کیوں کہ سود کی شکل جو ۱۴۰۰ سال پہلے تھی وہ آج نہیں ہے؛ کیوں کہ صرف لفظ سود یا اس کے جزوی معنیٰ کو پکڑ کر بیٹھنا مناسب نہیں ہوگا، ان کو حالات وملت کی ضرورت کے مطابق اس مسئلے کو طے کرنا، ہوگا جس طرح صدیوں پہلے ہمارے چاروں امام اور فقہا نے حالات اور وقت کی ضرورت کے مدنظر اپنی رائے بدلنی پڑی، اور اسی کے مطابق وہ ہے: لاتشتروا بآیاتي ثمنا قلیلا اس آیت کے لفظی معنیٰ کے علاوہ کئی حدیثیں موجود ہیں، تفصیل کے لیے معارف القرآن کی جلد اول ص: ۲۴ / ملاحظہ فرمائیں۔ اسی طرح اور دوسرے مسائل جیسے بینک کی ملازمت، جائداد کا بیمہ وغیرہ ان پر بھی علما ومفتیان کی رائے بدل رہی ہے، اب میں اپنے حالات کو تحریر کر رہا ہوں؛ کیوں کہ بہت سے مسائل کا حل انفرادی حالات پر بھی منحصر ہوتا ہے:

میں او این جی سی (ONGC) محکمہ میں ملازم تھا، پچھلے سال یعنی ۱۹۹۹ء میں میں نے ۵۸ / سال کی عمر میں رٹائرمینٹ لے لیا ہے، اپنے ڈپارمینٹ سے مجھے بہت معقول رقم ملی ہے، جو ابھی تک سود کی وجہ سے کہیں Invest نہیں کی جاسکی، ایک سال سے جمع شدہ رقم ہی استعمال ہو رہی ہے، اور فی الحال کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، ڈپارٹمنٹ سے جو بیلنس ملے گی وہ بہت حقیر رقم ہوگی اور وہ ابھی نہیں مل رہی؛ بلکہ ستمبر ۲۰۰۱ء میں ۶۰ / سال کے بعد ملے گی۔ اس کے برعکس میری ذمہ داریاں بہ دستور ہیں، اللہ نے مجھے تین لڑکیوں سے نوازا ہے، صرف ایک لڑکی کی شادی ہوئی ہے، باقی دو لڑکی کی

شادی اور پڑھائی کی ذمہ داری ابھی باقی ہے، چھوٹی لڑکی ابھی صرف ۱۲؍سال کی ہے، میری ان حالات سے آپ میری الجھنوں اور پریشانیوں کا بہ خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں، آمدنی نہ ہونے کی صورت میں اگر خرچ بہ دستور کریں تو قارون کا خزانہ بھی ایک دن ختم ہو ہی جائے گا، اس سلسلے میں کئی مفتیوں سے رجوع کر چکا ہوں؛ لیکن تسلی بخش جواب نہیں ملا، سبھی لوگ تجارت کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جب کہ نوکری پیشہ ہونے کی وجہ سے مجھے تجارت کا کوئی تجربہ نہیں ہے، اور موجودہ دور میں مشاہدہ یہ بتلاتا ہے کہ: ایک تاجر کو چرب زبان، چالاک اور چاک وچوبند ہونا بہت ضروری ہے، موجودہ حالات میں ایک سیدھا سادا آدمی جس کو تجارت کا کوئی تجربہ نہ ہو، مہارت سے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، تجارت میں ۱۴-۱۵ گھنٹہ درکار ہیں یعنی (Full time job)، اور میری عمر ۵۹؍سال کے قریب ہے، اور اس عمر میں ۱۴-۱۵ گھنٹہ لگانا ناممکن ہے؛ کیوں کہ صحت اور دماغ دونوں ہی کمزور ہو جاتے ہیں؛ اسی لیے سرکار ۵۸-۶۰ سال میں ریٹائرڈ کر دیتی ہے۔ کسی کے ساتھ شرکت میں تجارت کی جائے یہ بھی ایک مشکل مسئلہ ہے اور بہت بڑا جوکھم ہے؛ کیوں کہ ہر کسی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، مشاہدہ اور تجربہ بتلاتا ہے کہ بہت کم یعنی ایک یا دو فیصدی ہی لوگ مشترکہ تجارت میں کامیاب ہوتے ہیں، ہندوستان میں ابھی تک کوئی رجسٹری بینک نہیں ہے جس سے ہم جیسے لوگ فائدہ اٹھا سکیں، اور جو ہیں وہ معاملات ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے بدنام ہیں۔

میرے ان نجی حالات کے علاوہ بھی اسی طرح کے دوسرے لوگوں کے مسائل ہیں، مثال کے طور پر میرے مالک مکان کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، وہ بھی او این جی سی میں ملازم تھے، اور ان کی ۴؍لڑکیاں ہیں، مکان کے علاوہ اَور کوئی ذریعۂ

معاش نہیں ہے، ان کو بھی یہی فکر لاحق ہے کہ آمدنی حلال کیسے ہو؟ اور تین لڑکیوں کے فرائض کیسے انجام دیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان حالات کے پیش نظر امید کی ایک کرن دکھائی دی ہے، اور اسی سلسلے میں آپ سے جناب صلاح الدین اصلاحی اور جامع ازہر کے شیخ کی رائے کے مطابق آپ سے معلومات چاہتی تھی۔

بہر حال اب میں اس رسالے میں شائع ہوئے مسئلہ کی فوٹو کاپی بھیج رہا ہوں، میری ناقص رائے کے مطابق جناب عادل اصلاحی اور جامع ازہر کے شیخ کی رائے کو ہر مسلک کے لوگوں کو مان لینا چاہیے، مختصر طور پر میں اپنے حالات لکھ چکا ہوں اور اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں:

① کیا سرکاری بونڈ خریدنا جائز ہوگا، جیسے کسان وِکاس پتر وغیرہ۔

② عادل اصلاحی اور شیخ جامع ازہر کی رائے کے مطابق ہمارے ہندوستانی نظام میں صرف پوسٹ آفس کی اسکیمیں (National Sarmpl) اس خانے میں آتی ہیں جو سرمایہ کاری نہیں کرتی، تو بونڈ کے علاوہ دوسری اسکیمیں جو سرمایہ کاری نہیں کرتی جائز قرار دی جاسکتی ہیں؟

③ uti کی اسکیموں میں سود نہیں ہوتا وہ ڈیویڈنڈ دیتے ہیں، ان کی کچھ اسکیموں میں پہلے سال طے شدہ ڈیویڈنڈ دیتے ہیں، اور اس کے بعد ہر سال وہ بازار کے بھاؤ کے حساب سے طے کر ڈیویڈنڈ مقرر کرتے ہیں جو گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی حرمت فروعی اور استنباطی نہیں؛ بلکہ منصوص اور قطعی ہے، وحرم الربوا (اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے)۔ تحریم ربوا نازل ہونے پر بقایا سود کو

وصول کرنے کی بھی ممانعت کردی گئی؛ بلکہ اس کو بہ منزلۂ شرط ایمان قرار دیا گیا۔ ﴿وذروا مابقي من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ یعنی سود کا بقایا چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ جو لوگ سود لینے سے باز نہ آئے ان کے لیے اعلان جنگ ہے ﴿فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ یعنی اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود کا بقایا نہ چھوڑا) تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ سود خوار کے حشر کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿الذين يأكلون الربوا لايقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس﴾ یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو۔ سود خوار کے لیے سخت وعید ہے: ﴿يأيها الذين اٰمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافا مضاعفة واتقوا الله لعلكم تفلحون، واتقوا النار التي أعدت للكافرين﴾ یعنی اے ایمان والو! سود در سود کر کے نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو! شاید تم فلاح پاؤ، اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ خوفناک آیت مذکورۂ بالا ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو دوزخ کی آگ کی دھمکی دی ہے، جو درحقیقت کافروں کے لیے ہے، اگر مؤمنین اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز (سود) سے پرہیز کرنے میں اللہ تعالیٰ سے نہ ڈریں۔ (تفسیر مدارک)

انسان کے بدن میں جو گوشت حرام مال سے پیدا ہو وہ نار جہنم کے لائق ہے۔ سود کا ایک درہم جان بوجھ کر لینا چھتیس دفعہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مشکوۃ ۲۴۶)

سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے؛

سب پر حدیث میں لعنت آئی ہے، اور سب کو نفس گناہ میں برابر قرار دیا ہے۔ (مشکوۃ ۲۴۶) سود کے ستر اجزاء ہیں، سب سے ہلکا جز ماں سے بدفعلی کرنے کے برابر ہے، سود سے بہ ظاہر مال بڑھتا ہوا نظر آئے گا؛ مگر اس کا انجام قلت ہے۔ (مشکوۃ ص: ۲۴۶) حرمت ربوا کی آیت محکم ہے، منسوخ نہیں؛ شبہۂ ربوا سے بھی بچنے کا حکم ہے۔ (مشکوۃ ۲۴۶) مقروض اگر قرض کے دباؤ میں کوئی ہدیہ پیش کرے تو وہ ہدیہ بھی سود ہے، نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ (مشکوۃ ۲۴۶) ہدیۂ مالی کے علاوہ بھی کسی اور منفعت کے قبول کرنے کی اجازت نہیں۔ (مشکوۃ ۲۴۶)

آپ کے جو حالات سوال میں درج ہیں ان کے مقابلے میں ان مسلمانوں کے حالات زیادہ دردانگیز تھے جن کو خطاب کر کے سود حرام قرار دیا گیا اور سخت وعیدیں سنائی گئیں، وہ حضرات کفار کے قرضہ میں دبے ہوئے تھے، کفار ان کا خون چوس رہے تھے، حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دوبارہ غلام بنانے کی دھمکی دئی گئی تھی جس سے پریشان ہو کر انھوں نے مدینۂ پاک سے مخفی طور پر قرض کی ادائیگی کا انتظام ہونے تک کے لیے باہر چلے جانے کا ارادہ کر لیا تھا، وہ حضرات پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، کئی کئی روز تک فاقہ کرتے تھے، بھوک کی وجہ سے غش غش کھا کھا کر گر جاتے تھے، دو دو تین تین مہینے تک گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی، کپڑا بھی پوری تن پوشی کے لیے موجود نہیں تھا، چادر ہے تو تہبند نہیں، تہبند ہے تو کرتا نہیں، نکاح کے خاطر مہر میں دینے کو لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہیں آئی، صرف ایک لنگی بدن پر تھی اسی میں آدھی لنگی مہر دینے پر آمادہ ہوئے، بچوں کو بھوکا روتا ہوا دیکھ کر کھجور کے تین چار دانے حاصل کرنے کے لیے یہود کی مزدوری کرنا پڑی، خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ازواج مطہرات کے

نفقہ کے لیے اپنی جہاد میں کام آنے والی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھنے کی نوبت آئی، اسی حال میں آپ کا وصال ہوا۔ (از فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۲۰۴ تا ۲۰۹ ملخصاً)

سودی کاروبار کے زریعہ سے نہ مسلمان کا حال ترقی کرسکتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ﴿إن الربا وإن كثر فإن عاقبته تصير إلىٰ قلة﴾ یعنی سود خواہ کتنا ہی زیادہ ہو اس کا انجام قلت ہے۔ نہ مال محفوظ رہ سکتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يمحق الله الربوا﴾ اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتے ہیں؛ لہٰذا سودی کاروبار کو مال مسلم کی حفاظت یا ترقی کا ذریعہ تجویز کرنا نصوص قرآن وحدیث کا مقابلہ کرنا ہے۔ مسلمان کی کامیابی اور ترقی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں؛ بلکہ اس کی ترقی اور کامیابی احکام شریعت کی پابندی میں ہے، حرام اور لعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۲۱۱)

آپ نے جو تراشہ بھیجا ہے اس میں جو نظریہ پیش کیا گیا ہے وہ نیا نہیں ہے، پچھلے پینتالیس پچاس سال سے یہ چل رہا ہے، اور علمائے حقانی کی طرف سے اس نظریہ کے حاملین کے دلائل کا علمی تجزیہ کرکے اس کے تفصیلی جوابات بھی دیے گئے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ (حال شیخ الاسلام پاکستان) کا ایک رسالہ اردو زبان میں ''تجارتی سود، عقل وشرع کی روشنی میں'' آج سے چالیس سال قبل لکھا گیا، اور اسی وقت شائع بھی ہو چکا ہے، اس کا مطالعہ فرمائیں۔ اس میں انھوں نے تجارتی سود (جو کسی نفع اور pvboeutiive کام کے واسطے لیے ہوئے قرض پر لیا جائے) کی حرمت کو بھی دلائل واضحہ سے ثابت کیا ہے؛ اس لیے آپ کا یہ کہنا کہ: سود کی جو شکل آج سے چودہ سو سال پہلے تھی وہ اب نہیں ہے، درست نہیں ہے۔

آپ نے اپنے سوالات میں جن سرکاری اسکیموں کا تذکرہ کیا ہے وہ تمام سودی ہیں، ان میں رقم لگانا اور اس کی آمدنی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ایف آئی سی پریوار کا ممبر بننے کا حکم

سوال: ”ایف آئی سی پریوار“ کے نام سے جانا جاتا ہے جس کا طریقۂ کار مندرجۂ ذیل بیان کیا گیا ہے: اس کمپنی کے کاروبار میں شامل ہونے کے لیے زندگی میں صرف ایک مرتبہ ایک چیز کا خریدنا ضروری ہے، جو چیز گراہک خریدنا چاہتا ہے وہ کمپنی کی کتاب میں درج کرائی ہوئی چیزوں میں سے خرید سکتے ہیں، اس میں سے اپنی پسند کی چیز خریدی جاسکتی ہے، جو چیز کمپنی میں سے خریدار خریدی کرتا ہے تو اس کی قیمت اسے ادا کرنی ہوتی ہے، ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے نوسو پچاس روپیہ (۹۵۰) یہ رقم یعنی ۹۵۰/ روپیہ ادا کرنے کے بعد خریدار کمپنی کا ممبر بن جاتا ہے، اور مندرجہ چیزوں کا حقدار بن جاتا ہے، اس ۹۵۰/ روپیہ میں سے کمپنی ۵۰۰/ روپیہ سروس چارج اور ویب سائٹ جو خرچ ہوتا ہے وہ لیتی ہے، مندرجہ سہولتیں ممبر بننے کے بعد ملتی ہے، پورے انڈیا میں کمپنی کے ۳۵۰ ڈپو ہے، جہاں سیمینار ہوتے ہیں وہ ممبر کے لیے مفت کٹ مفت میں ملتی ہے، جس میں چار آڈیو کیسٹ اور ایک سی ڈی ملتی ہے، گونڈ کلب ممبر بننے پر بونس مفت، چوبیس ممبر بنانے پر پینشن اسکیم کا حقدار، یہ کمپنی انڈیا کے ایکٹ کے مطابق ۱۹۵۶ء سے کام کرتی ہے، ایف آئی سی ملٹی نیٹ ورک کمپنی

مصنوعات بنانے والی کمپنی سے مصنوعات ڈائریکٹ ہول سول کے دام میں خرید کر خریدار کو بازار کی قیمت سے فروخت کرتی ہے، جو منافع ہوتا ہے اس میں سے کچھ حصہ کمپنی اپنے پاس رکھ لیتی ہے، اور باقی کا منافع کمپنی کے ممبر جو ۹۵۰ / روپیہ ادا کرنے پر بنتے ہیں اور خریدار بناتے ہیں ان کے بیچ تقسیم ہوتا ہے۔

اس طریقۂ کار سے ممبروں اور خریداروں کی ایک سائکل چلتی ہے، طریقۂ کار کی معلومات کے لیے زیروکس کاپی ساتھ میں روانہ کی جارہی ہے، خریدار کی ادائیگی والی رقم کمپنی کے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہوتی ہے اور ہر کمپنی دوسرے کمپنیوں جس سے مصنوعات خریدتی ہے اس کی ادائیگی بھی بینک چیک کے ذریعہ کرتی ہے، ممبروں کو بھی جو رقم کمیشن کے طور پر ادا کی جاتی ہے وہ بھی بینک کے چیک کے ذریعہ انکم ٹیکس اور دوسرے تمام ٹیکس کاٹ کر ادا کرتی ہے، اس کمپنی کی خرید معلومات آپ اپنے طور پر کمپنی کے دیے گئے ویب سائٹ پر حاصل کر سکتے ہیں، کمپنی کی ویب سائٹ (......) آج کل کے کاروبار کے اعتبار سے جتنی بھی بڑی بڑی کمپنیاں ہیں وہ تمام ایجنسی دیتی ہیں تو ایجنسی لینے والے سے ڈپازٹ کے طور پر رقم لیتی ہیں۔ ایجنسی اگر کمپنی سے خریداری کرتی ہے تو اسی مال کے عوض نقد رقم ادا کرنی ہوتی ہے، مثال کے طور پر کیش کی ڈیلر شیپ، پیٹرول پمپ کی ڈیلر شیپ، کولڈرنکس کی ڈیلر شیپ کے لیے لاکھوں روپیہ کی ڈپازٹ ادا کرنی ہوتی ہے، چاکلیٹ، بسکیٹ اور جتنی بھی مانی ہوئی کمپنیاں ہیں ان کے پاس ہزاروں کی ڈپازٹ رکھنی پڑتی ہیں، اس کے باوجود خریدار یعنی ایجنسی کو مال خریدنے پر نقد رقم کی ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔ اس طرح ۹۵۰ / روپیہ ادا کرنے پر کمپنی کی سہولتوں کا ممبر حقدار بن جاتا ہے۔ مندرجۂ بالا کاروبار قرآن اور حدیث کے

روشنی میں کرنا کیسا ہے؟ بہت سے مسلم بھائی اس کاروبار سے جڑ چکے ہیں؛ اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس مسئلہ کا صحیح جواب جلد از جلد دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ایک شخص جب کمپنی سے کوئی چیز اس کے مقررہ قیمت سے خریدتا ہے تو اس چیز کی قیمت کے ساتھ ساتھ مزید ۹۵۰ / روپیہ کی ادائیگی کا اس کو پابند بنایا جاتا ہے گویا خریدی ہوئی چیز کی قیمت کے ساتھ ساتھ مذکورہ رقم بھی گراہک کو ادا کرنی ہے، یہ طریقہ بیع کے ساتھ شرط کو مستلزم ہے اور اس کی ممانعت آئی ہے،

نهىٰ رسول الله ﷺ عن بيع وشرط

نیز نفسِ بیع کا تقاضہ تو یہ تھا کہ خریدار پر مبیع کی مقررہ ثمن ہی لازم ہوتی، جب کہ صورتِ مسئولہ میں ثمن کے علاوہ ایک اور رقم کی بھی ادائیگی کا اس کو پابند بنایا جارہا ہے جو شرعاً درست نہیں؟ پھر یہ مزید رقم جو وصول کی گئی ہے اس کے بدلہ میں جو فوائد حاصل ہونے والے ہیں وہ بھی متعین نہیں، بلکہ ان میں بھی یہ قید لگائی گئی ہے کہ چوبیس ممبر بنانے پر پینشن اسکیم کا حقدار ہوگا گونڈ کلب ممبر بننے پر بونس مفت ملے گا تو سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ پینشن اسکیم کا استحقاق زائد رقم ادا کرنے کے معاوضہ میں ہے؟ یا ممبر بنانے کا معاوضہ؟ علیٰ ھٰذا القیاس۔ بہر حال یہ طریقۂ کار شرعی اعتبار سے درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۲۸/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

غرباء کی امداد کے لیے جوئے کی ناجائز اسکیمیں

سوال: (۱) کسی کی مدد واعانت کی خاطر اس طرح کرنا کہ ۲۰۰ پاؤنڈ کی ٹکٹ دس پاؤنڈ کی ٹکٹ میں ملے گا، تو ہر ایک دس دس پاؤنڈ دیتے ہیں، پھر قرعہ اندازی ہوتی ہے، اس میں جس کا نام آتا ہے اس کو ۲۰۰ پاؤنڈ کی ٹکٹ اس کے دس پاؤنڈ کے بدلے مل جاتی ہے، باقی جو ہزاروں پاؤنڈ بچے ان کو امداد کے لیے روانہ کر دیا جاتا ہے، تو کیا یہ شکل قمار اور جوا کی نہیں ہے؟ کیا اس طرح کر کے لوگوں کی امداد کی جاسکتی ہے؟

(۲) اسی طرح ایک کمیٹی گانے والی اور ناچنے والی کو کچھ متعین مقدار میں بلاتے اور پھر وہ گانے والی ناچتی گاتی ہے، لوگ مست ہو کر ان کو انعامی روپئے دیتے ہیں، پھر کمیٹی والے اس کی متعین مقدار تو دے دیتے ہیں، باقی رقومات امداد کے لیے روانہ کر دی جاتی ہے، تو کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟ اکثر ایسا کرنے والے مسلمان ہوتے ہیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) یہ قمار ہی ہے، امداد کے لیے یہ طریقہ جائز نہیں ہے، قمار کی حرمت منصوص ہے، ایسا کیوں نہیں کیا جاتا کہ سب سے دس دس پاؤنڈ وصول فرما کر امدادی فنڈ قائم کریں کہ یہ صورت جائز ہے؛ بلکہ مستحسن ہے جب کہ صورت مسئولہ میں دوسو پاؤنڈ والا ٹکٹ ایک ہی شخص کو ملتا ہے جو بذریعہ قمار حاصل ہونے کی وجہ سے حاصل کرنے والے کے حق میں بھی حرام ہے، دیگر تمام حضرات بھی قمار کے گناہ کے مرتکب ہوئے، اور جہاں امداد بھیجی جارہی ہے ان کے حق میں بھی یہ رقم حرام ہوگئی، اور ثواب سے تمام محروم رہے۔

② یہ بھی ناجائز اور ممنوع ہے، امداد باہمی ایک خالص دینی اسلامی فریضہ تھا، اس کو بھی اس طرح منکرات اور فواحش کی اشاعت کا ذریعہ بنالیا گیا، ذرائع کی تطہیر بھی ضروری اور واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کتاب الاجارہ

طویل المدت اجارہ میں کم کرایہ طے کرنا

سوال: زید نے بکر کی زمین کئی سال کا پیشگی کرایہ اس کو دے کر، اس سے رائج الوقت کرایہ سے کم کرایہ پر لی، شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ فالحاصل أن الأجرة لاتملك عندنا إلا بأحد معان ثلاثة: أحدها: شرط التعجيل في نفس العقد، والثاني: التعجيل من غير شرط، والثالث: استيفاء المعقود عليه.(بدائع الصنائع ٤ / ٢٠٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ / ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اجرت مثل پر اضافی کرایہ ادا کرنا

سوال: دار العلوم جامعہ نذیریہ کاکوسی (جس میں تقریباً ساڑھے چار سو طلبہ مع قیام وطعام زیر تعلیم ہیں) جس زمین پر واقع ہے، وہ کاکوسی گاؤں کی مسجد ومدرسہ کے لیے وقف زمین ہے، جب کہ دار العلوم ابتدائی دور میں ۱۹۶۰ء سے لے کر ۱۹۷۲ء تک کاکوسی مکتب کے ساتھ لاحق تھا، بیرونی طلبہ کے اخراجات بھی ۱۹۷۰ء تک کاکوسی گاؤں کے احباب اٹھاتے تھے، پھر ۱۹۷۱ء سے آج تک تعلیمی وتعمیری تمام اخراجات عمومی چندہ سے انجام پا رہے ہیں، نیز مدرسے کا ٹرسٹ وشوریٰ علاقۂ پالن پور کے احباب پر مشتمل ہے جس میں کاکوسی کے احباب بھی شامل ہیں۔

اس کے بعد جگہ کی تنگی کی وجہ سے دار العلوم موجودہ زمین میں (جو گاؤں کی مسجد ومدرسہ کے لیے وقف تھی) ۱۹۷۳ء میں منتقل ہوا، ۱۹۷۳ء میں دار العلوم کے ذمہ داروں نے اس زمین کے ٹرسٹیوں اور گاؤں کے ذمہ داروں سے مل کر اس زمین کا جو چار بیگھا ہے اجارہ کا معاملہ کیا، اور سالانہ دوسو روپیے کرایہ طے کر کے ایک تحریر لکھ دی، مدرسے کی تحویل میں آنے سے پہلے یہ زمین چار بیگھا سالانہ نوے روپیے کے کرایہ پر ایک صاحب کو دی ہوئی تھی، اس کے بعد ۹۰ء میں ۱۸؍سالوں کا کرایہ دوسو روپیے کے حساب سے ادا کر کے رسید بھی حاصل کر لی، جب کہ اخیر کے سالوں میں اس جیسی زمینوں کا کرایہ بڑھ چکا؛ تھا البتہ ابتدائی سالوں میں اس جیسی زمینوں کا کرایہ دوسو سے کم تھا۔ اب سوال طلب بات یہ ہے کہ:

(۱) ۱۸؍سالوں کا کرایہ ۲۰۰؍کے حساب سے دیا ہوا ادا ہو گیا یا اس میں اضافے کی ضرورت ہے؟

(۲) ۱۹۹۹ء تک باقی ماندہ دس سالوں کا کرایہ طے شدہ دوسو کے حساب سے ادا کرنا ہوگا، یا موجودہ زمانے میں اس جیسی زمین کے کرایہ کے بہ قدر دیا جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) آخر کے سالوں میں اجرت مثل میں جو اضافہ ہوا وہ بھی ادا کیا جائے۔

(۲) اجرت مثل کے مطابق ادا کیا جائے۔ (از جواہر الفقہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

پٹۂ دوامی میں اضافی کرایہ ادا کرنا

سوال: دارالعلوم جامعہ نذیریہ کاکوسی (جس میں تقریباً ساڑھے چار سو طلبہ مع قیام وطعام زیر تعلیم ہیں) جس زمین پر واقع ہے، وہ کاکوسی گاؤں کی مسجد ومدرسہ کے لیے وقف زمین ہے، جب کہ دارالعلوم ابتدائی دور میں ۱۹۶۰ء سے لے کر ۱۹۷۲ء تک کاکوسی مکتب کے ساتھ لاحق تھا، بیرونی طلبہ کے اخراجات بھی ۱۹۷۰ء تک کاکوسی گاؤں کے احباب اٹھاتے تھے، پھر ۱۹۷۱ء سے آج تک تعلیمی وتعمیری تمام اخراجات عمومی چندہ سے انجام پارہے ہیں، نیز مدرسے کا ٹرسٹ وشوریٰ علاقۂ پالن پور کے احباب پر مشتمل ہے جس میں کاکوسی کے احباب بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد جگہ کی تنگی کی وجہ سے دارالعلوم موجودہ زمین میں (جو گاؤں کی مسجد ومدرسہ کے لیے وقف تھی) ۱۹۷۳ء میں منتقل ہوا، ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم کے ذمہ داروں نے اس زمین کے ٹرسٹیوں اور گاؤں کے ذمہ داروں سے مل کر اس زمین کا جو چار بیگھا ہے اجارہ کا معاملہ کیا، اور سالانہ دوسو روپے کرایہ طے کر کے ایک تحریر لکھ دی۔

اب اگر ۱۹۹۹ء سے پچاس سالوں کا پیشگی کرایہ طے شدہ موجودہ کرایہ کے حساب سے ادا کردیا جائے تو درست ہے؟ چوں کہ اس زمین پر کافی مقدار میں دارالعلوم کی عمارت بن چکی ہے، ابھی گاؤں کے ساتھ حالات بھی استوار ہیں، اگر دارالعلوم اور گاؤں کے ذمہ داروں کی رضامندی سے دوسری زمین خرید کر اس زمین کے بدلے میں کاکوسی گاؤں کو دی جائے؛ تاکہ آئندہ خطرات سے دارالعلوم محفوظ ہوجائے، نیز واقف کو بھی ثواب ملتا رہے، اگر اس کی گنجائش ہو تو ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جامعہ نذیریہ کاکوسی کے ذمہ داروں نے کاکوسی گاؤں کی مسجد ومدرسہ کے لیے وقف زمین کا عقد اجارہ جامعہ نذیریہ کے لیے پٹۂ دوامی کے طور پر کیا ہے، اس صورت کو اصطلاح فقہاء میں ”حق قرار“ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اوقاف کی زمین میں چند شرائط کے ساتھ اس کی اجازت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کرایہ دار کو اجرت مثل کی پابندی ضروری ہے، آپ اگر پچاس سال کا پیشگی کرایہ دوسو روپیے کے حساب سے ادا فرمادیں تو درست ہے، بہ شرطے کہ یہ دوسو روپیہ اس کی اجرت مثل ہو، اور آئندہ پچاس سال میں اگر اجرت مثل میں اضافہ ہوا تو اضافہ شدہ رقم بھی ادا کرنی ہوگی۔ (ماخوذ از جواہر الفقہ) فقط

نوٹ: جواہر الفقہ حصہ دوم میں ۲۹۷ تا ۳۰۸ ایک مستقل رسالہ ”قانون اسلامی بابت پٹۂ دوامی“ کے نام سے ہے، اس کا مطالعہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسجد کی موقوفہ زمین کی بیع اور لمبی مدت تک کرایہ پر دینا

سوال: (۱) مدرسہ جامعہ نذیریہ میں ۳۵۰ طلباء زیر تعلیم رہتے ہیں۔ تقریباً بائیس مدرسین کرام ہیں۔ عمارت بھی کافی ہو چکی ہے۔ مسجد، دار الاقامۃ، ۲۶ کمرے، درس گاہیں، ۲۰ دار المدرسین، مطبخ وغیرہ مکمل ہو گیا ہے۔ مذکورہ مدرسہ جس زمین پر واقع ہے وہ زمین تقریباً پچاس سال پہلے ایک صاحب نے کاکوسی گاؤں کی

مسجد کے لیے وقف کی تھی۔ ان صاحب کی بلا واسطہ یا بالواسطہ کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس جگہ پر آج سے بائیس سال پہلے پورے علاقہ کی ضرورت کے پیش نظر پورے علاقہ میں چندہ کر کے مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ تعمیر ہو جانے کے بعد ہمارے علاقہ کے مفتی صاحب حضرت مولانا اکبر میاں صاحب کے طرف رجوع کر کے سالانہ کرایہ دو سو روپئے طے کر دیے تھے جو آج تک مدرسہ نذیریہ گاؤں کی مسجد کو ادا کرتا ہے۔ نیز اس وقت گاؤں کی مسجد کے جو متولی صاحب ہیں وہ مدرسہ نذیریہ کے صدر ہیں۔ اور مدرسہ کے ٹرسٹ میں مذکور متولی صاحب اور چند احباب کاکوسی کے اور چند احباب پورے علاقہ میں سے ہیں۔ اب سوال طلب بات یہ ہے کہ کیا مدرسہ جامعہ نذیریہ کاکوسی گاؤں کی مسجد کی زمین (جس پر مدرسہ واقع ہے) خریدنا چاہے کیا شرعاً جائز ہے؟

② عند الشرع خریدنے کی کوئی صورت جواز نہ ہونے پر اس زمین کو لمبی مدت تک معینہ کرائے پر (جس کو لیز کہا جاتا ہے) لے کر کرایا ادا کر دیا جائے تو یہ صورت عند الشرع جائز ہے؟ امید کہ حضرت والا مفصل جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔ مدرسہ کے جملہ حالات بہتر ہیں مزید ترقیات کے لیے دعا کی درخواست۔ فقط والسلام

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① چوں کہ وہ زمین مسجد کے لیے وقف ہے اس لیے اس کی بیع وشراء شرعاً درست نہیں ہے۔

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك الخ (در مختار)

قوله (لايملك) أي لايكون مملوكا لصاحبه (ولا يملك) أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه. (شامی ۳/ ٤٠٢)

(۲) کتب فقہ کو دیکھنے سے اس کی بھی اجازت معلوم نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

سرکاری قانون کا سہارا لے کر مسجد کی دکان خالی نہ کرنا

سوال: ہم ہمارے شہر کی مسجد کے پیچھے کے حصہ پر واقع دو پلاٹ (5x1) پر تقریباً تین ساڑھے تین سال سے بحیثیت کرایہ داری کے قابض تھے۔ حال ہی میں متولیٔ مسجد نے کہا کہ مسجد کا B.U.C. (بلڈنگ یوزرس سورٹ) پاس نہیں ہو رہا ہے۔ تو آپ مسجد کا B.U.C. پاس ہو جانے دو۔ پھر بعد میں یعنی بی یوسی پاس ہو جائیگا پھر ہم آپ کو دو پلاٹ میں سے ایک پلاٹ واپس دے دیں گے، اسی لیے ہم نے کوئی قانونی کارروائی نہیں کی، ان کے مشورہ میں دو گواہوں کے سامنے یہ بات طے ہوئی تھی کہ دو پانچ ماہ بعد جب بھی اس جگہ دکان بنے گی تو ہم دو میں سے ایک دکان ضرور آپ کو دینگے۔ ہم نے متولیٔ مسجد کے زبانی وعدہ پر بھروسہ کیا، اور کسی طرح کا قانونی سہارا (کارروائی) نہیں لیا؛ لیکن دو ماہ کے بعد مسجد کے جو دو پلاٹ چار سال سے ہمارے قبضہ میں تھے، اور ہم مسجد کے کرایہ دار تھے، اور ہم سے جو وعدہ کیا تھا اس کے مطابق ہم ایک دکان کے مستحق ہوتے ہیں یا نہیں؟ حالاں کہ ہم نے متولیٔ مسجد کو دو پلاٹوں کا قبضہ دیا ہے اور متولیٔ مسجد کے وعدہ کے مطابق ہی ہم نے قبضہ دیا تھا، اور کوئی قانونی کارروائی اختیار نہیں کی تھی۔ کیا وہ وعدہ کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب عنایت فرما کر رہنمائی فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت میں کرایہ داری کے معاملہ کو عقد اجارہ کہتے ہیں۔ اسکی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ عقد اجارہ کے وقت کرایہ داری کی مدت متعین کر دی جائے۔ مثال کے طور پر کسی آدمی نے دکان یا مکان کرایہ پر لیا، اور عقد اجارہ کے وقت مالک کے ساتھ یہ طے ہوا کہ یہ دکان یا مکان دس سال کے لیے کرایہ پر لے رہا ہوں، اس صورت میں دکان یا مکان کے مالک کے لیے اس کو دس سال سے پہلے خالی کروانا جائز نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عقد اجارہ کے وقت کرایہ داری کی مدت متعین نہیں کی گئی، بس صرف اتنا طے ہوا کہ ماہانہ اتنے کرایہ پر یہ دکان آپکو کرایہ سے دی جارہی ہے، اس صورت میں نیا مہینہ شروع ہونے پر وہ معاملہ آگے بڑھتا رہیگا؛ لیکن دکان یا مکان کا مالک اگر نیا مہینہ شروع ہونے سے پہلے کرایہ دار کو بتلا دے کہ آئندہ مہینہ سے کرایہ داری کا معاملہ ختم کر رہا ہوں، آپ دکان یا مکان خالی کر دیں، اس صورت میں کرایہ دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیا مہینہ شروع ہونے پر دکان یا مکان خالی کر کے مالک کے حوالہ کر دے۔

ہمارے یہاں سرکاری قانون کی وجہ سے قبضہ کی بنیاد پر کرایہ دار دکان یا مکان خالی کرنے سے انکار کرتا ہے، یہ صورت شرعی اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے، آپ کے پاس مسجد کے دو پلاٹ کرایہ کے طور پر تھے اس کی کرایہ داری کا معاملہ بھی اوپر بتائی ہوئی دوسری صورت کے مطابق ہونے کی وجہ سے مسجد کے متولی کو حق پہنچتا ہے کہ نیا مہینہ شروع ہونے سے پہلے آپ کو آگاہ کر کے وہ پلاٹ آپ سے خالی کروا

لیں، آپ جو لکھتے ہیں ''ہم نے کوئی قانونی کارروائی نہیں کی'' یہ کوئی آپ نے احسان نہیں کیا، بلکہ شرعی اعتبار سے آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اگر آپ قانونی کارروائی کر کے اس کا قبضہ اپنے پاس روک لیتے، جیسا کہ آج کل عام طور پر لوگ کرتے ہیں، تو آپ شرعی اعتبار سے مسجد کی جگہ کے غصب کرنے والے ہو کر حرام کے مرتکب ہوتے اور آپ کا یہ اقدام آپ کی عاقبت کے لیے مہلک ثابت ہوتا۔

پلاٹ خالی کروانے کے لیے مجبوری کی وجہ سے مسجد کے متولی نے آپ کے ساتھ جو صلح کی، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ صلح شرعی اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں، اور اس کی بنیاد پر ایک دکان کے آپ مستحق نہیں ہوتے۔ اگر آئندہ بھی آپ کوئی قانونی کارروائی کریں گے تو اپنی عاقبت برباد کرنے والے ٹھہریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاولی ۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مزدور کے لیے کھیتی کی پیداوار میں سے اجرت طے کرنا

سوال: کھیتی کی پرندوں وغیرہ سے حفاظت کے لیے ایک شخص اجرت پر رکھا جاتا ہے، اور اس کی اجرت اسی فصل کا ایک حصہ مثلاً دسواں یا پانچواں حصہ طے کیا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ اجارہ فاسد ہے، اگر محافظ نے اپنا کام انجام دے دیا ہے تو وہ اجرت مثلی کا

حق دار ہوگا جو مقررہ حصہ فصل سے زیادہ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باپ اپنے بیٹے کو کاروبار میں اجرت پر رکھے تو جائز ہے

سوال: (۱) زید اور بکر دونوں نے بھیسوں کا اصطبل خریدا، زید کا لڑکا بمبئی میں اصطبل کا کاروبار سنبھالتا ہے، اور زید کا لڑکا زید کے ساتھ ہی رہتا ہے کھانا، پینا سب کچھ ساتھ میں ہے، زید کے لڑکے کو کاروبار سنبھالنے کی وجہ سے ماہانہ پندرہ سو روپیہ تنخواہ دی جاتی ہے، جو زید کا لڑکا اپنے باپ یعنی زید کو لوٹا دیتا ہے تو کیا یہ ماہانہ تنخواہ دینا درست ہے؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ زید کا لڑکا زید سے الگ ہے اس کا کھانا، پینا سب کچھ الگ ہے، اور زید کا لڑکا اپنی تنخواہ اپنے ہی پاس رکھتا ہے، زید باپ کو نہیں دیتا تو کیا یہ تنخواہ دینا درست ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ اجارہ درست اور جائز ہے۔

وإن استاجر الرجل ابنه ليخدمه في بيته لم يجز ولا أجر عليه لأن خدمة الأب مستحق على الابن دينا الخ(مبسوط ١٦/٥٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرض کی بنیاد پر اجرت کم مقرر کرنا درست نہیں

سوال: کھیتی کے کاموں کے لیے ایک شخص کو سال بھر کے لیے اجرت کو رکھا

اوراس پر کچھ رقم بطور قرض دی گئی، اب مالک نے اس کو قرض دینے کی وجہ سے اس کی اجرت کم مقرر کی، تو اس طرح قرض دینے کی وجہ سے اجرت میں کمی کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرض کی بنیاد پر اجرت میں کمی رکھنا درست نہیں ہے۔ "کل قرض جر نفعا فهو حرام" کا مصداق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مضاربت اور اجارہ کو خلط کرنا درست نہیں ہے

سوال: ایک صاحب کی ایک دکان ہے، اس نے ایک آدمی سے کہا کہ پوری رقم اور خرچ میرا اور تم صرف محنت کرو اور تجارت کرو، منافع میں پچاس فیصد نفع تمہارا ہوگا، اور ماہانہ اتنی تنخواہ بھی ہوگی تو کیا یہ معاملہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب اس کو منافع میں حصہ دیا تو اب تنخواہ مقرر کرنا درست نہیں ہے، اور اگر تنخواہ مقرر کرنا ہے تو صرف تنخواہ ہی رکھے؛ اس لیے کہ منافع میں حصہ مقرر کرنے کی صورت میں معاملہ مضاربت کا ہے اور تنخواہ مقرر کرنے کی صورت میں معاملہ اجارہ کا ہے، دونوں کو خلط کرنا درست نہیں، کوئی ایک صورت تجویز ہونی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عقد کے بغیر اصطبل چلانے والا بھائی اجرت کا حقدار نہیں

سوال: عبدالرزاق اور عمر دونوں بھائی ہیں، اپنے والد کی ملکیت تقسیم ہونے

کے بعد ہر ایک اپنے اپنے اصطبل کی دیکھ بھال کرتا تھا؛ لیکن جانوروں کو کھلانے کے لیے غلہ ساتھ خریدتے تھے، اور اس غلہ کی قیمت ادا کرنے میں دو فی صد بائع کی جانب سے ثمن میں کمی کردی جاتی ہے، یہ اس طرح تجار کا عرف ہے، اور عمر جلدی ثمن ادا کرنے کا عادی ہے، تو غلہ آنے کے بعد عمر عبدالرزاق سے اس کے حصہ کے ثمن کا مطالبہ کرتا، تو عبدالرزاق دینے میں کچھ تاخیر کرتا، جس کی وجہ سے عمر کی وجاہت پر بازار میں داغ آتا، اور وہ اس عرف سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا، اور ان ہی کے حصے کے غلہ کی ثمن کے لیے اس سے بار بار مطالبہ کرنا پڑتا تھا؛ اس لیے عمر نے تقسیم کے ایک سال بعد عبدالرزاق سے کہا کہ: آپ اپنے اصطبل کی دیکھ بھال مجھے دے دو، میں آپ کا حساب اور غلہ لانا اور دودھ پہنچانا وغیرہ سب کچھ سنبھال لوں گا، تو عبدالرزاق نے اپنی خوشی سے عمر کو پوری ذمہ داری سپرد کردی اور زبانی طور پر کوئی معاہدہ بھی نہیں ہوا تھا، اور عمر کو نہ مضاربت کے طور پر کچھ لینے کا ارادہ تھا اور نہ عمل کی اجرت لینے کا ارادہ تھا، اور ۹۳/۴/۱ سے ۹۶/۳/۳۱ تک پورے ۳؍سال عمر نے عبدالرزاق کا اصطبل پوری ذمہ داری کے ساتھ سنبھالا، اور نفع کر کے بھی دیا، اور ان تین سال میں سے پہلے سال عمر عبدالرزاق کو جو نفع ہوتا گیا وہ دیتا تھا اور دستخط لیتا تھا، اور اخیر کے دو سال میں عمر نے عبدالرزاق کو ایک روپیہ بھی نہیں دیا تھا اور عبدالرزاق نے مطالبہ بھی نہیں کیا تھا، اور تین سال کے بعد عمر نے عبدالرزاق کو اس کے اصطبل کی ذمہ داری سپرد کردی، اور آپس میں حساب ملایا نہیں تھا، اور عبدالرزاق نے حساب کی جانچ بھی نہیں کی تھی۔ ۳؍سال کے بعد تاخیر سے جب عمر کے پاس سوسائٹی میں سے پیسے آتے گئے، تو عمر نے قسطوں میں سات لاکھ روپیے نقد اپنی اولاد کے ساتھ عبدالرزاق کے گھر پہنچائے

تھے، اس ارادہ سے کہ آخری دو سال کا نفع شاید اتنا ہوگا اور بعد میں حساب ملالیں گے، اور ان سات لاکھ روپیوں کی کوئی دستخط نہیں لی تھی، اور جب عمر نے ۲۰۰۰ء میں حساب ملایا تو معلوم ہوا کہ عمر نے ایک لاکھ تیرانوے ہزار پانچ سو سولہ روپے نفع سے زائد دیے تھے، جب عبدالرزاق سے حساب کی بات چیت ہوئی تو زبانی تنازع ہوا، جس میں عبدالرزاق اور اس کے لڑکوں نے عمر کی اہانت کی؛ اس لیے عمر اب عبدالرزاق سے زائد روپے اور تین سال کی محنت کا ثلث بھی مانگتا ہے، اور عبدالرزاق اس سات لاکھ روپے کا صاف جواب دیتا نہیں؛ بلکہ مبہم بات کرتا ہے، اور عمر کے پاس اس سات لاکھ کے بارے میں صرف اپنی اولاد شاہد ہیں؛ لہٰذا مندرجۂ ذیل سوالات کا حل مطلوب ہے:

① عمر اپنے زائد روپیوں کے ساتھ مضاربت کے طور پر ثلث کا مطالبہ کرسکتا ہے؟

② عمر ثلث کا یا عمل کی اجرت کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

③ عمر سات لاکھ روپیوں کے بارے میں عبدالرزاق سے قرآن شریف پکڑوا سکتا ہے؟

④ عمر عبدالرزاق سے قسم لے سکتا ہے؟ اور اگر لے سکتا ہے تو کن الفاظ میں؟ آیا یہ قسم قرآن شریف ہاتھ میں رکھ کر لے سکتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

①، ② نہیں۔

③ خالی قرآن شریف پکڑوانا شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے، قرآن شریف

ہاتھ میں لے کر بات کہنے سے قسم نہیں ہوتی جب تک کہ لفظ قسم نہ کہے۔

④ عبدالرزاق اگر سات لاکھ روپیوں کی وصولیابی سے انکار کرتا ہے اور معاملہ کا تصفیہ بغیر قسم کے ممکن نہیں، تو عمر کے لیے عبدالرزاق سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ناموں یا صفتوں میں سے کسی کے ذریعہ قسم لینا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ر ذوالحجۃ الحرام ۱۴۲۱ھ

اجرت متعین کیے بغیر فلیٹ میں رہنا

(سوال) : میں نے ایک قریبی عزیز سے اس کا فلیٹ کرایہ پر لیا، کرایہ پر لینے سے قبل کرایہ متعین نہیں کیا تھا، ہم دونوں باہم کئی مرتبہ ملتے رہے؛ لیکن کرایہ کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی، اسی طرح سولہ مہینے گذر گئے اور ہم دونوں نے بیٹھ کر حساب بے باق کر دیا ماہانہ ڈیڑھ سو کے حساب سے، اس کے بعد آگے کے کرایہ کے متعلق کوئی بات نہیں، اور میں اس مکان میں رہتا رہا یہاں تک کہ سات سال کا عرصہ گذر گیا اور پھر ہم دونوں حساب کے لیے بیٹھے، میں نے وہی پرانا کرایہ ماہانہ ڈیڑھ سو کا حساب سامنے رکھ دیا، میرے عزیز نے وہ پرانا کرایہ لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ کرایہ بڑھ گیا ہے قرب وجوار کے اس جیسے فلیٹوں کا کرایہ واقعی بڑھ گیا ہے؛ لہذا تم بھی کرایہ بڑھا کر دو، میں نے کہا جب سولہ مہینوں کا حساب کیا اس وقت تم کو کہنا تھا کہ آئندہ کرایہ اتنا ہوگا مجھ کو منظور ہوتا تو رہتا، نہیں تو میں خالی کر دیتا یا بیچ میں جب کبھی تمھارے دل میں کرایہ بڑھانے کا خیال آیا مجھ کو اطلاع کرنا تھا، اس درمیان ہم پچاسوں بار ملتے رہے یا مجھ کو فون کر دینا تھا، ٹیلیفون تمھارے پاس بھی ہے اور میرے

پاس بھی؛ لیکن تم نے مجھے کسی ذریعہ سے کرایہ بڑھانے کی اطلاع نہ دی میں وہی سابقہ کرایہ دوں گا زیادہ نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا از روئے شریعت مجھے زیادہ کرایہ دینا ضروری ہے؟ پرانا کرایہ میرا عزیز لینے پر تیار نہیں اور میں زیادہ دینے پر تیار نہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شروع اجارہ سے ہی جب اجرت کا تعین نہیں ہوا تھا تو یہ اجارہ فاسد ہے، اور اس میں اجرت مثل واجب ہوگی۔

وتفسد بعدم التسمية أصلا أوبتسمية خمر أو خنزير، فان فسدت بالأخيرين بجهالة المسمى وعدم التسمية وجب أجر المثل، يعني الوسط منه. (در مختار مع الشامی ۵/ ۳۳)

سولہ مہینے گذرنے کے بعد آپس میں بیٹھ کر گذشتہ مدت کا جو حساب ڈیڑھ سو کے حساب سے بے باق کیا گیا اتنی بات آئندہ کے لیے تعیین اجرت کی دلیل نہیں بن سکتی؛ اس لیے آپ جس فلیٹ میں رہتے ہیں اس جیسے فلیٹوں کا جو کرایہ اس مدت میں رہا ہو اس کے حساب سے ادائیگی ضروری ہے۔ اور آئندہ کے لیے اجرت نیز مدت اجارہ کا تعین کرلیا جائے تاکہ دونوں گناہ سے محفوظ رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

عقدِ اجارہ کے بغیر پیشگی اجرت کے جواز کا حیلہ

سوال: یہاں مدرسہ اسلامیہ کی ملکیت کی پانچ دوکانیں موجود ہیں، اس کی کرایہ کی آمدنی سے مدرسہ اسلامیہ کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں، فی الحال

مدرسہ میں سات سو کے قریب طلبہ اور طالبات علم حاصل کررہے ہیں اور سولہ استاذ ہیں، دوکانیں پرانی ہوچکی تھیں، اور یہاں کے سرکاری قانون کے موافق نئی تعمیر کرنے کی ضرورت تھی، اس لیے ٹرسٹی صاحبان نے پرانی دوکانیں توڑدی ہیں، اب دوبارہ جو دوکانیں بنائی جائیں گی وہ بجائے پانچ کے سات دوکانیں بنے گی، پانچ دوکانیں پرانے کرایہ داروں کو دی جائیں گی، بقیہ جو دو دوکانوں میں ان کی تعمیر کے لیے پیسوں کی اشد ضرورت ہے، تو ٹرسٹی صاحبان نے مسجد کے بورڈ پر ایک ماہ کے لیے نوٹس لگائی تھی کہ جو مسلمان دوکان لینا چاہتے ہوں، وہ مدرسہ کو پیشگی امداد کے طور پر پچاس ہزار رینڈ بطور قرضہ دیں، ان کو دوکانیں دی جائے گی، اور ان کی دی ہوئی رقم دوکان کے کرایہ میں وضع کی جائے گی۔

تو اس نوٹس کے بعد دو مسلمان مدرسہ کو پیشگی امداد بطورِ قرضہ دے کر دوکان لینا چاہتے ہیں، تو اس طرح مدرسہ کے لیے پیشگی مدد لینا اور مدد کرنے والوں کو دوکانیں دے کر اس کی دی ہوئی رقم کو دوکان کے کرایہ میں وصول کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ مفصلاً جواب دے کر ممنون فرماویں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقدِ اجارہ میں اگر مستاجر (کرایہ پر لینے والا) پیشگی کرایہ ادا کردے، یا باہمی رضامندی سے پیشگی کرایہ ادا کرنے کی شرط کرلی جائے تو یہ درست ہے۔

اعلم أن الأجر لا يلزم بالعقد فلا يجب تسليمه به؛ بل بتعجيله أو شرطه فى الاجارة المنجزة، أما المضافة فلاتملك فيها الأجرة بشرط التعجيل اجماعاً (درمختار) (قوله لايلزم بالعقد) أى لايملك به كما عبر

فی الکنز؛ لأن العقد وقع علی المنفعة، وهی تحدث شیئا فشیئا، وشأن البدل أن یکون مقابلاً للمبدل وحیث لا یمکن استیفاؤها حالا لایلزم بدلها حالا إلا إذا شرطه؛ ولو حکما بأن عجله لأنه صار ملتزما له بنفسه حینئذ وابطل المساواة التی اقتضاها العقد فصح (قوله بل بتعجیله) فی العتابیة إذا عجل الأجرة لا یملك الاسترداد، ولو کانت عینا فأعارها أو أودعها رب الدار فهو کالتعجیل، وفی المحیط لو باعه ......(قوله اوشرطه) فله المطالبة بها، وحبس المستأجر علیها، وحبس العین المؤجرة عنه، وله حق الفسخ ان لم یعجل له المستأجر، کذا فی المحیط ....(قوله اما المضافةالخ) أي فیکون الشرط باطلا، ولایلزمه للحال شیء الخ(شامی ٥/٧)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کرایہ پیشگی باہمی رضامندی سے وصول کرلیا جائے درست ہے۔(کفایت المفتی ٧/٣٦٧)

اس لیے کسی موقعہ پر کرایہ دار سے پیشگی کرایہ لینے میں کوئی حرج نہیں؛ بشرطیکہ عقد اجارہ درست اور مکمل ہوجانے کے ساتھ ساتھ اجارہ منجزہ ہو، یعنی یہ اجارہ کا معاملہ فوری طور پر عمل میں آرہا ہو، آنے والے وقت پر موقوف نہ ہو؛ لیکن صورتِ مسئولہ میں جو رقم ٹرسٹیان مسجد وصول کررہے ہیں وہ پیشگی کرایہ نہیں ہے، اولاً تو اس لیے کہ خود فریقین (رقم لینے والا فریق ٹرسٹیان اور رقم دینے والا فریق دونوں مسلمان) اس کو کرایہ نہیں سمجھ رہے ہیں؛ بلکہ قرض سمجھ رہے ہیں اور کہہ بھی رہے ہیں۔ ثانیاً اس لیے کہ پیشگی کرایہ والی جو صورت شریعت میں جائز ودرست ہے، اس میں اولاً تو عقدِ اجارہ ہونا چاہیے، اور ثانیاً اجارۂ منجزہ ہونا بھی ضروری ہے، اور صورتِ مسئولہ میں

سرے سے عقد اجارہ ہی نہیں ہوا ہے، اور اگر ایجاب وقبول کے ذریعہ عقد اجارہ کر بھی لیں تو وہ اجارہ شرعاً درست نہیں ہے، اس لیے کہ عین مؤجرہ (وہ چیز جو اجارہ پر دی جارہی ہے) یعنی دوکان موجود نہیں ہے؛ حالاں کہ اس کا موجود و متعین ہونا اجارہ میں ضروری ہے، اور جب موجود ہی نہیں تو متعین کیسے ہوگی؟۔

منها: بيان محل المنفعة حتى لو قال آجرتك احدى هاتين الدارين او احد هذين العبدين، أو استأجرت احد هذين الصانعين لم يصح العقد. (فتاوى عالمگيرى ٤ /٤١١)

الحاصل جب عقدِ اجارہ نہیں ہے تو پیشگی دی جانے والی رقم کو اجرت کا نام نہیں دے سکتے، اس لیے لامحالہ یہ قرض ہے، اب جب کہ وہ قرض ہوئی تو یہ قرض بلاشرط ہوتا تو کوئی حرج نہیں تھا کہ یہ مسجد کی امداد کی ایک صورت ہے؛ لیکن صورتِ مسئولہ میں رقم دینے والے یہ دونوں مسلمان اس قرض کے ذریعہ یہ فائدہ حاصل کررہے ہیں کہ بننے والی دوکانوں کو خود کرایہ پر لینے کا معاملہ اس قرض کی وجہ سے اپنے حق میں کروارہے ہیں، جو ایک قسم کا نفع ہے جو وہ حاصل کررہے ہیں، اس لیے "كل قرض جر نفعا فهو حرام" کے تحت داخل ہوکر یہ ممنوع ٹھہرتا ہے؛ البتہ صورتِ مسئولہ میں چوں کہ مسجد کو بھی رقم کی ضرورت ہے، اور کوئی آدمی بلاشرط قرض دینے کے لیے تیار نہیں ہے تو ایسا کرلیا جائے کہ ان دونوں مسلمان کو جو دوکانیں بننے کے بعد کرایہ پر دی جانے والی ہیں، وہ جس جگہ تعمیر ہوں گی وہ جگہ متعین کرکے فی الحال ان دونوں سے جگہ کے اجارہ کا معاملہ کرلیا جائے، یعنی یوں کہہ دیا جائے کہ یہ جگہ ہم نے آپ کو ماہانہ اتنے کرایہ کے حساب سے اتنی مدت کے لیے کرایہ پر دی، اور اس جگہ کا قبضہ بھی

انہیں سپرد کر دیا جائے، اب یہ عقد اجارہ مکمل و منجز ہو گیا، اور ان سے پیشگی کرایہ لینا درست ہو گیا، اس کے بعد جب اس پر دو کان تعمیر ہو جائے تو دکان کے حساب سے جتنا کرایہ بڑھانے کی ضرورت ہو بڑھا دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پڑوسی کو تکلیف دینے والے کو مکان کرایہ پر دینا گناہ ہے

سوال: احقر ہیتا کا رہنے والا ہے، ہمارے پڑوس میں ایک مولانا صاحب کا مکان ہے، جنھوں نے اپنا مکان شیعی کو کرایہ پر دے کر خود بمبئی میں قیام پذیر ہیں، اور سال بھر میں صرف ۱۵ یا ۲۰ دن کے لیے اپنے مقام پر آتے ہیں، وہ مستاجر شیعی سنیوں سے بے حد تعصب رکھنے والا ہے، اس کی نظریں بھی نہایت ہی خراب ہیں؛ نیز بسا اوقات نشہ آور اشیاء بھی استعمال کر لیتا ہے، اور نہ جانے کیا کیا بری عادتوں کا خوگر ہے، جس کی وجہ سے پڑوس کے مسلمان حضرات کو بیحد تکلیفیں ہوتی ہیں؛ نیز اس کی بری عادتوں کی وجہ سے پڑوس کے مسلمان حضرات کے لیے اپنی اپنی مستورات کی بے عزتی کا بھی خطرہ ہے، احقر نے اصل صاحبِ مکان سے مستاجر شیعی کی تمام بری عادتوں اور اس کی وجہ سے پڑوسیوں کی تکلیفوں کا تذکرہ بھی کیا؛ لیکن صاحب مکان کا کہنا ہے کہ مستاجر شیعی کا رویہ ہمارے ساتھ بہت اچھا ہے، اس لیے ہم ان کو خالی نہیں کروائیں گے۔

اب احقر کا سوال یہ ہے کہ ایسے صاحب مکان کے لیے شریعت کی کیا ہدایت ہے؟ کیا اس کے لیے ایسے مستاجر کو اپنا مکان کرایہ پر دینے کا پورا پورا اختیار ہے کہ

جس مستاجر کی وجہ سے تمام پڑوسیوں کو تکلیف ہو؟ یا کوئی اور ہدایت ہے؟ مدلل ومفصل جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنٰت بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثماً مبینا﴾ (الأحزاب: ۵۸)

یعنی جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ (ایسا کام) کیا ہو، (جس سے وہ مستحق سزا ہو جائیں) ایذاء پہنچاتے ہیں، تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا (اپنے اوپر) بار لیتے ہیں، (یعنی اگر وہ ایذاء قولی ہے تو بہتان ہے، اور اگر فعلی ہے تو مطلق گناہ ہی ہے)۔ (معارف القرآن ۷/۲۲۶)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: مذکورہ آیت سے کسی مسلمان کو بغیر وجہ شرعی کے کسی قسم کی ایذاء اور دکھ پہنچانے کی حرمت ثابت ہوئی۔ (معارف القرآن ۷/۲۲۹)

یہ تو عام اہل ایمان کو حکم ہے، جب کہ پڑوسی کے سلسلہ میں مزید تاکید قرآن وحدیث میں وارد ہے۔ مشکوۃ میں حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضرت جبریل پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کے معاملہ میں مجھے برابر تاکید کرتے رہے؛ یہاں تک کے مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دیں گے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ آدمی مؤمن نہیں،

پوچھا گیا کون اے اللہ کے رسول! فرمایا: وہ آدمی جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور ایذارسانیوں سے مامون نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کا پڑوسی اس کی ایذارسانیوں سے مامون نہ ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (مسلم شریف، مشکوۃ شریف ص:۴۲۲)

صورت مسئولہ میں آپ کے پڑوسی صاحب مکان (جو خود بمبئی میں قیام پذیر ہیں) نے ایک شیعی کو جو سنیوں سے بے حد تعصب رکھنے والا ہے؛ نیز منشیات اور دیگر برائیوں کا خوگر ہے، اپنا مکان کرایہ پر دے کر پڑوسیوں پر اس کو مسلط کر دیا، ان کو چاہیے کہ ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ اس طرح کرایہ پر دینے سے کچھ رقم کا فائدہ ضرور ہوگا، اور بحیثیت مستاجر کے اس کا رویہ صاحب مکان کے ساتھ چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، (اور ہونا ہی چاہیے، ورنہ صاحب مکان خود ہی بغیر کسی کے کہے خالی کرواتا ہے) لیکن اس کے سوال میں مذکورہ بری عادتوں کی وجہ سے پڑوسیوں کو جو ایذاء پہنچ رہی ہے اس میں یہ صاحب مکان بھی سبب بننے کی وجہ سے شرعاً شریک سمجھے جائیں گے، اور ان سے بھی اس سلسلہ میں روز قیامت پرسش ہوگی، کہیں ایسا نہ ہو کہ بفحوائے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چیز جنت میں دخول اولین سے رکاوٹ بن جائے، اس لیے ان کو چاہیے کہ پڑوسیوں کو پہنچنے والی تکالیف کو مدنظر رکھتے ہوئے اس عقد اجارہ پر نظر ثانی کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

پٹے پر لی گئی زمین بحکم اجارہ ہے

سوال: زید نے ایک مزروعہ زمین ۱۹۴۰ء میں برائے کارخانہ ۹۹/ سال پر پٹے سے لیا، (یعنی بیع نامہ ہوگیا) زید نے مذکورہ زمین نون ایگری کلچر (بن کھیتی) کرا کر اس میں کارخانہ ڈالا، اور خالد کو کارخانہ میں حصہ دار بنایا (زمین میں شریک نہیں بنایا) اور نون ایگری کلچر کا ٹیکس آج تک کارخانہ کے نام سے ادا کیا جارہا ہے، اور ٹیکس ''زید اینڈ کمپنی'' کے نام سے ادا کیا جاتا ہے، اچانک ۱۹۴۸ء میں زید کا انتقال ہوگیا، کچھ دنوں میں کارخانہ بند ہوگیا، اس کے بعد زید کے کاروباری حصہ دار خالد نے کارخانہ کو ایک تحریر نامہ لکھ کر عمر کو فروخت کیا، فروخت کی اطلاع مرحوم زید کے لڑکے سید ترمذی کو نہیں دی، کچھ مدت بعد جب سید کو اطلاع ملی تو اس پر اپنا حق دائر کیا، لمبی مدت گزر جانے کی وجہ سے کارخانہ کی ساری مشینیں وغیرہ عمر نے فروخت کردیں، صرف اور صرف زمین اور کچھ اینٹیں باقی ہیں، تو مذکورہ مسئلہ میں سوال طلب یہ ہے کہ:

① یہ زمین از روئے شریعت زید کے لڑکے سید کی ہے یا عمر کی؟ جب کہ عمر بھی اپنا دعویٰ کرتا ہے یہ دعویٰ کیسا ہے؟

② کارخانہ کا مال واسباب و مشینیں وغیرہ وغیرہ کا فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جو زمین پٹے پر لی گئی ہے وہ بیع نہیں ہے؛ بلکہ اجارہ ہے، اور شرعاً عقد اجارہ مستجیر یعنی زید کے انتقال کی وجہ سے ختم ہوچکا، اس لیے زمین مالک اصلی کی ہے، زید کی نہیں۔

(۲) کارخانہ کی مشین اور دیگر اسباب اگر زید نے اپنے مال سے خرید اتھا تو وہ زید کی ملکیت تھی، جو زید کے انتقال کے بعد اس کے شرعی ورثاء کی طرف منتقل ہوگی بشرطیکہ زید پر دین محیط نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

زمین کو کرایہ پر لینا

سوال: زید نے بکر سے اس کی کاشت کی زمین ایک سال کے لیے رائج الوقت کرایہ پر لی، یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ وأما فی إجارة الأرض فلابد فیها من بیان ماتستأجر له من الزراعة الخ (بدائع الصنائع: ۴/۱۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

غیر حاضری کے باوجود پوری فیس بھرنے کا قانون

سوال: ہمارے مدرسہ میں ایک قانون ہے کہ طالبات علم مدرسہ میں فیس بھر کر کھانا کھاتی ہیں، اور اگر کوئی طالبہ ایک دو دن یا زیادہ دن غیر حاضری یا اور کسی وجہ سے کھانا نہ کھائے تو اتنا واپس نہیں دیا جائے گا؛ بلکہ پورا پورا بھرنا ہوگا، یہ قانون مدرسہ کے نظام کی سہولت کے پیش نظر رکھا گیا ہے، اور داخلہ کے وقت بھی اس شرط کو پیش کر کے والدین کو مطلع کیا جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر کیا صورت اختیار کی جائے؟ کیوں کہ ایک دو کے نہ ہونے کی وجہ سے اخراجات میں کوئی کمی نہیں

آتی؛ بلکہ کھانا تو پورا پورا پکتا ہے، اور اگر بہت زیادہ دن یا پورا مہینہ غیر حاضر رہتی ہے، تو پھر اس کا حساب کر کے کاٹا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

طالبہ کے کھانے پر ادارہ کو جو مصارف واقعۃً ہوتے ہیں اس کے مطابق ماہانہ خوراکی فیس رکھی گئی ہے، تو اس صورت میں جتنے دن طالبہ نے کھانا وصول نہیں کیا اور وہ اپنی غیر حاضری کی اطلاع بھی دے چکی تھی، تو اتنی رقم اس کو واپس ملنی چاہیے؛ البتہ اگر طالبہ کے والدین بہ رضا و رغبت اتنی رقم واپس نہ لیں، تو ادارہ کے لیے اس کے استعمال کی اجازت ہے؛ لیکن اگر طالبہ کے والدین محض قانونی دباؤ کی وجہ سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرتے، ورنہ دل سے راضی نہیں ہیں، تو ادارہ کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

اور اگر مقرر کردہ ماہانہ خوراکی فیس واقعی مصارف سے کم ہے تو درحقیقت یہ والدین کی طرف سے ایک امداد ہے، اس صورت میں طالبہ کی دو چار یوم کی غیر حاضری پر اس حصہ کی رقم کی واپسی نہ بھی ہو تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/۱۴۱۰ھ

قرض وصولی کا عقد اجارہ اور وصول کردہ دین سے اجرت

سوال: شہر بمبئی میں ''الف'' ٹرانسپورٹ کے بڑے ٹھیکدار ہیں، ''ب''، ''ت'' اور ''ث'' ٹرک کے مالکان ہیں اور ان کے ٹرک ''الف'' کے ٹھیکے میں بمبئی سے قریب ۵۰، ۶۰/ کلومیٹر دوری پر جواہر لال نہرو پورٹ سے مال بھر کر بمبئی میں

بہت سی کمپنیوں کو پہنچاتے ہیں، ''ب، ت اور ث'' کو اپنے ٹرکوں کا کرایہ لینے کے لیے ''الف'' کے آفس پر بمبئی میں دو یا تین بار اپنا قیمتی وقت اور روپیہ صرف کر کے جانا پڑتا ہے، پہلی بار مال کی پہنچ یعنی رسید جمع کرنے کے لیے دوسری بار اسٹیٹ مینٹ یعنی کشف الحساب جانچنے اور تاریخ پے منٹ کی معلوم کرنے کے لیے اور تیسری مرتبہ پیسہ وصول کرنے کے لیے۔

''ب، ت اور ث'' ان ٹرک مالکان میں سے ''ب'' کا اپنا چھوٹا سا ٹرانسپورٹ کا آفس جواہر لال پورٹ کے قریب ایک قصبہ میں ہے جہاں وہ خود اپنے ٹرک کرایہ پر دینے کے ساتھ ساتھ کچھ کمپنیوں میں دوسروں کے ٹرک بھی کرایہ پر کمیشن وصول کر کے چلاتے ہیں، اب ''ب'' کا ارادہ یہ ہے کہ یہاں پورٹ ہونے کی وجہ سے بہت سے ٹرک مالکان جن کے ایک یا دو ٹرک ہیں اور اکیلے ہی کام کرتے ہیں، ان کے لیے مشکل ہوتا ہے کہ ہر بار بمبئی جا کر ''الف'' سے پیسے وصول کریں، ''ب'' یہ سوچتا ہے کہ کچھ سرمایہ لگا کر ''ت'' اور ''ث'' کی طرح ٹرک مالکان کو سہولت مہیا کرے کہ وہ اپنی مال پہنچ رسید ''ب'' کے آفس پر جمع کریں اور اس سے یعنی ''ب'' سے نقد پیسہ وصول کریں، اور ''ب'' اپنی رسیدوں کے ساتھ ''ت'' اور ''ث'' کے چالان اور مال رسید ''الف'' کے آفس میں بعد میں جمع کر کے اپنے نام پر ''الف'' سے روپیہ وصول کر لے گا جو اسے ۱۵، ۲۰ / روز بعد ملے گا، اب اس کام کی اجرت، اخراجات اور سرمایہ کے منافع کے طور پر ''ب'' دوسروں سے یعنی ''ت'' اور ''ث'' سے فی ٹن چار، پانچ روپیہ وصول کرے گا، اسلامی نقطۂ نظر سے کیا ''ب'' کا یہ کمیشن اور دلال کا کام جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس معاملہ کو درست طور پر انجام دینے کی ایک صورت یہ ممکن ہے کہ ''ت'' اور ''ث'' وغیرہ ''ب'' کو ان کا دین جو ''الف'' کے ذمہ ہے اس کی وصولیابی کا وکیل بنائیں، اور وہ حضرات ''ب'' کو وکالت اور خدمت کی متعینہ اجرت ادا کریں، اس کے بعد وہ حضرات ''ب'' سے رسید کی مقدار رقم بطور قرض لیں اور اپنی طرف سے ''ب'' کو اس بات کی اجازت دے دیں کہ وہ ''الف'' سے ان کا جو دین وصول کرے گا اس میں سے اپنا یہ قرض وصول کر لے۔

الحاصل: یہاں دو معاملے الگ الگ ہونے چاہیے: (۱) ''الف'' سے اپنا دین وصول کرنے کا ''ب'' کو اجرت متعینہ کے ساتھ وکیل بنانا۔ (۲) ''ب'' سے قرض لینے کا معاملہ اور ''الف'' سے وصول شدہ دین کی رقم میں سے قرض کی رقم وصول کرنے کی اجرت؛ البتہ یہ یاد رہے کہ دونوں معاملے الگ الگ ہوں اور ان میں سے ایک معاملہ کو دوسرے کے لیے مشروط نہ قرار دیا جائے۔ (ماخوذ از تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۶۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کرایہ داری کے ایک معاملہ میں مدعی اور مدعی علیہ کی تعیین

سوال: اقبال کی ایک عمارت ہے، داؤد نے اقبال سے اس عمارت میں ایک دوکان دس سال کرایہ پر لی، ساڑھے چھ سال بعد داؤد دوکان فروخت کرنا چاہتے ہیں، اقبال نے داؤد کو دوکان فروخت کرنے کی اجازت دی اس شرط پر کہ داؤد ہی کرایہ کے ذمہ دار ہوں گے۔

(ب) داؤد کا دعوی ہے کہ جب اقبال نے اسے کرایہ کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا تو اس نے اقبال سے کہا تھا کہ آپ مجھے کرایہ کا ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتے، اس پر اقبال نے کہا تھا: سب ٹھیک ہے۔ تحکیم کمیٹی نے اقبال سے دریافت کیا کہ آپ نے داؤد کو کرایہ کی ذمہ داری سے دستبردار ٹھہراتے ہوئے کہا تھا ''سب ٹھیک ہے''۔ اقبال نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں؛ لہٰذا تحکیم کمیٹی اقبال سے انکار پر قسم نہیں لے سکی، داؤد سے شہادت لی گئی کہ اقبال نے اسے کرایہ سے دستبردار کرتے ہوئے ''سب ٹھیک ہے'' کہا تھا۔

دوسرا یہ کہ نئے کرایہ دار چار ماہ تک براہِ راست اقبال کے بینک اکاؤنٹ میں کرایہ ڈالتے تھے، ایک ماہ تاخیر ہوئی، اقبال نے داؤد سے رابطہ قائم کیا کہ وہ نئے کرایہ دار سے کرایہ وصول کرے۔ داؤد کا دعوی ہے کہ اس نے کہا کہ میرا ان لوگوں کے ساتھ تعلق نہیں، وہ آپ کے نئے کرایہ دار ہیں، اور اقبال سے یہ بھی پوچھا گیا کہ آپ نے نئے کرایہ دار سے کاغذی کاروائی کی؟ اقبال نے کہا رمضان کے بعد کروں گا۔ کاغذی کاروائی سے مراد آپس کے کرایہ کا معاملہ قانونی کاغذ میں کرلے۔

کمیٹی نے اقبال سے ان جملوں کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا مجھے معلوم نہیں؛ چوں کہ انکار بھی نہیں کیا؛ لہٰذا داؤد سے قسم بھی نہیں لی گئی، اور اس کے بھائی -جنہوں نے اس بات کو اسپیکر فون سے جس میں طرفین کی باتیں سنائی جاتی ہیں- نے اس پر شہادت دی؛ البتہ اقبال کا اصرار ہے کہ داؤد کرایہ کا ذمہ دار ہے، ایسی صورت میں جمعیت کی تحکیم کمیٹی کی طرف سے گذارش ہے کہ کس کے حق میں اور کس کے خلاف فیصلہ کیا جائے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

صورت مسئولہ میں اقبال مدعی ہے، جس کا دعوی یہ ہے کہ داؤد کو میں نے کرایہ کا ذمہ دار بنایا تھا، اور داؤد نے اس ذمہ داری کو منظور فرمایا ہے، گویا کہ داؤد کفیل ہے، اور داؤد منکر ہے؛ اس لیے شہادت پیش کرنے کی ذمہ داری اقبال پر ہے، اگر وہ شہادت پیش نہیں کرتا تو داؤد سے قسم لے کر مقدمہ فیصل کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بس کا کرایہ کم دینا اور جائز کہنا

سوال: ایک شخص ڈابھیل سے سملک بس میں سوار ہو کر گیا، جب سملک آنے پر ٹکٹ چیکر نے ٹکٹ کے پیسوں کا مطالبہ کیا تو ان لوگوں نے اولاً دینے سے انکار کر دیا، چیکر کے اصرار پر ۲/ روپیہ دیا اور ٹکٹ تین روپیہ ہوتی ہے، اور چیکر نے ٹکٹ بھی نہیں دیا؛ کیوں کہ ایک روپیہ کم تھا اور وہ دو روپیہ اپنے جیب میں ڈال دیا، ظاہر بات ہے کہ سرکار کا نقصان ہوا، ہمارے کہنے پر کہ آپ نے یہ کام بہت غلط کیا تو اس شخص نے ہم سے حجت کی اور کہا کہ ہم سال میں چالیس ہزار روپئے گاڑی کا روڈ ٹیکس دیتے ہیں، اس وجہ سے ہمارے لیے جائز ہے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں فتویٰ دیتا ہوں کہ ایسا مال کھانا میرے لیے جائز ہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

کرایہ پر چلنے والی بس میں جب کوئی آدمی سوار ہوتا ہے تو اس کا یہ فعل عقدِ اجارہ ہے، اب وہ جہاں تک کے لیے سوار ہوا ہے اس کا جو مقررہ کرایہ (اجرت) ہے

وہ کنڈیکٹر کے ہاتھ میں دے کر ٹکٹ لینا ضروری ہے؛ تاکہ وہ رقم بس کے مالک تک پہنچ جائے، اجرت کی مقررہ مقدار سے کم رقم کنڈیکٹر کو دے کر ٹکٹ لیے بغیر سفر کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، دونوں گنہگار ہیں۔ اس آدمی نے اپنی اس حرکت کو درست گردانے کے لیے جو بات کہی ہے اگر افتاء کا کام مستند علماء کی زیرِ نگرانی سیکھا ہے، اور ان علماء نے ان کو فتویٰ دینے کا اہل قرار دیا ہے تب تو ٹھیک ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو ان کی یہ جرأت سابقہ حرکت سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ "عن سفيان بن عيينة، وسحنون: أجسر الناس على الفتيا أقلهم علماً". (منقول از شرح المهذب مقدمہ شرح عقود رسم المفتی: ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ رجب ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چشمہ سازی کے دوران ہونے والے نقصان کا تاوان کس پر؟

سوال: ایک شخص کا چشمہ کا کاروبار ہے، گاہک کا چشمہ بنانے کے دوران اس کا شیشہ یا فریم ٹوٹ گیا، تو کیا اس کا تاوان دکان والے کے ذمہ ہوگا؟ واضح رہے کہ دکان کی جو رسید بل ہے اس میں لکھ دیا گیا ہے چشمہ میں کوئی خطرے کا کام ہو تو وہ گاہک کے ذمہ ہوگا، کیا اس نوٹس کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑے گا؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

صورت مسئولہ میں اس کی حیثیت اجیرِ مشترک کی ہے، اس لیے اس کے عمل سے جو نقصان چشمہ کو پہنچے گا (چاہے وہ بلا ارادہ پہنچا ہو پھر بھی) وہ ضامن ہے۔

"ویضمن ما هلك بعمله الخ (درمختار) أی من غير قصد في قول علماء نا الثلاثة الخ (شامی ٥/٤٦)

نوٹس کی وجہ سے ضمان سے بری ہونے کی صراحت کسی کتاب میں نظر نہیں آئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۴ھ

بھینس چَرانے کا اجارہ اور دبلی ہوجائے تو اجرت میں کمی کرنا

سوال: سالویز فارم کے ذمہ دار نے زید کو بھینس ماہانہ دوسو روپیہ کے عوض میں پرورش کے لیے دی، کچھ ماہ کے بعد زید نے بھینس کو مالک سالویز فارم کو واپس کی، مالک سالویز فارم نے دیکھا کہ بھینس دبلی اور کمزور ہوگئی ہے، تو وہ زید کو ماہانہ دوسو روپیہ اجرت کے بجائے ماہانہ ایک سو روپیہ اجرت دیتا ہے، تو کیا شرعاً دبلا ہونے کی وجہ سے اجرت میں کمی کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

عقد اجارہ بھینس کی چرائی اور پرورش وغیرہ پر ہوا تھا (جو اجیر کی اختیاری چیز ہے) تو اس میں بھینس کا موٹا پن یا دبلا پن داخل نہیں ہے؛ اس لیے سالویز فارم والے کے لیے جائز نہیں ہے کہ اجرت میں کمی کرے اور اگر بوقتِ عقد شرط لگائی تھی، کہ بھینس کو موٹا کر کے واپس کرنا ہوگا، تو ظاہر ہے کہ یہ اجیر کا اختیاری فعل نہیں ہے؛ اس لیے یہ عقد ہی فاسد ہوگا۔ كما هو مقتضى شرائط الاجارة.

"بدائع الصنائع" میں ہے: ومنها أن يكون مقدورالاستيفاء حقيقة

أو شرعاً لأن العقد لايكون وسيلة إلى المعقود بدونه.(٤/ ١٨٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بھینس مرنے کی وجہ سے اجرت پر اثر

سوال: سالویز فارم کے مالک نے زید کو بھینس پرورش کے لیے ماہانہ ۲۰۰ روپیہ کے عوض میں دی، بھینس زید کے وہاں مرگئی، تو سالویز فارم کا مالک کہتا ہے کہ تیری بے پرواہی کی وجہ سے مرگئی، یہ کہہ کر اجرت کم کر دیتا ہے، اور بعض مرتبہ بالکل نہیں دیتا تو بھینس کے مرنے کی وجہ سے اجرت کا کم کرنا یا بالکل نہ دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جب بھینس پرورش کرنے والے کے پاس مرگئی، تو اب اجرت ساقط ہوگئی؛ اس لیے سالویز فارم والے کا اجرت بالکل نہ دینا درست ہے، اور کچھ دے دیتا ہے تو یہ اس کا احسان ہے۔

فهلكه قبل تسليمه يسقط الأجر، وكذا كل من لعمله أثر ومالا أثر له كجمال له الأجر كما فرغ و إن لم يسلم بحرة.(درمختار) (قوله وكذا كل من لعمله أثر) أي في أنه لو هلك فى يده لا أجر له.(شامی ٥/ ١٠)

إن المدار في وجوب الأجر على الفراغ منه لا على التسليم إلا أنه مع هذا يشترط لاستحقاقه فيما إذا كان للعمل أثر عدم هلاك العين

قبله حتى لو هلكت قبله سقط بخلاف مالم يكن له أثر الخ. (تقریرات الرافعی ۲/ ۲۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بھینس کے گابھن ہونے نہ ہونے میں اجرت کا فرق

سوال: ① بمبئی سے بھینس عام طور پر گابھن ہوکر سالویز فارم کے مالک کے پاس آتی ہیں، بعض مرتبہ کسی بھینس کے بارے میں شک ہوتا ہے کہ گابھن ہے یا نہیں؟ تو مالک سالویز فارم پرورش کرنے والے کو ایسی بھینس یہ کہہ کر دیتا ہے، کہ تم لے جاؤ اگر بھینس گابھن نکلی، تو ماہانہ ۱۰۰ روپیہ کے حساب سے اجرت دیں گے، اور اگر تمہارے یہاں آکر بھینس گابھن ہوئی، تو بچہ جننے پر بھینس کی پوری قیمت کا ثلث تم کو دیں گے، تو کیا پرورش کے لیے اس طرح شرعاً اجرت طے کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

② جو بھینس خالی (گابھن نہ ہو) ہوتی ہے، ان کو پرورش کے لیے دینے کی ایک شکل یہ ہوتی ہے، کہ اس بھینس کی پرورش کرو، اور جب گابھن ہوکر بچہ دے گی، تو اس بھینس کی پوری قیمت طرفین کی رضامندی سے طے کر کے کبھی ایک ثلث، کبھی دو ثلث اور کبھی نصف قیمت، پرورش کرنے والے کو پرورش کے عوض میں دی جاتی ہے، بعض مرتبہ اس بھینس کو پرورش کرنے والا ہی قیمۃً رکھ لیتا ہے اور سالویز فارم کے ذمہ دار کو قیمت دے دیتا ہے، تو اس طرح معاملہ اور خرید وفروخت کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① صورت مسئولہ میں جہالتِ اجر کی وجہ سے یہ اجارہ فاسد ہے۔

وشرطها أن تكون الأجرة والمنفعة معلومتين.(تبیین الحقائق ۵/ ۱۰۵)

(۲) یہ اجارہ بھی فاسد ہے۔ کمامر. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جفتی کرانے کی اجرت

سوال: ایک شخص بھینسا (کٹرا) رکھتا ہے، اور بھینس کو جفتی کرانے کے عوض میں دو کلو تیل یا دس انڈے اس بھینسے کو کھلانے کے لیے لیتا ہے، یا ان کی قیمت لیتا ہے، تو کیا اس طرح جفتی کرانے کے عوض میں بھینسے کے لیے مذکورہ اشیاء لینا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ جائز نہیں ہے۔(لا تصح الإجارة لعسب التيس) وهو نزوه على الاناث.(درمختار) (قوله لا تصح الإجارة لعسب التيس) لأنه عمل لا يقدر عليه وهو الإحبال.(شامی ۵/ ۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: ایک بستی میں صرف ایک ہندو ہی کی ملکیت میں بھینسا ہے اور وہ اجرت جفتی لیتا ہے، اور ہمیں مجبوراً دینا پڑتا ہے تو دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر دوسری جگہ بھینس لے جانا ممکن ہو تو اس ہندو سے معاملہ نہ کرے، اور اگر ایسا

ممکن نہیں ہے تو اس ہندو سے اجارہ کا معاملہ نہ کرے؛ بلکہ بغیر عقد اجارہ اس کے احسان کے عوض خود بھی احسان کا کوئی سلوک بلا تعیین کر دے، اس سلسلہ میں دیگر حضرات علماء سے استفسار کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اجیر کا تنخواہ دے کر دوسرے سے کام کرانا

سوال: بمبئی سے جو بھینس سالویز ہونے کے لیے گجرات میں آتی ہے، تو سالویز فارم سنبھالنے والا آدمی بھینس کو پرورش کے لیے، کسی دوسرے آدمی کو ماہانہ سو روپئے اجرت پر دیتا ہے، اور جب تیار ہو جاتی ہے، تو بمبئی بھیج دیتا ہے تو اس طرح پرورش کے لیے دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بھینس کے مالک نے یہ شرط لگائی کہ سالویز فارم والا خود ہی بھینس کو چرائے اور پرورش کرے تو اس صورت میں وہ دوسرے کو سپرد نہیں کر سکتا، اور اگر ایسی کوئی شرط نہیں لگائی ہے، تو وہ دوسرے کے ذریعہ بھی کام لے سکتا ہے۔

(وإذا شرط على الصانع أن يعمل بنفسه ليس له أن يستعمل غيره) لأن المعقود عليه العمل في محل بعينه فيستحق عينه كالمنفعة في محل بعينه (وإن أطلق له العمل فله أن يستأجر من يعمله) لأن المستحق عمل في ذمته ويمكن ايفاء ه بنفسه وبالاستعانة بغيره بمنزلة ايفاء الدين.(هداية كتاب الاجارة باب الاجر متى يستحق)

وإذا شرط على الصانع أن يعمل بنفسه نقل عن حميدالدين الضرير

رحمه الله هو مثل أن يقول أن تعمل بنفسك أو بيدك مثلاً.

(شرح العناية على هامش الفتح ۹/ ۷۸)

(وإذا شرط عمله بنفسه) بأن يقول له اعمل بنفسك أو بيدك (لايستعمل غيره إلا الظئر فلها استعمال غيرها) بشرط وغيره خلاصة (وإن أطلق كان له) أى للأجير أن يستاجر غيره.(درمختار على هامش الشامي ۵/ ۱۲)

(قوله وإن أطلق) بأن لم يقيده بيده قال خط هذا الثوب لي أو أصبغه بدرهم مثلاً لأنه بالاطلاق رضي بوجود عمل غيره قهستاني (شامی ۵ /۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اجرت کا کچھ حصہ بچا کر رکھنا اور دوسروں سے کام لینا

سوال : بمبئی میں بھینسوں کا مالک گجرات میں سالویز فارم والے پر بھینس بھیجتا ہے، اور دونوں میں یہ بات طے ہوتی ہے کہ سالویز فارم والا خود یا کسی دوسرے کے پرورش کے لیے ماہانہ فی بھینس ۱۵۰ / روپیہ دیوے، اب مالک سالویز فارم فی بھینس کی پرورش کی اجرت ماہانہ ۱۰۰ / روپیہ کے حساب سے دوسروں کو دیتا ہے، اور بقیہ ۵۰ / روپیہ خود لے لیتا ہے، اور بمبئی کے مالکِ بھینس کو اس بات کا علم نہیں ہوتا؛ حالاں کہ مالک سالویز فارم کو مالکِ بھینسوں کی جانب سے بھینسوں کو مختلف جگہوں پر پرورش کے لیے بھیجنا اور وقتاً فوقتاً ان کی نگرانی کرنا، اور بھینسوں کو تیار ہونے کے بعد جمع کر کے بمبئی بھیجنا وغیرہ، کی محنت کے صلہ میں الگ سے فی بھینس پر اجرت دے دی جاتی ہے، تو اس طرح سالویز فارم والے کا ۵۰ / روپیہ فی بھینس مالکِ بھینس کی

لاعلمی میں لینا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بھینس کا مالک سالویز فارم والے کے ساتھ جو معاملہ کر رہا ہے، اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت تو یہ ہے کہ بھینس کی پرورش کی ذمہ داری اور اس کام کو انجام دینے کا معاملہ وہ براہِ راست سالویز فارم والے کے ساتھ کرے اور یہ کام خود اسی کو اپنے ہاتھ سے انجام دینا ہے ایسی کوئی شرط نہ لگائے تو اس صورت میں سالویز فارم والے کو اختیار ہے چاہے وہ خود یہ کام کرے یا دوسرے سے کرائے، (جیسا کہ جوابِ سابق میں گزر چکا) اب وہ خود یہ کام انجام دے رہا ہے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ اس کام کی انجام دہی کے لیے دوسرے آدمی سے معاملہ کرتا ہے اور اس کی اجرت جو طے کرتا ہے وہ اس اجرت سے کم ہے جو سالویز فارم والے کو دی جارہی ہے اور بقیہ رقم وہ خود لے لیتا ہے جس کا اصل مالک کو علم بھی نہیں ہے، تو اگر سالویز فارم والے نے دوسرے آدمی کو اجرت اپنی رقم سے ادا کی ہے اور مالک کے پاس سے آئی ہوئی پوری رقم خود رکھ لی یا بھینس کی پرورش کے کام میں تھوڑا بہت اس نے بھی حصہ لیا، (مثلاً دو چار یوم خود یہ کام کیا پھر دوسرے کو سپرد کیا) تو یہ زیادتی (مثلاً صورتِ مسئولہ میں پچاس روپیہ) اس کے لیے حلال ہے، ورنہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس زیادتی کو صدقہ کرے۔ كما يدل عليه هذه المسئلة:

ولو دفع إلى اسكاف أديماً ليقطع له خفا ويخرزه بأربعة دراهم فدفعه إلى آخر بدرهمين إن أعطاه وأداه من عنده أو عمل بعض الأعمال طابت له الزيادة وإلا يتصدق بها كذا في التتارخانية. (عالمگیری ۴/ ۵۲۰)

دوسری صورت یہ ہے کہ بھینس کے مالک نے سالویز فارم والے کو اس کا وکیل بنایا کہ تم بھینس کی پرورش کا کام دوسرے آدمی سے اتنی مقدار اجرت میں کراؤ، اور اس نے اس سے کم میں وہ کام کرایا، (مثلاً صورت مسئولہ میں ڈیڑھ سو میں کرانے کے بجائے سو میں کرایا) تو اس صورت میں سالویز فارم والے کے لیے ضروری ہے کہ بھینس کے مالک سے وہی کم مقدار جس میں اس نے دوسرے سے کام کرایا ہے وصول کرے، اور کام کرنے والے کو ادا کرے، (مثلاً صورتِ مسئولہ میں صرف سو روپئے) مؤکل (مالکِ بھینس) کی مقرر کردہ پوری مقدار وصول کر کے زیادتی اپنے پاس رکھ لینا حرام وناجائز ہے۔

الوكيل بالاستيجار يملك الاستئجار بالدراهم والدنانير والمكيل والموزون إذا كان بغير عينه، ولا يملك الاستئجار بعرض بعينه ولا بمكيل أو موزون بعينه كذا في المحيط ولو آجرها بأكثر مما سمى له من الدراهم جاز، وكذلك الوكيل بالاستئجار مدة معلومة بدراهم مسما إذا استأجرها بأقل من ذلك كذا فى المبسوط.(عالمگیری ۳/ ۶۰۲)

الوكيل إذا خالف إن خلافا إلى خير في الجنس كبع بألف درهم، فباعه بألف ومأة نفذ.(درمختار علی هامش الشامي۴/ ۴۵۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مبیع تولوانے کی اجرت بائع کے ذمہ ہے

سوال: تجارت میں بعض زیادہ وزنی اشیاء کا بذریعۂ مزدور تول کیا جاتا ہے جس کی مزدوری یعنی مزدور کی اجرت مشتری سے لی جاتی ہے، اور کبھی تاجر ایسی اشیاء کو

اپنے ملازم سے تلوا کر مشتری سے مزدوری وصول کر کے خود لے لیتا ہے، شرعاً یہ دونوں صورتیں صحیح ہیں جب کہ عرفاً مشتری کو مجبوراً یہ مزدوری دینا ہی پڑتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مبیع کو تَولوانے کی اجرت بائع کے ذمہ ہے۔

(وأجرة كيل ووزن وعد وذرع على البائع) لأنه من تمام التسليم. (درمختار) (قوله لأنه من تمام التسليم) إذ لايتحقق تسليم المبيع إلا بكيله ووزنه ونحوه ومعلوم أن الحاجة إلى هذا إذا باع مكايلة أو موازنة ونحوه إذ لايحتاج إلى ذلك في المجازفة الخ (شامی ٤/ ٤٦)

بائع کا یہ اجرت مشتری سے وصول کرنا ظلم ہے اور وہ گنہ گار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

درزی کا کپڑے کے ذریعہ بل وصول کرنا

سوال: ایک صاحب کا کہنا ہے کہ میں درزی ہوں، بعض حضرات کے ساتھ سلائی پہلے سے ہی طے کر لیتے ہیں؛ مگر پھر بھی وہ کم دیتا ہے، اور ہر وقت ایسا کرتا ہے تو اب یہ درزی یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ بل مثلاً ۱۲۰/ بنتا ہے اس کو معلوم ہے کہ وہ ۱۰۰/ ہی دے گا تو روپیہ ۲۰/ کی کسر اس کے دیئے ہوئے کپڑے میں سے ۲۰/ کی قیمت کا کپڑا نکال کر کرتا تو یہ صورت کیسی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وصولیابی کی کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو تو اپنے سابقہ بل کی رقم اس طرح وصول

کر سکتا ہے؛ لیکن تازہ بل جس کے متعلق ابھی معلوم نہیں کہ وہ اس میں کٹوتی کرے گا یا نہیں؟ اس میں محض ظن وتخمین کی بنیاد پر ایسا کرنا درست نہیں ہے؛ نیز یہ بھی یاد رہے کہ اپنے دین کی جو رقم باقی ہے اتنی ہی مقدار کا کپڑا لے اس سے زیادہ ہرگز نہ لے۔

ليس لذي الحق أن يأخذ غير جنس حقه، وجوزه الشافعي وهو الأوسع.(درمختار) (قوله: وجوزه الشافعي) قدمنا في كتاب الحجر أن عدم الجواز كان في زمانهم، أما اليوم فالفتوى على الجواز.(شامی۵/۳۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹیلی فون آپریٹر سے ساز باز کر کے کال ریٹ کا پیسہ کم دینا

سوال: زید کو انگلینڈ یا افریقہ وغیرہ فون کرنا ہوتا ہے، تو ٹیلیفون اکسچینج والا کچھ تعلقات کی بناء پر فون کرنے کا پیسہ نہیں لیتا ہے، اور اگر لیتا بھی ہے تو تھوڑے پیسے لیتا ہے، کیا یہ زید کے لیے اور اکسچینج والوں کے لیے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹیلیفون کے محکمہ میں فون کرنے والا اس بات کا پابند ہے کہ اس کے اصول وضوابط کے مطابق کام کرے، سوال میں مذکور صورت میں وہ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے، اس لیے دونوں کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بس اور ریلوے کے ٹکٹ فروخت کرنا

سوال: (۱) مسئلہ ٹکٹ اور پاس (PASS) کا ہے، جو ریلوے یا دوسرے محکمے جاری کرتے ہیں، تو کیا اس کو آپس میں منتقل کرنا درست ہے؟

(الف) جو لوگ اس انتقال کو درست کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ٹکٹ یا پاس کے ہم نے جب پیسے بھر دیئے، اب ہم اس کے مالک ہیں، جہاں چاہے استعمال کریں۔

(ب) جب کہ بندہ کا خیال یہ ہے کہ: (۱) چوں کہ ان اشیاء پر باقاعدہ طور پر لکھا ہوتا ہے THIS TICKETIS NOT TRANFERABLE یعنی یہ ٹکٹ اور پاس منتقل نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ پاس کے ساتھ ایک آئی کارڈ (شناختی کارڈ) دیا جاتا ہے، ظاہر ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ یہ پاس دوسرا کوئی شخص استعمال نہ کرے۔ اور پھر اس انتقال میں دھوکہ بھی لازم آتا ہے، اور پکڑے جانے پر بے عزتی اور جرمانہ بھی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقد اجارہ کے ذریعہ سے جس چیز سے فائدہ اٹھانے کا معاملہ کیا جاتا ہے، وہ فائدہ اس نوع کا ہے کہ استعمال کرنے والوں کے بدلنے سے صورت حال میں تبدیلی کا اندیشہ نہیں، تو اس میں اجرت پر دینے والے کا اجرت پر لینے والے کے ساتھ یہ قید اور شرط لگانا کہ وہی یعنی اجرت پر لینے والا ہی استعمال کرے، درست نہیں، مثلاً کسی نے اپنے

لیے مکان اجرت پر لیا، تو اسے حق حاصل ہوگا کہ کسی اور شخص کو اس میں رہنے دے۔

درمختار میں ہے: وإن قيد براكب أو لابس فخالف ضمن إذا عطبت ....ومثله فى الحكم كل مايختلف بالمستعمل كالفسطاط و فيما لاختلاف فيه بطل تقييده به، كمالوشرط سكنى واحد له أن يسكن غيره لما مر أن التقييد غير مفيد. (درعلى هامش الشامى ٤/٥٠٢)

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے: المادة: (٤٢٨) كل مالايختلف باختلاف المستعملين فالتقييدفيه لغو مثلاً: لو استأجر أحد دارعلى أن يسكنها له أن يسكن غيره فيهايعنى أنه لواستأجرأحد داراً بشرط أن يسكنها هو، فله إيجارها من غيره، وإعارتهالاستيفاءالمنفعة التي له أن يستوفيها بموجب المادة:٤٢٦ لأن السكنى لم تكن متفاوتة فلم يعتبر ذلك القيد؛ لأنه غير مفيد. (دررالحكام شرح مجلة الأحكام ١/ ٤٦٣)

ریل اور بس وغیرہ دور حاضر کی سواریوں میں ٹکٹ خرید کر اس سے فائدہ اٹھانے کا جو اجارہ کیا جاتا ہے وہ بھی اسی اصول کے ماتحت آنے کی وجہ سے اصالۃً وہ ٹکٹ دوسرے کو فروخت کر کے اس کو اپنی جگہ بھیج دینا جائز ہے؛ مگر زیادہ داموں میں فروخت نہ کرے؛ بلکہ مثل اجر مسمی یا اس سے کم میں فروخت کرے۔ (ماخوذ از امداد الاحکام ۴/ ۴۲۳)

اس لیے اس اصول کے پیش نظر ٹرین یا بس یا ہوائی جہاز کا ٹکٹ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا علی الاطلاق درست ہونا چاہیے؛ لیکن اس میں مندرجۂ ذیل تفصیل ہے:

ٹرین اور بس کے بعض ٹکٹ تو وہ ہوتے ہیں جو کسی معین شخص کے لیے جاری نہیں کئے جاتے، اور کسی مخصوص آدمی کے لیے نامزد نہیں ہوتے۔ اور بعض ٹکٹ وہ ہوتے ہیں جو کسی مخصوص شخص کے لیے جاری کئے جاتے ہیں اور کسی معین آدمی کے نامزد ہوتے

ہیں۔ پہلی قسم کے ٹکٹ کو فروخت کرنے میں شرعی یا قانونی کسی محظور کا ارتکاب لازم نہیں آتا، اس لیے اس میں تو کوئی حرج نہیں۔ جب کہ دوسری قسم کے ٹکٹ کسی معین شخص کے نامزد ہونے کی وجہ سے ان کو فروخت کرنے کی صورت میں جب وہ اس کو استعمال کرے گا، تو جھوٹ اور دھوکہ کا ارتکاب لازم آتا ہے، اس لیے کہ استعمال کرنے والا اپنے آپ کو اسی نامزد شخص کی حیثیت سے پیش کرے گا، اس لیے اس کا فروخت کرنا درست نہیں۔

ایک بات یاد رہے کہ پہلی قسم کے ٹکٹ بھی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا اسی وقت درست ہوگا جب کہ محکمۂ ریل اور بس کی طرف سے اس خریدنے والے کو کسی خاص بنیاد پر رعایت نہ دی گئی ہو، ورنہ اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد خانپوری، ۱۴/ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

ورکروں کو قرض دے کر تنخواہ سے وصول کرنا

سوال: ہمارے بزنس کا کاروبار ہمارے والد صاحب کے ہاتھ میں ہے، اور ہم بھائی لوگوں کو الگ الگ بزنس پہ بٹھا دیا ہے، اور کاروبار سنبھالتے ہیں، اور ہمیں ہر مہینہ پر تنخواہ مقرر کر دی ہے وہ لیتے ہیں، بزنس سے فی الحال ہم کو کوئی حصہ ملتا نہیں ہے، تو ہمیں کاروبار سنبھالنے میں بہت دشواریاں ہوتی ہیں، اس میں ایسا ہوتا ہے کہ یہ کاروبار میں نوکر یعنی ورکروں سے کام لینا ہوتا ہے، جب ان سے کام لیا جاتا ہے تو ورکر اپنی ضرورت یا کوئی کام کی وجہ سے ہم سے کچھ رقم یعنی پیسہ مانگا کرتے ہیں، تو

ان کو دینا پڑتا ہے، اگر نہیں دیویں تو کاروبار میں خلل ہوتا ہے، اور جب ہم نے رقم دے دیا، پھر وہ رقم اپنے والد صاحب سے مانگتے ہیں، تو کہتے ہیں میں نہیں جانتا، تم نے دیا ہے تو تم بوجھ اٹھاؤ، میں نہیں دوں گا، اب میرے جیب سے دینا پڑی ہے، تو کیا میرے اس رقم کی وصولی کا کوئی طریقہ ہو تو وضاحت کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ ورکروں کو رقم قرض کے طور پر دے سکتے ہیں، اور بعد میں ان کی تنخواہ سے وصول کر سکتے ہیں، اس صورت میں آپ پر بار نہیں پڑے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بٹائی پر جانور لینا اور اس کی قربانی

سوال: بٹائی پر لی ہوئی بکری سے حاصل شدہ بچہ کی بٹائی پر لینے والا شخص قربانی کر سکتا ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں کر سکتا تو کیوں؟ مثبت ومنفی پہلو کو مبرہن فرمائیں۔ بٹائی پر معاملہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ معاملہ جائز نہیں، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اور شامی میں تصریح ہے، بچہ بکری کے مالک کی ملک ہے؛ اس لیے بٹائی پر لینے والے کے لیے اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ (از فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۳۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ رجب ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مکانات کی کرایہ داری، ڈپازٹ اور ہاؤسنگ سوسائٹی کے مسائل

ڈپازٹ کی حیثیت اور اس کے متعلق مختلف سوالات

سوال: آج کل مکان ودوکان ڈپازٹ پر دینے کا چلن ہمہ گیر نوعیت حاصل کر چکا ہے بڑے بڑے شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے قصبات بھی اس رواج سے خالی نہیں ضرورت ہے کہ ان مسائل میں امت محمدیہ کے لیے شریعت مطہرہ کی روشنی میں صحیح راہ نکالی جائے تاکہ امت محمدیہ ان مسائل سے صحیح واقفیت حاصل کر کے صحیح اور حلال صورتیں اختیار کریں اور ناجائز اور ممنوع صورتوں سے باز رہیں اور اللہ جل جلالہ ہمیں دین کے تمام شعبوں میں اپنے احکامات اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرماوے۔

① ڈپازٹ کی رقم کی شرعی وعرفی حیثیت کیا ہے؟

② مالک مکان اس رقم کو مالک رقم کی صراحتاً اجازت کے بعد یا اجازت لیے بغیر عرفی اجازت سے استعمال کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

③ مالک مکان اپنا مکان ''ب'' نامی شخص کو تین سال کے لیے تین لاکھ روپیے ڈپازٹ لے کر دے اور ماہانہ کرایہ معاف کر دے تو کیا یہ درست ہے جب کہ تین سال کے بعد مالک مکان کو ''ب'' نامی شخص کو تین لاکھ روپیے ڈپازٹ کے طور پر لیے

ہوئے واپس کرنے ہوتے ہیں؟

④ اگر مالک مکان ''ب'' نامی شخص سے ڈپازٹ کی رقم کے ساتھ ماہانہ کرایہ پورا وصول نہ کرے بلکہ کچھ کم کر کے وصول کرے مثلاً تین ہزار روپیے ماہانہ کرایہ ہو تو فقط ایک ہزار روپیے ہی وصول کرے تو کیا یہ شکل صحیح ہے؟

⑤ اگر ڈپازٹ کے ساتھ ماہانہ کرائے کے بہ جائے گھر کا مینٹینس وصول کرنا جس کی شکل یہ ہے کہ ب نامی شخص کو کہہ دیا جائے کہ آپ ماہانہ کرایہ کے بہ جائے گھر کا مینٹینس ادا کرتے رہنا اور کرایہ معاف ہے البتہ گھر کا مینٹینس ۱۵۰۰؍روپیے ہوتا ہے یعنی معروف کرایہ سے کم ہوتا ہے کیا یہ صورت صحیح ہے یا نہیں؟

⑥ شرعاً گھر کا مینٹینس کس کے ذمہ ہوگا مالک مکان پر یا کرایہ دار پر؟

⑦ اگر گھر کے مینٹینس کے ساتھ معروف کرایہ کے بہ جائے فقط ۳۰۰-۴۰۰ روپیے وصول کرے تو کیا یہ شکل صحیح ہوگی؟

⑧ ایک شخص تین لاکھ روپیے ڈپازٹ لے کر دوسرے کو اگر چار لاکھ ڈپازٹ پر ہی دینا چاہے تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

⑨ کرایہ پر لیا ہوا مکان دوسرے کو فقط ڈپازٹ پر ہی دیا اور کرایہ معاف کر دیا تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟

⑩ ڈپازٹ پر لیا ہوا مکان دوسرے کو کرایہ پر دینا درست ہے یا نہیں؟

⑪ ڈپازٹ کی رقم کی زکوۃ کس پر لازم ہوگی مالک مکان پر یا مالک رقم یعنی کرایہ دار پر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① مالک مکان کا کرایہ دار سے ڈپوزٹ کے نام سے رقم لینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے اس کا مدار اس رقم کی حیثیت کی تعیین پر ہے اس کی شروعات تو ضمانت اور رہن کے طور پر ہوئی تھی بسا اوقات کرایہ دار مکان یا دوکان کا کرایہ باقی چھوڑ کر غائب ہو جاتا تھا اور مالک مکان کو نقصان اٹھانا پڑتا تھا اس مصیبت سے بچنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ عقد اجارہ کرتے وقت کرایہ دار سے متعینہ رقم ایڈوانس لی جانے لگی کہ خدانہ خواستہ آئندہ چل کر اگر کرایے دار کرایہ کی رقم باقی چھوڑ کر غائب ہو گیا تو اس ایڈوانس یا ڈپازٹ کے نام سے لی گئی رقم سے وہ بقایا کرایہ وصول کیا جا سکے اس صورت میں اس رقم کی حیثیت رہن کی ہو جائے گی اور شرعاً اس طرح رہن لینا دینا درست ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ولو استأجر دارا أو شيئا وأعطى بالأجر رهنا جاز إلخ (هنديه ٤٣٥/٥)

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کرایہ دار مکان کو نقصان پہنچا دیتا ہے یا بجلی وغیرہ کے اخراجات چھوڑ کر چلا جاتا ہے جو بعد میں مالک مکان کو ادا کرنے پڑتے ہیں اس مقصد کے لیے بھی کرایہ دار سے ڈپازٹ کے نام سے ایک رقم ایڈوانس وصول کی جاتی ہے گویا یہ ایک نوع کا زر ضمانت ہے جیسا کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے۔ (دیکھیے آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/۱۰۴)

جہاں تک میرا اندازہ اور معلومات ہے ڈپازٹ لینے دینے کی اصل بنیاد مندرجۂ بالا دو میں سے ایک وجہ ہے بعد میں لوگوں نے جب دیکھا کہ ڈپازٹ کے نام سے وصول کی جانے والی یہ رقم مالک مکان کے پاس یوں ہی پڑی رہتی ہے کسی استعمال میں نہیں

آتی تو مالکان مکان جن کے قبضے میں یہ رقم تھی انھوں نے بلا اجازت اس رقم کو استعمال کرنا شروع کیا جب اس کا رواج عام ہونے لگا تو دینی ذہن رکھنے والے مالکان مکان کو یہ بات کھٹکی کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کو کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے ایسے لوگوں نے کرایہ دار سے اجازت لینا شروع کیا اور انھوں نے بھی اجازت دینا شروع کیا کرایہ داروں میں سے کچھ لوگوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ ہماری اس رقم سے جو بہ طور امانت وضمانت مالک مکان کے پاس جوں کی توں محفوظ رہنی چاہیے مالک مکان ہماری اجازت سے فائدہ اٹھا رہا ہے تو ہم کیوں نہ اس کو دی جانے والی اجازت سے فائدہ اٹھائیں چناں چہ انھوں نے اس شرط پر اجازت دینا شروع کیا کہ اس اجازت کی بنیاد پر کرایہ میں کچھ کمی کر دی جائے یعنی عام طور پر اس جیسے مکان کی جو اجرت مثل ہونی چاہیے اس کے بہ جائے ڈپازٹ کے طور پر دی گئی رقم کو استعمال کرنے کے بدلے میں اجرت مثل کی مقدار میں کمی کی شرط لگائی جائے آج کل جو معاملات ہو رہے ہیں اس کی بنیاد یہی ذہنیت ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا شرعاً یہ معاملہ درست کہلایا جا سکتا ہے؟

کچھ لوگوں نے تو ڈپازٹ کی رقم خوب بڑھا کر اور اس کے استعمال کی اجازت دے کر مالک مکان سے پورا کرایہ ہی ساقط کروا لیا گویا یہ صاحب اپنی رقم ایک مدت کے لیے مالک مکان کو استعمال کے لیے دے رہے ہیں اور اس کے بدلے میں اس مدت کے لیے مکان یا دوکان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں ظاہر ہے ان کی طرف سے جو رقم دی گئی ہے وہ قرض کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے بدلے میں یہ آدمی قرض لینے والے کے مکان سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور قرض پر دی گئی رقم کے بدلے فائدہ اٹھانا سود اور حرام ہے یہ ایسا اصول ہے جو ہر عہد میں امت کے درمیان میں مقبول ومعروف رہا

ہے ضعیف سند کے ساتھ ہی سہی لیکن اسے مرفوعاً بھی روایت کیا گیا ہے اور فقہا اور علما کے درمیان اس کا متلقی بالقبول ہونا ضعیف سند کی تلافی کر دیتا ہے علاوہ ازیں متعدد صحابہ سے موقوف روایتیں مروی ہیں۔

فقہا نے بھی اس موضوع کے مختلف گوشوں پر بحث کی ہے درمختار میں حصکفی نے بہ حوالۂ خلاصہ لکھا ہے القرض بالشرط حرام والشرط لغو(الدر المختار ٥/١٦٦) قرض میں کوئی شرط لگانا حرام ہے اور شرط لغو ہے اور اشباہ کے حوالے سے لکھا ہے کل قرض جر نفعا حرام فکرہ للمرتهن سکنی المرهونة بإذن الراهن (الدر المختار ٥/١٦٦) ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل کیا جائے وہ حرام ہے اسی لیے گروی لیے ہوئے مکان میں رہائش اختیار کرنا مکان والے کی اجازت سے مکروہ ہے (یعنی راہن کے لیے مقروض کی اجازت کے بغیر تو حرام ہوگا ہی اگر وہ اجازت بھی دے دے تب بھی اس مکان سے استفادہ مکروہ ہوگا) شامی نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر نفع قرض کے معاملے میں مشروط ہو تو حرام ہے اور عبداللہ بن محمد بن اسلم سمرقندی جو کبار علما سمرقند میں سے تھے ان کا قول نقل کیا ہے کہ مال مرہونہ سے انتفاع کسی صورت میں جائز نہیں اگر چہ راہن نے اسے اجازت دے دی ہو اس لیے کہ یہ سودخوری کی اجازت ہے چوں کہ وہ اپنا پورا قرض وصول کر ہی لے گا پھر یہ نفع ایک زائد شرط ہے پس یہ ربا ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ (شامی ۵/۱۶۶ طبع دارالفکر)

المغنی میں ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ہر وہ قرض جس میں یہ شرط لگائی گئی ہو کہ اس میں مقروض کچھ زائد رقم ادا کرے گا وہ بلا اختلاف حرام ہے ابن المنذر نے کہا کہ اس مسئلے میں اجماع ہے کہ قرض دہندہ اگر قرض دہی کے عمل پر کسی اضافہ یا ہدیہ

کی شرط لگا کر قرض دے تو اس اضافہ کا لینا ربا ہے اور ابی بن کعب ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انھوں نے ہر اس قرض سے منع فرمایا ہے جس سے نفع حاصل کیا جائے۔ (المغنی لابن قدامہ الحنبلی ۴/ ۳۶۰)

المہذب میں رہن کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے اگر رہن میں کوئی ایسی شرط لگائی جائے جو مقتضائے عقد کے منافی ہو مثلاً یوں کہے کہ میں نے تم کو یہ شئ رہن دی لیکن یہ میرے پاس ہی رہے گی یا اگر چہ میں دین ادا نہ کروں تو بھی تم کو اسے فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا یا یہ شرط لگائی کہ مال مرہونہ کا نفع تمھارا (قرض دہندہ کا) ہوگا تو یہ شرط باطل ہے۔ (تکملة المہذب شرح المجموع ۱۳/ ۲۱۵)

اور شرح میں یہ جزئیہ بھی لکھا ہے کسی شخص نے کسی سے ایک ہزار گنا اس شرط پر قرض لیا کہ وہ اپنی گاڑی بہ طور رہن دے دے گا اور گاڑی کا نفع قرض دہندہ کو ملے گا تو قرض باطل ہے اس لیے کہ یہ ایسا قرض ہے جو حصول نفع کا ذریعہ بن رہا ہے۔ قرض جر منفعة.(۳/ ۲۱۸)

فقہا کی ان صراحتوں کے علاوہ حضرات صحابہ بھی اس باب میں بے حد حساس نظر آتے ہیں وہ قرض دے کر حقیر سا نفع بھی حاصل کرنے سے گریز کرتے ہیں کہ کہیں ربا میں نہ پڑ جائیں۔ چناں چہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں بہ روایت سعید بن ابی بردہ عن ابیہ ایک خاص موقع پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے: اے عزیز تم عراق میں رہتے ہو جہاں ربا عام ہے اگر تمھارا کسی شخص پر کوئی حق ہو اور وہ تمھیں تنکہ اور جو کے برابر بھی کوئی تحفہ دے تو (یاد رکھنا کہ) یہ تحفہ ربا ہے۔

(صحیح بخاری، باب مناقب عبداللہ بن سلام)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دس ہزار قرض لیے پھر جب حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے باغ میں کھجور کی فصل آئی تو انھوں نے مدینہ کی نفیس ترین کھجور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہدیتاً بھیجی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ تحفہ واپس کر دیا حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر ابھی میں آپ کا قرض واپس کر دیتا ہوں مجھے وہ قرض نہیں چاہیے جس کی وجہ سے میں اپنے باغ کی کھجوریں آپ کو پیش نہ کرسکوں تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ تحفہ قبول کرلیا اور فرمایا کہ إنما الربا علیٰ من أراد أن یربي أو ینسیٔ (مصنف ابن عبدالرزاق ۱۴۲/۸) ربا اس شخص پر ہے جو اپنی رقم میں زیادتی چاہے یا (کچھ دے کر) ادائے قرض میں مہلت چاہے یعنی فضل (دی ہوئی رقم سے زائد کی واپسی) یا وقت اور مہلت کے عوض کچھ نفع (نسیئہ) دونوں صورتیں ربا کی ہیں اور حرام ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم نے کسی کو قرض دیا تو اس کا کوئی حقیر سے حقیر ہدیہ بھی یہاں تک کہ عاریتاً اس کی سواری بھی قبول نہ کرو۔

(مصنف عبدالرزاق ۱۸۲/۱۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مستفتی آیا اور اس نے پوچھا کہ میرے پڑوس میں ایک مچھیرا ہے اسے میں نے قرض دے رکھا ہے وہ کبھی کبھی مجھے مچھلی دے دیتا ہے فرمایا اس مچھلی کی قیمت کا حساب کرلو اور قرض میں منہا کرلو اگر تمھارے قرض سے زائد ہو تو اس کو واپس کردو۔ (مصنف عبدالرزاق)

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی ایسے شخص کے گھر جاؤ جس پر تمھارا قرض ہو اور اس کے یہاں کھانا کھاؤ تو حساب کر کے اس کی قیمت اصل قرض سے منہا کرو۔ (مصنف ۱۴۲/۸)

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اس میں اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر قرض دینے سے پہلے سے آپس میں ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا اور ایک دوسرے کے یہاں کھانا اور پینا رہا ہو تو کوئی حرج نہیں۔(مصنف ۸/ ۱۴۳)(بحث ونظر شمار ۱۶ ص:۱۱-۱۳)

شامی میں ہے:وفي الخانية: رجل استقرض دراهم وأسكن المقرض في داره، قالوا: يجب أجر المثل على المقرض؛ لأن المستقرض إنما أسكنه في داره عوضا عن منفعة القرض لا مجانا وكذا لو أخذ المقرض من المستقرض حمارا ليستعمله إلى أن يرد عليه الدراهم اهـ وهذه كثيرة الوقوع. (شامی ٤٤٥)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:لو استقرض دراهم وسلم حماره إلى المقرض ليستعمل إلى شهرين حتى يوفيه دراهمه أو دارا ليسكنها فهو بمنزلة الإجارة الفاسدة إن استعمله فعليه أجر مثله ولا يكون رهنا. (٤٣٤/٥)

لو استقرض رجل دراهم من رجل وقال اسكن حانوتي هذا فإن لم أرد عليك دراهمك لا أطالبك بأجرة الحانوت والأجرة التي تجب عليك هبة لك فدفع المقرض الدراهم وسكن الحانوت مدة قال إن كان ذكر ترك الأجرة عليه مع استقراضه منه المال فالأجرة واجبة على المقرض يريد به أجر المثل، وإن كان ذكر ترك الأجرة قبل الاستقراض أو بعده فلا أجر على المقرض والحانوت عنده عارية وقيل الصحيح أنه يجب أجر المثل في الوجهين. كذا في المضمرات. قال فخر الدين وعليه الفتوى هكذا في الكبرى.(عالمگیری ٥٢١/٤)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ڈپازٹ کی رقم کی مقدار بڑھا کر سرے سے کرایہ ہی ساقط کرواتے ہیں ان پر اجرت مثل واجب ہوتی ہے جو لوگ پورا کرایہ تو

ساقط نہیں کرواتے لیکن ڈپازٹ کی رقم کی مقدار کے مطابق کرایے میں تخفیف کراتے ہیں وہ لوگ مندرجۂ بالا تفصیلات کے مطابق قرض سے فائدہ اٹھانے والے بنتے ہیں جو درست نہیں بلکہ سود کی صورت ہو کر حرام ہے۔

ڈپازٹ کے طور پر کرایہ دار کی طرف سے ڈپازٹ کے نام سے دی جانے والی یہ رقم ودیعت وامانت نہیں کہی جاسکتی ہے اس لیے کہ ودیعت وامانت والی صورت میں مالک مکان کو اس رقم میں کسی طرح کے تصرف کا اختیار حاصل نہیں ہونا چاہیے جب کہ بہ حالت موجودہ ڈپازٹ کی رقم سے مالک مکان فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کو اپنی تجارت اور کاروبار میں لگا کر اس میں تصرف کرتا ہے اس لیے لامحالہ اس رقم کی حیثیت قرض کی ہو جاتی ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہے:

① یہ قرض ہے۔

② جب اس کی حیثیت قرض کی ٹھہری تو مالک مکان کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

③ یہ درست نہیں اس صورت میں ''ب'' نامی شخص پر مکان کی اجرت مثل واجب ہوئی۔

④ یہ بھی کل قرض جر نفعا فھو حرام کا مصداق ہے۔

⑤ اس صورت میں بھی ڈپازٹ کی رقم کے بدلے میں مکان استعمال کرنے کے لیے دیا ہے نمبر ۳ رہی کے حکم میں ہے۔

⑥ جس چیز پر شئ مستاجر کی بقاء موقوف ہو وہ مالک کے ذمہ ہوتی ہے اور جو بقاء

کے لیے موقوف علیہ نہ ہو وہ مستعمل کے ذمہ ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷)

مینٹیننس کے طور پر جو رقم وصول کی جاتی ہے وہ کن کن چیزوں کا معاوضہ ہے دیکھ لیا جائے اور مندرجۂ بالا اصول کے مطابق مالک مکان اور کرایہ دار پر اس کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

⑦ آپ کا یہ سوال واضح نہیں۔

⑧ چوں کہ یہ اجارۂ فاسدہ ہے اس لیے وہ دوسرے کو نہیں دے سکتا بلکہ پہلے اجارہ فسخ کر کے مالک کو مکان واپس کر دے۔

⑨ اس کا حکم آچکا۔

⑩ اس کا بھی حکم آچکا۔

⑪ ڈپوزٹ کی رقم کی زکوۃ چوں کہ وہ قرض ہے مالک رقم پر ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

کرایہ دار کا ڈپازٹ لے کر دوسرے کو مکان کرایہ پر دینا

سوال: زید نے بکر سے ماہانہ پچاس روپیہ کرایہ پر مکان لیا اور بکر کی اجازت کے بغیر عمر سے دس ہزار روپیہ ڈپازٹ لے کر پچاس روپیہ کرایہ پر ہی ایک سال کے لیے کرایہ پر دیا، زید کا بکر کے مکان کو اس طرح ڈپازٹ لے کر اسی مقدار پر کرایہ پر دینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈپازٹ کی رقم اگر اس لیے لی ہے کہ وہ زید کے پاس بطورِ وثیقہ محفوظ رہے تو جائز ہے؛ لیکن زید کے لیے اس رقم میں کوئی تصرف درست اور جائز نہیں ہے، اور اگر ڈپازٹ کے نام سے رقم ہتھیانا یا اس میں تصرف کرنا مقصود ہے، تو جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پگڑی لے کر دوکان کرایہ پر دینا

سوال: میں نے ایک دوکان خریدی ہے اور میں اس کو کرایہ پر لگانا چاہتا ہوں؛ مگر حالات ایسے چل رہے ہیں کہ کرایہ دار کچھ مہینے تک کرایہ ادا کرتا ہے، اور پھر کرایہ میں ٹال مٹول کرنا شروع کر دیتا ہے، اور بعد میں چل کر دوکان کے بارے میں اس کی نیت بگڑنے لگتی ہے، عام طور پر ایسا دیکھا گیا ہے؛ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کرایہ دار سے کچھ موٹی رقم پیشگی لے لوں جس کو پگڑی کہا جاتا ہے، اور پگڑی دینے پر لوگ تیار بھی ہیں، چوں کہ اس کا عام رواج ہو چکا ہے، پھر اس کرایہ دار کو اختیار ہے وہ چاہے تو اپنے علاوہ کسی اَور آدمی کو یہ دوکان کرایہ پر دے کر اس سے اتنی رقم جتنی اس نے دی ہے یا اس سے زیادہ لے سکتا ہے؛ لیکن اس دوسرے کرایہ دار سے بھی جو رقم بہ طورِ کرایہ آئے گی وہ اصل دوکان مالک کے پاس ہی آئے گی یعنی اس دوکان کا مالک تو پہلی مرتبہ کرایہ پر دینے والا ہی رہے گا، تو کیا شرعاً اس طور پر کرایہ کے ساتھ پگڑی

لینا جائز ہے یا نہیں؟

یہ بات ملحوظ رہے کہ پگڑی کے طور پر جتنے بھی روپیے لیے ہیں وہ مالک دوکان کرایہ دار کو واپس نہیں کرے گا؛ بلکہ کرایہ دار کسی اور کو کرایہ پر دے کر چاہے جتنی پگڑی لینی ہو لے سکتا ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

افضل بات تو یہ ہے کہ پگڑی کا لین دین نہ کیا جائے؛ لیکن جیسا کہ (حکومتی قانونِ اجارہ داری کی وجہ سے) آج کل عام مزاج اور رواج ہے، کہ بعد میں کرایہ دار مکان یا دکان پر سے قبضہ ہٹاتے نہیں ہیں، اس کی وجہ سے آپ نے سوال میں جو صورت لکھی ہے اختیار کی جاسکتی ہے، اس صورت میں بھی کرایہ دار سے جو موٹی رقم آپ ابتداءً وصول فرماتے ہیں اس کو پہلے مہینے کے کرایہ میں شمار فرمالیں، تو زیادہ مناسب رہے گا۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تدبیر کفایت المفتی (۷/۳۳۹) میں تحریر فرمائی ہے؛ البتہ یہ تدبیر صرف مالک کے حق میں کارآمد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

کیا کرایہ دار پگڑی لے کر دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے؟

سوال: زید نے بکر سے ماہانہ ایک سو روپئے کرایہ سے مکان لیا، اور محمود کو پچاس ہزار روپیہ پگڑی لے کر اسی کرایہ پر دیا، اصل مالک مکان بکر کو بھی دس ہزار روپئے

دے کر محمود کو اس مکان کا کرایہ دار بنانے پر خوش کرلیا، کیا زید کے لیے یہ معاملہ درست ہے؟ اور یہ رقم اس کے لیے حلال طیب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ معاملہ درست نہیں ہے، اور یہ رقم زید کے لیے حلال نہیں ہے۔ (کفایت المفتی)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: زید نے بکر سے ماہانہ پچاس روپیہ پر مکان کرایہ پر لیا، عمر نے زید سے کہا تم یہ مکان مجھے کرایہ پر دیدو میں تم کو بیس ہزار روپئے دیتا ہوں اور بکر کو بھی اس بات پر خوش کرلوں گا کہ وہ مجھے اپنے مکان کا کرایہ دار تسلیم کرلے کیا زید کے لیے اس طرح اصل مالک کی رضا معلوم کیے بغیر معاملہ کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جتنی مدت کے لیے زید نے بکر سے یہ مکان کرایہ پر لیا ہے اتنی مدت تک کے لیے زید کا اس مکان کو عمر کو کرایہ پر دینا درست ہے، چاہے مالک مکان راضی ہو یا نہ ہو؛ لیکن بیس ہزار کی جو رقم زید نے عمر سے لی ہے وہ درست نہیں یہ واپس کردے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کرایہ دار مکان دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے

سوال: ① زید نے بکر سے ماہانہ پچاس روپیہ کرایہ پر مکان لیا، اور عمر کو بکر کی اجازت کے بغیر ماہانہ سوا سو روپے کرایہ پر دے دیا یہ درست ہے؟

② زید نے بکر سے ماہانہ پچاس روپیہ کرایہ پر مکان لیا، اور اس میں اپنی الماری (کباٹ) لگائی، بجلی کے پنکھے لگائے، ایسی کچھ اور بھی اپنی منقول وغیر منقول اشیاء اس میں چھوڑیں اور عمر کو بکر کی اجازت کے بغیر ماہانہ دو سو روپے کرایہ پر دے دیا اس خیال سے کہ میری اشیاء کی وجہ سے میں زائد کرایہ لے رہا ہوں، زید کا اس خیال سے زائد کرایہ لینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①② درست ہے۔ (تصح إجارة حانوت) أی دکان (ودار بلا بیان مایعمل فیها) لصرفه للمتعارف، (و) بلا بیان (من یسکنها) فله أن یسکنها غیره بإجارة وغیرها کما سیجئ. (درمختار) (قوله فله أن یسکنها غیره) أی ولو شرط أن یسکنها وحده منفرداً الخ (شامی: ۵/۱۹)

(وفیما لا یختلف به بطل تقییده حتی لو شرط سکنی واحد له أن یسکن غیره) یعني فیما لا یختلف باختلاف المستعمل کالدور للسکنی لا یعتبر تقییده حتی إذا شرط سکنی رجل بعینه فی الدار له أن یسکن غیره لأن التقیید لا یفید لعدم التفاوت. (تبیین الحقائق ۵/ ۱۱۶)

لیکن جو زائد کرایہ ہے، مثلاً: صورتِ مسئولہ میں پچھتر روپئے کی رقم جو بکر کو زائد ملی اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اس رقم کو وہ اپنے استعمال میں نہ لاوے؛ البتہ اگر

بکر نے اس مکان میں اصلاح ومرمت کے ذریعہ کسی قسم کا اضافہ کردیا ہے جیسا کہ دوسری صورت میں ہے، تواب وہ زائد رقم جو بکر کو حاصل ہوئی وہ استعمال کرسکتا ہے۔

ولوآجر بأكثر تصدق بالفضل إلا فى مسئلتين إذا آجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئا.(درمختار) (قوله أو أصلح فيها شيئا) بأن جصصها أو فعل فيها مسناة وكذا كل عمل قائم لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح كما فى المبسوط (شامی ۵/ ۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قدیم کرایہ دار کا زیادہ کرایہ سے دوکان دینا

سوال: (۱) زید کے پاس ایک مسجد کی دوکان کرایہ پر ہے اور زید اس کا پرانا کرایہ ۲۵ روپئے مسجد کو ہر ماہ دیتا ہے لیکن وہ مسجد کی دوکان دوسرے شخص کو ۲۵۰ ڈھائی سو روپئے کرایہ میں دے رکھا ہے یعنی کہ پیٹا بھاڑوت بنادیا ہے۔ وہ مسجد کو صرف ۲۵ روپئے دیتا ہے اور اس دوسرے کرایہ دار سے ۲۵۰ روپئے وصول کرتا ہے تو کیا اس کا یہ عمل شریعت کی نگاہ میں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید کے پاس مسجد کی ایک دوکان برسوں سے کرایہ پر ہے اب وہ دوکان دوسرے شخص کو زید کرایہ پر دینا چاہتا ہے اور وہ زید دوسرے کرایہ دار سے ۲ لاکھ روپئے پگڑی کا وصول کرتا ہے۔ مسجد کو فائدہ صرف اتنا ہوگا کہ اس دوکان کا کرایہ بڑھ جائے گا تو کیا زید کا اس مسجد کی دوکان پر دولاکھ روپئے پگڑی لینا کیسا ہے؟ شریعت کی نظر میں اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① پرانا کرایہ دار ہونے کی وجہ سے حکومتی قانون کا سہارا لے کر مسجد کی دوکان پر سے اپنا قبضہ نہ اٹھانا اور قدیم سے چلا آرہا کرایہ یعنی ۲۵ روپئے پر ہی اکتفا کرنا جب کہ اس کی اجرت مثل بہت زیادہ ہے مزید برآں وہ دوکان دوسرے کرایہ دار کو دے کر ڈھائی سو روپئے کرایہ حاصل کرنا یہ تمام امور زید کے لیے جائز نہیں ہیں۔ سخت گناہ گار ہے۔ اس پر اس دوکان کی اجرت مثل واجب ہے

② زید نے جس وقت مسجد سے وہ دوکان کرایہ پر حاصل کی تھی اس وقت پگڑی نہیں دی تھی تو اب اس کے لیے محض پرانا کرایہ دار ہونے کی بنیاد پر وہ دوکان دوسرے کرایہ دار کو دے کر اس سے پگڑی وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ / ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کرایے کا مکان دوسرے شخص کو کرایہ دینے کے مسائل

سوال: (الف) زید ایک کرایہ کے مکان میں رہتا ہے، اب اس مکان کو دوسرے کو بیچ دیا، آیا یہ زید اس مکان کو مالک کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی کو دے دے تو کرایہ پہلے سے زیادہ آتا ہے، تو یہ زیادتی کا لینا درست ہے یا نہیں؟ اور اس مکان میں کچھ مرمت کرائی گئی ہے، تو اس مرمت کی وجہ سے زیادتی کا لینا کیسا ہے؟

(ب) اور آج کل جو پگڑی لی جاتی ہے، تو آیا یہ مکان جب کرایہ پر دیں تو

پگڑی کا لینا کیسا ہے؟ اس پگڑی کو فرنیچر کے تبادلہ میں لینا کیسا ہے؟

(ج) اب اگر کرایہ دار دوسرے کو مکان کرایہ پر دیتا ہے، اور جو پیسے آتے ہیں تو مکان مالک کو اس میں سے تین فیصد دینا پڑتا ہے، اور کرایہ دار کو یہ رقم دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) زید جب اس مکان میں کرایہ سے رہتا ہے تو وہ مالک نہیں ہے؛ اس لیے زید کو اس مکان کے بیچنے کا حق نہیں ہے، اگر زید نے وہ مکان ایک مقررہ مدت کے لیے کرایہ پر لیا ہے، مثلاً ایک سال کے لیے تو اس صورت میں زید اگر اس مدت میں اتنی ہی مدت کے لیے دوسرے آدمی کو کرایہ پر دینا چاہے تو دے سکتا ہے؛ لیکن جب وہ مدت ختم ہوگئی زید کے لیے ضروری ہے کہ مالک کو وہ مکان واپس کرے، اور اگر مدت مقرر نہیں ہوئی اور کرایہ کی ادائیگی مہینہ کے حساب سے رکھی گئی ہے تو گویا ہر مہینہ عقد اجارہ کی تجدید ہو رہی ہے، اس صورت میں مالکِ مکان مہینہ کا نوٹس دے کر مکان خالی کرواسکتا ہے؛ البتہ اگر زید نے مالک مکان کو پگڑی دے کر اس کے واپسی کے حق کو خرید لیا ہے، تو اس صورت میں مالک کرایہ دار کو مکان خالی کرنے کا عوض دیے بغیر اس سے مکان خالی نہیں کرواسکتا، جن صورتوں میں زید کے لیے دوسرے کو کرایہ پر دینا جائز ہے، وہ اتنا ہی کرایہ لے سکتا ہے جو خود ادا کرتا ہے، زیادتی اگر لی تو اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے؛ البتہ اگر اس نے مکان میں کچھ مرمت یا اضافہ کرایا ہے تو زیادتی حلال ہوگی۔

(ب) مروجہ پگڑی فرنیچر کا عوض نہیں ہے، بلکہ مالکِ مکان بحیثیت مالکِ مکان

اپنے مکان کو کرایہ دار سے واپس لینے کے حق سے دست برداری کا عوض وصول کرتا ہے، یہ رقم اس بنیاد پر درست قرار دی جائے گی۔

(ج) اگر کرایہ دار نے مالک مکان سے پگڑی دیئے بغیر حاصل کیا تھا، تو اس صورت میں اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس پر پگڑی حاصل کرے، اور اگر اس نے مالک مکان کو مروجہ پگڑی کے نام سے رقم دی تو وہ بھی لے سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ر شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

ڈپازٹ کی شرعی حیثیت

سوال: زید نے بکر سے ماہانہ پچاس روپئے کرایہ پر مکان لیا، اور بکر کی اجازت کے بغیر عمر سے دس ہزار روپیہ ڈپازٹ لے کر اس کو ایک سال کے لیے پچاس روپیہ ماہانہ کرایہ پر دیا تو اس ڈپازٹ کی شرعاً کیا حیثیت ہے، اور زید اس رقم کو اپنے تصرف میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جتنی مدت کے لیے زید نے مکان کرایہ پر لیا ہے، اسی مدت کے اندر وہ عمر کو وہ مکان کرایہ پر دے رہا ہے تو جائز ہے۔ (کمامر سابقا) اور اگر مدت اجارہ ختم ہو چکی ہے، یا اجارہ مطلقہ ہوا تھا اور ختم ماہ پر بکر نے مکان کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا اس کے باوجود زید ملکی قوانین کا سہارا لے کر مکان پر قبضہ جمائے رہے اور عمر کو کرایہ پر دے، تو یہ صورت ناجائز اور حرام ہے؟ اوپر جواز والی صورت جو گزری اس میں اگر وہ ڈپازٹ کی رقم بطور وثیقہ لے رہا ہے تو جائز ہے؛ لیکن یہ بحکمِ رہن ہے، اس کو زید اپنے

تصرف میں نہیں لاسکتا بلکہ وہ امانت ہے [1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ڈپازٹ کی رقم کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

سوال: زید نے بکر سے ماہانہ پچاس روپیہ کرایہ پر مکان لیا اور بکر کی اجازت کے بغیر عمر سے دس ہزار روپیہ ڈپازٹ لے کر اس کو ایک سال کے لیے پچاس روپیہ ماہانہ کرایہ پر دیا تو اس ڈپازٹ کی رقم کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب وہ رقم بحکمِ رہن ہوئی تو اس کی زکوٰۃ نہ عمر پر واجب ہے نہ زید پر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: زید خود صاحبِ مکان ہے اس نے اپنا مکان عمر کو ماہانہ پچاس روپیہ کرایہ پر اس شرط سے دیا کہ پچیس ہزار روپیہ ڈپازٹ دینا ہوگی، چناں چہ زید نے عمر سے پچیس ہزار روپے ڈپازٹ میں لیے، سوال یہ ہے کہ......

(الف) اس طرح زید کا عمر سے کرایہ کے علاوہ ڈپازٹ کی رقم لینا کیسا ہے؟

(ب) اس رقم کو زید اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ڈپازٹ کی رقم کو رہن کی سی حیثیت قرار دی ہے۔ ملاحظہ کیجیے: (فتاویٰ قاضی ص ۸۶، ۸۷) (از مرتب)

(ج) اس رقم کی زکوٰۃ زید پر واجب ہوگی یا عمر پر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈپازٹ کی وہ رقم بحکمِ رہن ہو کر امانت ٹھہری تو زید کا اس رقم کو اپنے تصرف میں لانا درست نہیں ہے، اور اس کی زکوٰۃ نہ عمر پر ہوگی نہ زید پر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ہوٹل کنٹراکٹ پر دیتے وقت لی گئی ڈپازٹ کی شرعی حیثیت؟

سوال: زید نے بکر کو اپنا ہوٹل کنٹراکٹ پر دیا اور بکر سے ڈپازٹ کی رقم پانچ ہزار وصول کی جو کنٹراکٹ پورا ہونے اور حساب کرنے کے وقت واپس کر دی جائے گی، سوال طلب امر یہ ہے کہ:

(الف) زید کا کنٹراکٹ کی صورت میں بکر سے ڈپازٹ کی رقم لینا کیسا ہے؟

(ب) بکر کی اس رقم کی زید کے پاس کیا نوعیت ہوگی امانت، رہن یا اور کچھ؟

(ج) زید اس رقم کو اپنے کاروبار میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور استعمال کرنے کی صورت میں منافع کا مالک کون ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بکر جس کو زید نے ہوٹل کنٹراکٹ پر دیا ہے اگر اجنبی شخص ہے تو اس صورت میں:

(الف) ڈپازٹ کی رقم لینے کی گنجائش ہے۔

(ب) یہ رقم رہن سمجھی جائے گی۔

(ج) جب بحکمِ رہن ہے تو اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔

ولواستأجر دارا أو شيئا أوأعطى بالأجر رهنا جاز.(عالمگیری ٥/٤٢٥)

چوں کہ اجنبی کو ہوٹل کنٹراکٹ پر دینا بھی بحکمِ اجارہ ہے؛ اس لیے وہاں ڈپازٹ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہوٹل کا کنٹراکٹ

سوال: چار شرکاء نے ایک ہوٹل تیار کیا جس کو چاروں مل کر چلاتے ہیں یا کوئی ایک چلاتا ہے، اور کچھ مدت کے بعد آپس میں جھگڑا ہوتا ہے تو سب مل کر طے کرتے ہیں کہ جو ماہانہ زیادہ رقم دے اس کو چلانے کے لیے کنٹراکٹ دیا جائے (کنٹراکٹ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ماہانہ طے شدہ منافع تمام شرکاء کو دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ اس کا) سوال یہ ہے کہ کسی ایک شریک کا دیگر شرکاء سے اس طرح کنٹراکٹ لینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

کنٹراکٹ کی مسئولہ صورت درست نہیں بلکہ اجارۂ فاسدہ ہے، اس صورت میں کنٹراکٹ لینے والا شریک منافع میں اپنے حصۂ ملک کے بقدر شریک وحقدار ہوگا؛ البتہ اگر ایسا کریں کہ چلانے کی وجہ سے اس کا حصۂ منافع شروع ہی سے زیادہ طے کردیں مثلاً اس کی ملک تو ہوٹل میں چوتھائی ہے؛ لیکن اس کے لیے نفع میں تہائی تجویز کریں تو درست ہے۔

واذا كان الطعام بين رجلين فاستاجر أحدهما صاحبه أو حمار صاحبه

على أن يحمل نصيبه فحمل الطعام كله فلاأجرله الخ (هداية ٣ /٣٠٧)

(قوله ومع التفاضل فى المال دون الربح) أى بأن يكون لأحدهما ألف وللآخر ألفان مثلاً، واشترطا التساوي في الربح وقوله وعكسه أى بأن يتساوى المالان ويتفاضلا فى الربح لكن هذا مقيد بأن يشترط الأكثر للعامل منهما أو لأكثرهما عملاً، أما لو شرطاه للقاعد أو لأقلهما عملاً فلا يجوز كما فى البحر عن الزيلعى و الكمال قلت والظاهر أن هذا محمول على ما إذا كان العمل مشروطا على أحدهما. (شامى ٣ /٣٧٣)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بلا کرایہ ڈپازٹ لے کر فلیٹ دینا

(سوال): میرے پاس ایک فلیٹ (گھر) ہے، اس کو میں صرف ایک لاکھ ڈپازٹ پر دیتا ہوں اور کرایہ وغیرہ کچھ طے نہیں کرتا، تو کیا صرف ڈپازٹ پر بغیر کرایہ مکان دینا لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا ڈپازٹ کے ساتھ کچھ نہ کچھ کرایہ طے کرنا ضروری ہے؟ اور ڈپازٹ صاحب مکان اپنے کام میں استعمال کرے گا اور کرائے دار مکان میں رہے گا، دونوں کو یہ فائدہ ہے، جب صاحب مکان کو اپنا گھر خالی کروانا ہوگا تو وہ ڈپازٹ پورے پورے واپس کر کے اپنا مکان لے لے گا۔ زید اپنا مکان عمر کو ایک لاکھ روپیہ لے کر صرف رہنے کے لیے دیتا ہے اور زید اس رقم کو اپنے کام میں لیتا ہے، جب مکان خالی کروانا ہوگا تو زید عمر کو رقم واپس دے کر خالی کروائے گا، زید کو فائدہ یہ ہے

کہ وہ عمر کے پیسے کام میں لاتا ہے اور عمر کو مکان میں بغیر کرایہ رہنا یہ فائدہ ہے، باقی مکان کا لائٹ وغیرہ کا خرچہ عمر پر ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جو صورت سوال میں دریافت کی ہے وہ درست نہیں ہے، ڈپازٹ کے نام سے دی گئی رقم قرض ہے اور اس کے معاوضے میں رقم دینے والا مکان یا فلیٹ سے فائدہ اٹھاتا ہے، "کل قرض جر نفعا فھو حرام" یعنی ہر وہ قرض جس کے ذریعہ قرض دینے والا فائدہ اٹھائے وہ حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرض کے عوض بلا کرایہ مکان کی رہائش

سوال: زید کا ایک مکان ہے، اس نے بکر کو رہنے کے لیے دیا ہے؛ مگر زید نے بکر سے اس مکان میں رہنے کے لیے چالیس ہزار روپیے لیے ہیں، اور زید نے بکر سے کہا کہ: تم اس مکان میں پانچ سال تک رہو، پھر جب تم مکان خالی کر دو گے تو میں تمھارے چالیس ہزار روپیے واپس کر دوں گا، اور زید نے اس مکان کا کچھ کرایہ بھی طے نہیں کیا ہے، اور زید کو کرایہ لینا بھی نہیں ہے، تو کیا بکر کے لیے اس مکان میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ چوں کہ پانچ سال تک وہ بغیر کرایہ کے رہے گا، اور اس کی دی ہوئی رقم زید اس کو واپس بھی کر دے گا، تو زید کا کرایہ نہ لینا اور بکر کا بغیر کرایہ کے اس مکان میں رہنا کیا سمجھا جائے گا؟ اور یہ بھی بات ہے کہ اگر بکر چالیس ہزار روپیے نہیں دیتا تو زید مکان بھی رہنے کے لیے نہیں دیتا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے بکر سے جو چالیس ہزار کی رقم لی ہے وہ زید استعمال بھی کرے گا، یہ رقم قرض ہوئی، اور بکر گویا کہ رقم قرض دے کر زید کے مکان سے فائدہ اٹھا رہا ہے، جو حرام ہے۔ کل قرض جر نفعا فھو حرام. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مکان کا ناجائز قبضہ چھوڑنے پر عوض لینا

سوال: زید نے بکر سے مکان کرایہ پر لیا، عمر اس مکان کو زید سے پچیس ہزار روپئے پگڑی پر لے رہا ہے، زید عمر کو قبضہ دیتے وقت اس مکان میں اپنا کچھ منقول یا غیر منقول سامان چھوڑ رہا ہے، اور کہتا ہے کہ میں یہ رقم پگڑی کی نہیں لے رہا؛ بلکہ اپنے سامان کی لے رہا ہوں، حالاں کہ وہ رقم اس سامان کی قیمت سے بہت زیادہ ہے، تو کیا زید کے لیے قبضہ چھوڑتے وقت معمولی سامان مکان میں چھوڑ کر خطیر (زیادہ) رقم لینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناجائز قبضہ چھوڑنے پر عوض لینا جائز نہیں ہے، اور اسی ناجائز قبضہ کی بنیاد پر دوسرے کو کرایہ پر مکان دینا بھی جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر زید نے جتنی مدت کے لیے مکان بکر سے کرایہ پر لیا ہے اتنی مدت کے لیے وہ عمر کو کرایہ پر دے رہا ہے تو درست ہے، اس صورت میں اگر وہ عمر کو یہ کہتا ہے کہ: میں اپنا فلاں سامان جو اس میں چھوڑ

رہا ہوں اس کی قیمت کے عوض تم سے یہ زائد رقم وصول کر رہا ہوں اور عمر اس کو منظور کرتا ہے، تب بھی (المعروف کالمشروط) والے اصول کے پیشِ نظر حقیقت یہ ہے کہ یہ عوض قبضہ کا ہے؛ اس لیے درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

وقتِ مقررہ پر کرایہ کے مکان کو خالی نہ کرنا غصب ہے

سوال: ہم نے ایک مکان خریدا، جس کو تقریباً پندرہ سال ہو گئے، الغرض جس کے مالک ہم ہیں، اس مکان میں ایک مسلمان کرایہ دار ہے، جو ویسے دیگر امور میں نیک ہے، اور اس کے پاس خدا کا دیا ہوا بہت کچھ ہے؛ بلکہ ضرورت سے زائد ہے، اور ہمیں اپنے رہنے سہنے میں تکلیف ہے، ہماری مجبوری و ناداری کے بعد بھی وہ صاحب کرایہ دار مکان کا قبضہ ہمیں نہیں دیتا ہے، اس کے بارے میں شریعت کے حکم کو بتائیں، امید ہے کہ وہ شخص آپ کی تحریر کو مان جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے اپنا مکان جس آدمی کو کرایہ پر دیا ہے، اگر کرایہ پر دیتے وقت دونوں کے درمیان کوئی مدت مقرر ہوئی تھی، مثلاً ایک سال یا دو سال وغیرہ، تب تو اس مدت کا لحاظ کرنا آپ کے لیے ضروری ہے، یعنی اس مقررہ مدت سے پہلے آپ اس کو خالی کرنے کا مطالبہ نہیں کر سکتے، اور اگر ایسی کوئی مدت مقرر نہیں ہوئی تھی تو ایک ماہ پہلے آپ ان کو اطلاع دے دیں کہ آئندہ ماہ سے ہمارا کرایہ کا معاملہ ختم ہے، آپ مکان خالی کر کے ہمارے حوالہ فرماویں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے مطالبہ پر آپ کا مکان

آپ کے حوالہ فرمادیں، اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو شرعاً گنہگار و غاصب سمجھے جاویں گے۔ (شامی ۵/ ۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد خانپوری عفی عنہ، ۱۱ ر ذی الحجہ ۱۴ھ

کرایہ کے مکان کی اجازتِ مرمت کے عوض مالک کا کرایہ دار سے رقم کا مطالبہ کرنا

سوال: کرایہ دار اگر مکان میں کچھ ضروری مرمت یا ترمیم کرنا چاہتا ہے تو (بلدیہ) میونسپلٹی کی اجازت کے بغیر قانوناً نہیں کرسکتا، اور میونسپلٹی مالک کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دیتی، مالک مکان اجازت دینے کے لیے کرایہ دار سے ایک رقم کا مطالبہ کرتا ہے، شرعاً یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ رقم لینا دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی بنیاد بھی ناجائز قبضہ پر ہے؛ اس لیے اصل تو یہ ہے کہ مدت اجارہ کے ختم پر کرایہ دار کو چاہیے کہ مکان مالک کے حوالہ کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کسی ایک ممبر سے ہاؤسنگ کے مصارف ڈبل وصول کرنا

سوال: کچھ احباب مل کر مشترک زمین خریدتے ہیں، اور اس پر رہنے کے مکانات تعمیر کرتے ہیں، جتنے مکانات بنانے ہوتے ہیں اتنے ممبر بناتے ہیں اس کو

ہاؤسنگ سوسائٹی کہتے ہیں، اور جب مکانات تعمیر ہو جاتے ہیں تو قرعہ اندازی سے تقسیم کردیے جاتے ہیں، ایسے اجتماعی مکانات کی کچھ ضروریات اجتماعی بھی ہوتی ہیں، مثلاً: زمین کی صفائی، باغیچہ کی دیکھ بھال، پانی؛ نیز سرکاری ٹیکس کی ادائیگی ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اور اس کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے ایک کمیٹی بناتے ہیں، یہ کمیٹی تمام ممبران کے لیے کچھ قوانین بھی بناتی ہے، تاکہ سب کو سہولت ہو اور کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، اور ماہانہ کچھ رقم بھی وصول کرتی ہے، تاکہ اجتماعی ضروریات کو پورا کیا جاسکے، ایسی ایک کمیٹی نے ایک قانون ایسا بنایا کہ ہماری سوسائٹی کے ممبران میں سے کوئی اگر اپنا مکان اپنے خونی رشتہ دار کے علاوہ کسی کو کرایہ پر دے گا، تو اس سے اجتماعی خرچ اصل ممبروں سے جتنا وصول کیا جاتا ہے، اس سے ڈبل وصول کیا جائے گا، تو اس کمیٹی کا ایسا قانون بنانا اور زیادہ رقم لینا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وصول کی جانے والی رقم جب پیش آمدہ مصارف کی تکمیل کے لیے حاصل کی جاتی ہے، تو اس کی مقدار بھی اسی کے مطابق ہونی چاہیے، مالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنا مکان جس کو چاہے کرایہ پر دے اجنبی کو کرایہ پر دینے کی صورت میں اس سے حصۂ مصارف دوہرا وصول کرنا سمجھ میں نہیں آیا، اگر ایسی صورت میں سرکاری ٹیکس وغیرہ میں اضافہ ہوجاتا ہو تو اس کی وضاحت فرمائی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ہاؤسنگ سوسائٹی میں مالک مکان سے نون اوکیوپیشن چارج لینا جائز ہے

سوال: بمبئی میں ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کی ایک بلڈنگ ہے، جس میں تین سو سے زیادہ مکان مالکان اپنی ملکیت کے مکان رکھتے ہیں، اِن میں سے کچھ لوگ اپنے مکان میں خود رہنے کے بہ جائے کرایہ دار کو کرایے سے مکان دیتے ہیں۔ ہر مکان مالک سے بلڈنگ کی اجتماعی سہولیات کے اخراجات کے لیے میٹینس (Maintenence) لیا جاتا ہے؛ البتہ جو لوگ اپنا مکان کرایے سے دیتے ہیں اُن مکان مالکان سے کچھ زائد رقم میٹننس میں لی جاتی ہے، جس کو "نون اوکیوپیشن چارج" (Non occupetion) کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ سرکاری قانون کے مطابق اگر ہاؤسنگ سوسائٹی میں مکان مالک خود رہنے کے بہ جائے کرایے سے مکان دیوے، تو اُس مکان کے میٹننس چارج کا دس فیصد اُس مکان والے سے زیادہ لیا جائے، یہ رقم اُس سوسائٹی کے اجتماعی کاموں کے اخراجات میں صرف ہوتی ہے۔

اور اگر یہ ۱۰ فیصد "نون اوکیوپیشن چارج" نہ لیا گیا اور متعلقہ افسران کو اِس بات کا کسی طرح پتہ چل گیا کہ یہاں کوئی کرایہ دار رہتا ہے، تو وہ سوسائٹی کی انتظامیہ کے واسطے سے اُس مکان مالک سے میٹننس کا چالیس فی صد زیادہ وصول کریں گے، اور یہ چالیس فی صد رقم متعلقہ سرکاری شعبے میں داخل ہوگی، سوسائٹی میں استعمال نہیں کی جاسکتی، اِس سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے کہ سوسائٹی کی کمیٹی متعلقہ افسران کے سامنے غلط بیانی کرتی رہے کہ: یہاں کوئی کرایہ دار نہیں ہے، اور پتہ چلنے پر اُن افسران

کو رشوت دے کر معاملہ ختم کر دے، اگر اِن میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کی گئی تو ہاؤسنگ کے شعبے کے افسران کے سامنے سوسائٹی کی کمیٹی جواب دہ ہوگی۔ اِس تفصیل کے پیشِ نظر چند سوالات عرض خدمت ہے:

(الف) کیا مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں کرایہ پر دینے والے مالک مکان سے نون اوکیوپیشن چارج - جو میینٹینس سے زیادہ ہو - لینا جائز ہے؟

(ب) اگر یہ زائد چارج لینا جائز ہے تو سرکاری قانون کے مطابق میینٹیننس کا دس فی صد یا اِس سے زیادہ بھی لے سکتے ہیں؟ اور اُس کو سوسائٹی کے اجتماعی کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں؟

(ج) اگر یہ دس فی صد چارج نہ لیا جائے اور متعلقہ افسران کو پتہ چلنے پر چالیس فی صد وصول کرنا پڑے، تو کیا کمیٹی مکان کے مالک سے وصول کر سکتی ہے جب کہ یہ چارج اُسی کے کرایے پر دینے سے اُس مکان مالک پر قانوناً عائد ہوا ہے؟

(د) اِن تمام قانونی گرفتوں سے بچنے کے لیے سرکاری افسران کو رشوت میں دی ہوئی رقم کا ذمہ دار کون ہوگا؟ چاہے وہ رقم چالیس فی صد سے بھی زیادہ ہو؟

امید ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں اِن تمام باتوں کے جوابات ارشاد فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوالات کے جواب سے پہلے بہ طور تمہید چند باتیں عرض ہیں:

① حکومت اپنے شہریوں کی سہولت اور راحت رسانی اور اُن کی ضروریات کی

فراہمی کی غرض سے مختلف اسکیمیں جاری کرتی ہے، اُن ہی میں سے ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کی اسکیم ہے، جس کا مقصد ملک کے شہریوں کو اپنی ملک کے رہائشی مکانات کی فراہمی ہے؛ چناں چہ اِسی مقصد کے لیے وہ قرض بھی دیتی ہے۔

(۲) شہریوں کی ضرورت کی فراہمی کے لیے اور اُن کی راحت رسانی کے لیے حکومت جن چیزوں کا انتظام کرتی ہے اُن میں بجلی، پانی، ڈرینج سسٹم، سڑکیں وغیرہ شامل ہیں؛ یہ وہ چیزیں ہیں کہ انفرادی طور پر اِن کا انتظام کسی فرد یا ادارے کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ پھر حکومت کا طریقِ کار اِن سہولتوں کی فراہمی میں افراد و شخصیات اور ادارے کے لیے مختلف ہوتا ہے، مثلاً بجلی، کہ عموماً یہ حکومت کی طرف سے معاوضہ لے کر فراہم کی جاتی ہے؛ لیکن استعمال کرنے والے کے اعتبار سے اُس کی قیمت میں فرق رکھا جاتا ہے: گھریلو استعمال کے لیے اُس کی جو قیمت مقرر کی جاتی ہے وہ کاروباری اور تجارتی استعمال کے لیے مقرر کی جانے والی قیمت کے مقابلے میں کم ہوتی ہے، اِسی طرح کارخانوں اور فیکٹریوں کے استعمال میں آنے والی بجلی کی قیمت، کھیتی باڑی میں استعمال آنے والی بجلی کی قیمت کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے، عبادت گاہوں اور رفاہِ عام کے کاموں میں استعمال ہونے والی بجلی کی قیمت میں، ذاتی استعمال میں آنے والی بجلی کی قیمت کے مقابلے میں بہت زیادہ رعایت دی جاتی ہے؛ یہی حال بعض دوسری سہولتوں کا ہے جو حکومت کی طرف سے فراہم کی جاتی ہیں۔

(۳) ہاؤسنگ سوسائٹی والی اسکیم جاری کرنے سے حکومت کا مقصد یہ ہے کہ اپنے زیادہ سے زیادہ شہریوں کو اپنی ملک کے رہائشی مکانات میسر ہوں؛ اِس لیے جب حکومت کے سامنے چند افراد مل کر اِس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ: ہم پچاس یا سو افراد مل کر

مشترکہ طور پر ایک جگہ خرید کر وہاں پر رہائشی مکانات تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اور اُس کا پورا نقشہ وغیرہ حکومت کے شرائط کے مطابق متعلقہ شعبے میں پیش کرتے ہیں، تو حکومت کی طرف سے اُن کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، اور اِس کام میں اُن کا مختلف حیثیتوں سے تعاون کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر اِسی طرح کی تعمیراتی اسکیم تجارتی غرض سے پیش کی جاتی اور اُس کو منظور کرنے کے لیے اُن سے جو فیس وصول کی جاتی ہے، اُس کے مقابلے میں ہاؤسنگ سوسائٹی کی اسکیم کی منظوری کے لیے اِتنی فیس نہیں وصول کی جاتی، یہی حال بجلی، پانی وغیرہ دیگر ضروریات کی فراہمی کا ہے۔

④ اِس طرح کی اسکیموں میں پہلے سے باقاعدہ سارے اُمور معاہدے کی شکل میں حکومت اور سوسائٹی کے درمیان طے کیے جاتے ہیں، گویا اِس سوسائٹی کا ہر ممبر حکومت کے ساتھ یہ معاہدہ کرتا ہے کہ: اِس اسکیم میں جن شرائط کے ساتھ حکومت کی طرف سے منظوری دی گئی ہے ہمیں وہ شرائط منظور ہیں، اور ہم اُن شرائط پر عمل کا عہد و پیمان کرتے ہیں۔

⑤ آپس کے معاہدے سے جو شرائط منظور کیے جاتے ہیں اسلامی تعلیمات کا تقاضہ ہے کہ اُن شرائط کو پورا کرنے کا اہتمام کیا جائے، اُن کی خلاف ورزی نہ ہو۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ’’دسواں حکم، عہد کو پورا کرنے کی تاکید ہے۔ عہد دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو بندے اور اللہ کے درمیان ہے، (آگے تحریر فرماتے ہیں:) دوسری قسم عہد کی وہ ہے جو انسان کسی انسان سے کرتا ہے، جس میں تمام معاہدات: سیاسی، تجارتی، معاملاتی شامل ہیں، جو افراد یا جماعتوں کے درمیان دنیا میں ہوتے

ہیں"۔(معارف القرآن ۵/۴۶۸)

آیت کریمہ ﴿وأوفوا بعهد الله إذا عاهدتم﴾(النحل) کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: "لفظ عہد اُن تمام معاملات ومعاہدات کو شامل ہے جن کا زبان سے التزام کیا جائے، یعنی اُس کی ذمہ داری لی جائے، خواہ اُس پر قسم کھائے یا نہ کھائے، خواہ وہ کسی کام کے کرنے سے متعلق ہو یا نہ کرنے سے۔(آگے تحریر فرماتے ہیں:) کسی سے عہد ومعاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کرنا بڑا گناہ ہے"۔(معارف القرآن ۵/ ۳۸۳)

عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله: أربع من كان فيه كان منافقا خالصا، ومن كان فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتیٰ يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر. متفق عليه (مشكوة ص:۱۷)

⑥ ہاؤسنگ سوسائٹی کی اجتماعی ضرورتوں کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے جو رقم ممبران سے وصول کی جاتی ہے جس کو مینٹننس کا نام دیا گیا ہے، چوں کہ اُن کی ضرورتوں میں بعض ایسی بھی ہیں جن کے لیے حکومت کی طرف سے تعاون بھی کیا جاتا ہے، مثلاً: وہاں آنے جانے کے راستے، یا پانی کا اجتماعی نظام، وغیرہ اور جیسا کہ اوپر کے نمبرات میں بتلایا گیا، ایسے امور میں حکومت کی طرف سے رعایت بھی دی جاتی ہے، چوں کہ بہ وقتِ معاہدہ حکومت کو یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ مکانات جو تعمیر کیے جا رہے ہیں اُن کو ممبران حضرات اپنی رہائشی ضرورت پوری کرنے کے لیے استعمال کریں گے، اُن کے ذریعے آمدنی حاصل کرنا یا کمانا مقصود نہیں، اُن کی اِسی درخواست کو مد نظر رکھ کر اُن سے لیے جانے والے معاوضوں میں حکومت کی طرف سے رعایت دی جاتی ہے؛

لیکن ساتھ ہی یہ وعدہ بھی لیا جاتا ہے کہ اگر کوئی ممبر اِس مکان کو اپنی رہائشی ضرورت میں استعمال کرنے کے بہ جائے کرایے پر دے گا یعنی اِس کو آمدنی کا ذریعہ بنائے گا، تو اُس سے عام طور پر لی جانے والی مینٹیننس کی مقدار سے زیادہ مقدار وصول کی جائے گی، اور اُس کو بھی حکومت خود لینے کے بہ جائے ہاؤسنگ سوسائٹی کے پاس رہنے دیتی ہے، کہ وہ اِس کے ذریعے سوسائٹی کی عام ضرورتوں کو پورا کرے (کہ یہ بھی حکومت کے مقاصد میں سے ہے)، گویا زیادتی کی یہ شرط لگا کر حکومت کی طرف سے جو رعایت دی گئی تھی اُس میں کمی کر دی گئی؛ اِس لیے اِس طرح کی شرط بھی قرین قیاس ہے، اور جو آدمی اِس زیادتی کو ادا نہ کرے اُس سے بہ طور سزا چالیس فی صد وصول کیا جاتا ہے، جس کو حکومت ہی متعلقہ شعبے میں جمع کر لیتی ہے، اور یہ بھی اِس سلسلے میں کیے گئے معاہدے کا ایک حصہ ہی ہے جس کا ہر ممبر کو علم ہے۔

⑦ حکومت کی طرف سے جو مال بہ طور جرمانہ وصول کیا جاتا ہے شرعی اعتبار سے تو اُن میں سے کوئی چیز وصولنی نہیں چاہیے، اور جو حاکم اصولِ شرع کے مطابق نظامِ حکومت چلاتا ہو اُس کو چاہیے کہ اِس طرح کے جرمانوں کو ختم کرے؛ لیکن چوں کہ ہماری حکومت اسلامی حکومت نہیں، اور اِن جرمانوں کو ختم کرنا اور اِن کی ادائیگی سے انکار کرنا ہمارے اختیار اور طاقت سے باہر ہے؛ اِس لیے اگر حکومت کے قانون کے پیش نظر اِس کا مطالبہ کیا جائے تو اپنی عزت وآبرو اور جان کے نقصان سے حفاظت کے لیے اِس کی ادائیگی کی جا سکتی ہے۔ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ سے ایک سوال جواب نقل کیا جاتا ہے:

(سئل) فيما إذا كان رجل ساكن بدمشق وله أملاك في قرية من قراها، وترد على القرية المزبورة غرامات متعلقة بالأبدان والأنفس،

فهل لاينوب الرجل المذكور شيء من الغرامات المتعلقة بالأنفس؟

(الجواب)الأصل في ذلك: أنه لايلزم أحد بشيء من ذلك شرعا، ولحاكم الشرع رفع ذلك ومنعه، فإذا لم يمكن رفع ذلك ولامنعه فما كان لحفظ الأملاك فالقسمة على قدر الملك؛ لأنها مؤنة الملك، وإن كانت لتحصين الأبدان فعلى عدد الرء وس؛ لأنها مؤنة الرأس، ولايدخل في ذلك النساء والصبيان؛ لأنه لايتعرض لهم، ولأنه لايمكن دفعها، فوجب توزيعها على حسب ذلك؛ كما ذكر هذا التعليل الخير الرملي في فتاوية ومن لم يكن ساكنا في القرية المزبورة لايمنعه من الغرامات المتعلقة بتحصين الأبدان شيء؛ لأن بدنه ليس في القرية المزبورة قال الإمام الجليل فخر الدين قاضي خان في فتاواه المشهور في كتاب القسمة: "أهل قرية غرمهم السلطان فقال بعضهم: يقسم على قدر الأملاك وقال بعضهم: يقسم على عدد الرءوس وقال الفقيه أبوجعفر: إن كانت الغرامة لتحصين الأملاك يقسم على قدر الأملاك؛ لأنها مؤنة الملك، وإن كان لتحصين الأبدان تقسم على عدد الرءوس الذين يتعرض لهم؛ لأنها مؤنة الرأس، ولاشيء من ذلك على النساء والصبيان؛ لأنه لايتعرض لهم" اهـ بحروفه. ومثله في قسمة الذخيرة والتتارخانية، وكذا في التجنيس وفتاوى الإنقروي والولوالجية والأشباه وغيرها من الكتب المعتبر النعمانية. (تنقيح الفتاوى الحامدية٢ /١٩٩،١٩٨)

اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(الف) مندرجۂ بالاتمہید کی روشنی میں نون اوکیوپیشن چارج لینادرست ہے۔

(ب) جتنی زیادتی کا قانون ہے اُتنا ہی لیا جاسکتا ہے، اور حسبِ قانون اُس کو اجتماعی کاموں میں خرچ بھی کر سکتے ہیں۔

(ج) جی ہاں۔

(د) اِس کے لیے سرکاری افسران کو رشوت نہ دی جائے؛ اِس لیے کہ رشوت دے کر جو کچھ بھی اِن افسران کے ذریعے کروایا جارہا ہے وہ سب قانون حکومت کی خلاف ورزی ہونے کی وجہ سے جان وعزت دونوں کے لیے خطرہ ہے؛ نیز حکومت کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی خلاف ورزی بھی ہے؛ نیز جرمانے کی ادائیگی تو ہم اپنی خوشی اور مرضی سے نہیں؛ بلکہ قانونی مجبوری کی وجہ سے کر رہے ہیں، جب کہ رشوت دینا ہمارے اختیار سے ہو رہا ہے؛ نیز رشوت کی وجہ سے یہ سب کالعدم بھی نہیں ہوتا؛ بلکہ وقتی طور پر افسران چشم پوشی کر لیتے ہیں، پھر جب دوسرا آدمی آئے گا دوبارہ یہی مسئلہ سر اٹھائے گا، اِس لیے رشوت ہرگز نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

ممبران بلڈنگ سے لیٹ فیس لینا جائز نہیں

سوال: ایک بلڈنگ میں ۳۰۰/ سے زیادہ ممبر ہیں، جن سے ہر ماہ میںٹیننس لیا جاتا ہے، رقم بلڈنگ کے اجتماعی کاموں مثلاً: لفٹ، پانی، صفائی، حفاظتی عملے کی تنخواہ، اسٹیٹ لائٹ بل، پانی کے ٹیکس اور زمین کے ٹیکس وغیرہ میں خرچ کی جاتی ہے، اگر ۳۰۰/ممبروں میں سے ۲۵۰/ممبر اپنا میںٹیننس ادا کرتے ہیں اور پچاس ممبر ادا نہیں کرتے، تو ان ادا نہ کرنے والوں سے سوسائٹی کی کمیٹی تاخیر کرنے پر ”لیٹ فیس“ کے

نام سے کچھ زائد رقم لیتی ہے، کیا یہ لیٹ فیس لینا صحیح ہے؟

اگر یہ لیٹ فیس لینا صحیح نہیں ہے تو کیا یہ مینٹننس ادا نہ کرنے والے ممبروں کے لیے سوسائٹی کی اجتماعی سہولتوں سے فائدہ اٹھانا شرعاً صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لیٹ فیس درحقیقت مالی جرمانہ ہے، جس کی شرعاً اجازت نہیں۔

درمختار میں ہے: لا بأخذ مال في المذهب شامی میں ہے: قال فی الفتح: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقی الأئمة لايجوز اه ومثله فی المعراج، وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال فی الشرنبلالية: ولايفتىٰ بهذا؛ لمافيه من تسليط الظلمة علىٰ أخذ مال الناس فيأكلونه اه (درمختار مع الشامی ۳/ ۱۹۵)

البتہ مینٹننس ادا نہ کرنے والے ممبروں سے انتظامیہ جبراً مینٹننس وصول کرسکتی ہے۔

درمختار میں ہے: ليس لذى الحق أن يأخذ غير جنس حقه، وجوزه الشافعي وهو الأوسع شامی میں ہے: (قوله: وجوزه الشافعى) قدمنا فى كتاب الحجر: أن عدم الجواز كان فى زمانهم، أما اليوم فالفتوىٰ على الجواز. (درمختار مع الشامی ۵/ ۳۰۰)

اور پچھلا مینٹننس ادا نہ کرنے پر آئندہ کے لیے اجتماعی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے سے ان کو روک دے، اس کے باوجود ان کا ان سے فائدہ اٹھانا شرعاً جائز اور درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی عفی عنہ

مینٹننس کی رقم کی مقدار اور تاخیر پر جرمانہ

سوال: (۱) میرا ایک فلیٹ ہے اسے میں نے ایک شخص کو کرایہ پر دیا ہے، اس بلڈنگ کے کمیٹی ممبران نے مجھ سے کہا کہ آپ کرایہ پر دے کر کما رہے ہیں تو بلڈنگ والوں کو بھی فائدہ ہونا چاہیے، لہذا کمیٹی ممبران نے یہ طے کیا کہ جو بھی فلیٹ کرایہ پر دے گا اسے ہر ماہ ۵۰۰ / روپے کمیٹی ممبران کو دینا ہوگا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کمیٹی کا اس طرح قانون بنا کر ہر ماہ ۵۰۰ / روپے لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) میرا ایک فلیٹ ہے اس کا مینٹننس ۳۰۰۰ /ر ہے، ہر ماہ کی ۲۱ تاریخ تک بھرنا ہوتا ہے، اگر ادا کرنے میں تاخیر ہوگئی تو ۲۱ فیصد پینلٹی لگائی جاتی ہے، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ تاخیر ہونے کی وجہ سے کمیٹی ممبران کا پینلٹی لگا کر زائد رقم کا مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) بلڈنگ میں تمام فلیٹ والوں کی مشترکہ ضرورتوں کا نظم و انتظام کرنے کے لیے کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے اور ان مشترکہ ضرورتوں پر جو مصارف ہوتے ہیں وہ یہ کمیٹی مالکان فلیٹ سے مینٹننس کے نام سے وصول کرتی ہے، خود اس مینٹننس کے لیے شرعاً یہ حکم ہے کہ جو حقیقی اور واقعی مصارف ہوں ان کے مطابق ہی رقم وصول کی جائے، اس سے زیادہ وصول کرنا درست اور جائز نہیں، رہا آپ کا یہ سوال کہ آپ نے اپنا وہ فلیٹ (خود رہنے کے بجائے) دوسرے آدمی کو کرایہ پر دیا ہے، اس کرایہ میں سے کمیٹی ممبران آپ سے مطالبہ کرتے ہیں تو ان کا یہ مطالبہ شرعاً درست نہیں، حدیث

شریف میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه. (مشکوٰۃ: ۲۵۵)

② مینٹننس کی مقررہ رقم کی ادائیگی میں تاخیر ہونے پر کمیٹی ممبران کا جرمانہ کے طور پر اکیس فیصد مزید وصول کرنا جائز نہیں۔

درمختار میں ہے: لا بأخذ مال فی المذهب وفی الشامیة (قوله لا بأخذ مال فی المذهب) قال فی الفتح وعن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقی الأئمة لا یجوز اهـ ومثله فی المعراج وظاهره أن ذلك روایة ضعیفة عن أبی یوسف قال فی الشرنبلالیة ولا یفتی بهذا لمافیه من تسلیط الظلمة علی أخذمال الناس الخ (درمختار مع الشامی ۳/ ۱۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گیسٹ ھاؤس وغیرہ کے مسائل

گیسٹ ہاؤس کے مالک کا گاہک کے ناجائز کام پر تعاون

سوال: گیسٹ ہاؤس میں آنے والے گاہک نئی نئی عورتوں کو جو مختلف ہوتی ہیں، ان کی اہلیہ نہیں ہوتی ساتھ میں لاتے ہیں، اور روم میں قیام کرتے ہیں، زناکاری کا عمل ہوتا ہے، اور مالک گیسٹ ہاؤس اس کو جانتا ہے؛ نیز بعض مرتبہ شراب لاکر پیتے ہیں، اور بعض مرتبہ گیسٹ ہاؤس کا نوکر باہر سے شراب لاکر دیتا ہے، اور باہر سے لڑکی وغیرہ کا انتظام کر دیتا ہے، اور یہ سب کاروبار چلانے کے لیے کیا جاتا ہے،

نہیں کرتا ہے، تو کاروبار ٹھیک نہیں چلتا ہے، تو شراب اور لڑکیاں مہیا کرنا؛ نیز گاہک ساتھ لے کر آئے تو زنا اور شراب کی اجازت دینا کیسا ہے؟ نیز گاہکوں کی چاہت کے لیے اور کاروبار ٹھیک چلے اس کے لیے ریڈیو، ٹیلیویژن، ویڈیو وغیرہ لگانا، فلمی گانے سنانا اور فلمیں وغیرہ دکھلانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ تمام امور اعانت علی المعصیت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں، اور ان میں سے بعض خود معصیت ہیں۔﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ ﴿رب بما أنعمت عليّ فلن أكون ظهيرا للمجرمين﴾ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: اگر گیسٹ ہاؤس کا مالک مذکورہ بالا غلط چیزوں کی ممانعت کرتا ہے اور جلی حروف میں غلط چیزوں کی ممانعت کا سائن بورڈ بھی لگایا ہے، اور اگر ایسا گاہک آ بھی گیا تو اس کو سمجھا بجھا کر باہر بھی نکال دیتا ہے، اس طرح گیسٹ ہاؤس کا کاروبار کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اگر مالک کی بے خبری میں گیسٹ ہاؤس میں غلط کام ہو جائے تو مالک گنہ گار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مالک کی طرف سے تمام قسم کی احتیاطی تدابیر کے باوجود غلط کام کسی نے کر لیا تو اس کی ذمہ داری مالک پر عائد نہیں ہوگی، اور مالک گنہ گار نہ ہوگا، ان احتیاطی تدابیر

کے ساتھ گیسٹ ہاؤس کا کاروبار درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

گیسٹ ہاؤس میں آنے والے جوڑے کے متعلق میاں بیوی یا اجنبی ہونے کا علم نہ ہو تو؟

سوال: زید ایک گیسٹ ہاؤس کا مالک ہے، اس گیسٹ ہاؤس میں قیام کے لیے مختلف لوگ عورتوں کے ساتھ آتے ہیں، صاحب گیسٹ ہاؤس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ دونوں میاں بیوی ہیں یا نہیں، تو مالک کے لیے اس کا کرایہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

صورت مسئولہ میں اگر وقتِ قیام اجرت کی تعیین کے ساتھ عقد اجارہ کیا ہے تو گیسٹ ہاؤس کے مالک کے لیے کرایہ وصول کرنا جائز ہے۔

تصح إجارة حانوت أی دکان ودار بلابیان مایعمل فیها لصرفها للمتعارف. (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹی-وی پر مشتمل گیسٹ ہاؤس کی کمائی کا حکم

سوال: ایک صاحب کا بڑا گیسٹ ہاؤس (Guest House) ہے، جس میں مسافروں کو رکنے دیا جاتا ہے، ان کمروں میں ٹی وی (T.V.) بھی لگا ہوا ہے، اس چیز کے ہوتے ہوئے ایسے شخص کا یہ دھندا کرنا کیسا ہے؟

ایسے شخص کی کمائی اور مال کا کیا حکم ہے؟ نیز یہ شخص اپنا پیسہ مدرسہ میں مسجد میں دیوے تو دینا کیسا ہے؟ استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ایسے ہی اگر کسی کو معلوم ہے اور وہ چندہ لینے والے کو اس منکر فعل سے آگاہ کرے تو فتنہ کا بھی اندیشہ ہے تو جس کو یہ چیز معلوم ہے، وہ آگاہ نہ کرے اس چندہ لینے والے کو، تو اس جاننے والے کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس آدمی کا اپنے گیسٹ ہاؤس کے کمروں میں ٹی وی سیٹ کرنا ناجائز اور گناہ ہے، اس کو چاہیے کہ اس کو نکال دے، اور سابقہ فعل سے توبہ کرے، اس کے باوجود چوں کہ گیسٹ ہاؤس کا جو کرایہ حاصل ہوتا ہے وہ اس میں قیام ورہائش کا ہے کہ اس میں یہی منفعت مقصودہ بالاستیجار ہے، اس لیے اس کمائی کو حرام نہیں قرار دیا جاسکتا، اس کی یہ آمدنی حلال ہے؛ البتہ کراہت سے خالی نہیں، اس لیے یہی رقم مسجد میں استعمال کرنے سے احتراز مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شراب بیچنے والے کو ہوٹل کرایہ پر دینا

سوال: اگر میرے پاس کوئی ہوٹل ہے، اور میرے پاس صرف کھانے کی دوکان ہے، یعنی جس کے اندر صرف چائے اور کھانا فروخت کرتا ہوں، اور دوسرا آدمی جس کو میں نے کرایہ پر دیا ہے، وہ میری اجازت سے شراب فروخت کرتا ہے، یا پھر میں نے اجازت نہیں دی اور وہ میری اجازت کے بغیر شراب فروخت کرتا ہے، تو یہ کیا اس کے لیے جائز ہے یا حرام ہے؟ اس لیے میں نے لکھا کہ ایک مولانا ہمارے

یہاں اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس میں اعانت علی المعصیت ہے، فرمانِ خداوندی ہے: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ (یعنی معصیت اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو) اگر اجارہ پر دینے والے کا مقصد اس معصیت ہی کا ہو، (جیسا کہ اجازت دینا اس پر دلالت کرتا ہے) تب تو یہ خود ارتکابِ معصیت اور اعانتِ معصیت میں داخل ہو کر قطعاً حرام ہے اور اگر اس کا قصد ونیت شامل نہ ہو؛ لیکن اس کو علم ہے کہ یہ شخص اس دوکان میں شراب فروخت کریگا، تو اس صورت میں یہ بیع واجارہ مکروہ ہے۔ (از جواہر الفقہ ۲/۴۵۵ ملخصاً) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شراب پینے والے غیر مسلم کو ہوٹل میں ملازم رکھنا

سوال: زید کی ہوٹل میں ایک ہندو کاریگر کام کرتا ہے، زید اس کو ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد روزانہ روکڑا روپیہ دے دیتا ہے، اور زید کا وہ ہندو نوکر اسی روپیہ سے شراب پی کر ہوٹل میں سوتا ہے اور صبح اپنی نوکری شروع کر دیتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ زید کو دوسرا کاریگر بھی ہوٹل کے لیے نہیں ملتا ہے تو زید کیا کرے؟ اور زید اپنی ہوٹل میں خلافِ سنت کھانا کھلاتا ہے تو اس صورت میں زید کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟ ہوٹل میں کھانے والا ہندو آتا ہے جو شریعت کا مکلف نہیں ہے، اور اگر مسلمان کھانے والا ہو تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب وہ ملازم غیر مسلم ہے تو چاہے وہ اپنی اس تنخواہ سے شراب نوشی کرتا ہو، زید پر کوئی گناہ نہیں ہے، چار پائی پر کھانا جائز ہے، زید کی آمدنی پر اس کی وجہ سے کوئی حرمت نہیں آتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کرایہ دار دکان میں شراب کا گڑ بیچتا ہو تو بھی کرایہ لینا درست ہے

سوال: اگر کوئی آدمی اپنی دکان کسی کو کرایہ پر دے، اور کرائے دار اس دکان میں شراب کا گڑ بھی بیچے تو کیا مالک مکان کے لیے کرایہ لینا درست ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے؛ اس لیے کہ دینے والے نے اس نیت سے نہیں دیا۔

لأن الإجارة على منفعة البيت ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه الخ (شامی ۵/ ۲۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دلالی کے مسائل

دلال کی اجرت

سوال: بمبئی شہر میں گھروں کی دلالی ہوتی ہے، اگر کسی مکان کو فروخت کرنا ہو تو دلال کو بتانا پڑتا ہے، اور دلال کا ریٹ ہے کہ ایک لاکھ میں ایک ہزار، اگر مکان دس لاکھ کا ہو تو دس ہزار دلالی لیتا ہے۔ اور اسی طرح جو خریدار ہے اس سے بھی اتنی ہی رقم

لیتا ہے۔ کیا دو طرفہ دلالی لینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر دونوں طرف سے دلالی لینے کا عرف ورواج ہو تو درست ہے ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، یکم صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دلال کی اجرت

سوال: آج کل عام طور پر منڈیوں پر، غیروں کے قبضہ وتسلط کی وجہ سے کاروبار میں شرعی اصول کی رعایت نہیں رکھی جاتی، اور عموم کی وجہ سے کوئی ان اصول کی رعایت کرنا چاہے تب بھی نہیں کرسکتا، اور تمام کاروباری بھی اس کے عادی ہو جانے کی وجہ سے منازعت بھی نہیں پائی جاتی، مثلاً: ہم چھوٹے تجار کو جب بھی کوئی مال، اناج، کپڑا وغیرہ لینا ہو تو دلال کو آرڈر دینا ہوتا ہے، دلال اصل بڑے تاجر کو آرڈر دیتا ہے، وہ بڑا تاجر دلال کے آرڈر کے مطابق ہم کو مال روانہ کردیتا ہے، اور دلال کا کمیشن اس پر لگ جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ دلال کا اس طرح بے دیکھے، بے تولے اور بغیر قبضہ کے مال روانہ کردینا ایسے ہی ہمارا اس سے اس طرح خریدنا جب کہ بڑا تاجر ہم کو براہِ راست نہیں دیتا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

دلال بائع ومشتری کے درمیان معاملہ کرادیتا ہے اور اپنے کام کی اجرت

بصورتِ کمیشن وصول کرتا ہے، یہ درست ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۱۷۰، شامی ۵/ ۴۴)

جو مال خریدا جاتا ہے اس کا نمونہ دیکھا جاتا ہے، اس کی قیمت بھی متعین ہوتی ہے اور مقدار بھی، گویا معاملہ بڑے تاجر اور چھوٹے تاجر کے درمیان ہوا، دلال نے دونوں کے درمیان رابطہ کا کام دیا؛ اس لیے یہ معاملہ درست ہے؛ البتہ خریدا ہوا مال نمونہ کے مطابق نہ ہو یا اس میں کوئی عیب ہو، تو مشتری کو خیار رویت یا خیار عیب حاصل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بائع اور مشتری سے دلالی کی اجرت لینا

سوال: صاحبِ مال نے کسی دلال سے کہا کہ میرا فلاں مال ۵۰۰ / میں مثلاً بکوادے، تجھے سو روپئے دلالی دی جائے گی، دوسرے آدمی نے اس مال کے متعلق کہا کہ پانچ سو میں مجھے سودا کرادے تو تجھے سو روپئے دلالی دی جائے گی، بائع ومشتری دونوں کو قیمت معلوم ہے، دلال دونوں سے سو سو روپئے لیتا ہے، تو اس میں کوئی قباحت تو نہیں آئے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر سودا (یعنی ایجاب وقبول) بائع ومشتری خود انجام دے رہے ہیں، دلال نے تو صرف دونوں میں رابطہ پیدا کرنے کا کام انجام دیا ہے، تو دونوں سے دلالی یعنی اجرت لے سکتا ہے، اور اگر وہ دلال کسی ایک کی طرف سے سودا کر رہا ہے تو صرف اسی سے اجرت لے سکتا ہے، اس لیے کہ اس صورت میں دلالی صرف وکالت کی اجرت

کہلائے گی، اور بیع میں کسی ایک ہی کی طرف سے وکیل بن سکتا ہے، دونوں کی طرف سے نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دلالی کے دو مسئلے

سوال: (۱) ہمارا بھینسوں کا اصطبل ہے، جانوروں کے لیے گھاس، دانہ دلالوں کے واسطہ سے کمپنی سے خریدا جاتا ہے، دلال دونوں طرف سے دلالی وصول کرتے ہیں، کمپنی سے جو بھی مال خریدا جاتا ہے ثمن کی ادائیگی میں چالیس دن کی مہلت ہوتی ہے، یہ کمپنی کا عام دستور ہے کمپنی مہلت ہی کے حساب سے بھاؤ طے کرتی ہے کمپنی یا دلال کے پوچھنے پر وہی بھاؤ بتایا جاتا ہے، اور اکثر خریدار چالیس دن پر ہی ثمن ادا کرتے ہیں؛ لیکن اگر کوئی خریدار نقد ثمن ادا کر دے تو کمپنی کی طرف سے دلال کو اجازت ہوتی ہے کہ دو فیصد ثمن کم لے یہ بھی کمپنی کا عام دستور ہے جو معروف ہے، چناں چہ نقد ثمن ادا کرنے پر دلال اگر پورا ثمن وصول کرے تو خریدار کو اعتراض بھی ہوتا ہے، تو کیا مذکورہ صورت میں خریدار کے لیے دو فیصد ثمن کم کر دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور یہ رقم خریدار کے لیے حلال ہوگی یا نہیں؟

(۲) نوٹ: بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دلال کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ فلاں مال کی قیمت بڑھنے والی ہے تو وہ اپنے لیے کافی مقدار میں کمپنی سے مال خرید لیتا ہے، پھر جب اصطبل والے دلال کے پاس مال کا آرڈر لکھواتے ہیں تو دلال اپنا مال موجودہ بھاؤ سے خریدار کے پاس بھیج دیتا ہے؛ جب کہ دلال نے کم قیمت میں خریدا ہوتا ہے

اور اس صورت میں نقد ثمن ادا کرنے پر دو فیصد کم لیتا ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① صورت مسئولہ میں دلال کمپنی کی طرف سے وکیل بالبیع ہے، اور نقد ثمن ادا کرنے کی صورت میں کمپنی کی ہدایت کے بموجب دو فیصد ثمن کم لینا چاہیے؛ اس لیے اگر خریدار نقد قیمت ادا کرنے کی صورت میں دو فیصد ثمن کم دیں گے تو ان کو ایسا کرنے کا حق ہے۔

② دلال کی حیثیت جب وکیل بالبیع کی ہے تو اس کے لیے کمپنی سے جس قیمت سے مال لیا ہے اس سے زیادہ قیمت وصول کرنا درست نہیں۔ ہاں اگر خریدار کو وہ یہ بتلادے کہ یہ مال میں خرید چکا ہوں، کمپنی کا وکیل ہونے کی حیثیت سے نہیں تب ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مریض کو حکیم تک پہنچانے کی دلالی لینا

سوال: حکیم اور مریض دونوں غیر مسلم ہیں؛ لیکن درمیان میں ایک مسلم شخص جو مریض کو حکیم تک پہنچانے یا دونوں کے تعلقات کرانے کے؛ نیز اس ذمہ داری سے کہ مرض ٹھیک ہو ہی جائے گا، مریض سے بطورِ دلالی کے کچھ رقم: ہزار، دس ہزار اس نیت سے کہ اس رقم سے کوئی مسجد تعمیر کرے یا کسی مدرسہ کی نصرت کرے، کیا اس رقم پر دلال کی ملکیت ثابت ہوں گی یا نہیں؟ کیا اس کو مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ ایک طرح کی سفارش ہے؛ نیز مرض سے خلاصی ہونا اور صحت حاصل ہونا

منفعتِ مقدور التسلیم نہیں ہے، اس لیے یہ رقم لینا جائز نہیں ہے۔ (ماخوذ از امداد الفتاویٰ ۳/۳۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مخصوص کمپنی کی دوا لکھنے یا دوسرے ڈاکٹر کے پاس بھیجنے کا کمیشن

سوال: (۱) ایک کمپنی انگریزی دوا بناتی ہے اور اس کا ریٹ مقرر کرتی ہے، مثلاً ''ایزی تھری مائن'' نام کی دوسو پچاس (۲۵۰) پاور کی بیس گولیوں کی قیمت ساٹھ (۶۰) روپئے مقرر کرتی ہے، دوسری کمپنی اسی نام کی اور اتنے ہی پاور کی گولیاں تیار کرتی ہے اور اس کی اسی (۸۰) روپئے قیمت مقرر کرتی ہے، دونوں کمپنی سے بنی ہوئی گولیاں ایک جیسی ہوتی ہیں، مجھے معلوم نہیں کہ دونوں میں کیا فرق ہے؛ البتہ دونوں ایک ہی مرض میں استعمال کی جاتی ہیں، اب کم ریٹ میں فروخت کرنے والی کمپنی کی طرف سے اعلان ہے: ''جو ڈاکٹر ہماری بنی ہوئی دواؤں کو مریضوں کے لیے تجویز کر کے لکھ دے، اس ڈاکٹر کو تیس فیصد، منافع یا بطور انعام کے دیا جائے گا'' وہ انعام یا منافع اس لیے دیا جاتا ہے کہ ہم نے اس کمپنی کی دوا لکھ کر دی، جس کی وجہ سے دوائیاں زیادہ فروخت ہوں گی، اور جس کمپنی کی دوائیاں مہنگی ہیں، اگر ان کی دوائیاں لکھ کر دی جائیں تو ان کی طرف سے کچھ نہیں ملتا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کم ریٹ والی کمپنی کی بنی ہوئی دواؤں کو مریضوں کے لیے لکھ کر دینا اور اس پر ملنے والے منافع استعمال کرنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: جب دونوں کمپنی سے بنی ہوئی گولیاں ایک جیسی ہیں اور ایک ہی

مرض کے لیے ہیں تو ایک کمپنی کم قیمت میں اور دوسری زیادہ قیمت میں فروخت اس لیے کرتی ہے کہ کم قیمت میں فروخت کرنے والی کمپنی درمیان میں بہت کم واسطوں سے فروخت کرتی ہے جن کا خرچ بچ جاتا ہے، اور جو کمپنی مہنگی فروخت کرتی ہے وہ درمیان میں کئی واسطوں سے دوکان داروں تک پہنچاتی ہے؛ اس لیے وہ سارا خرچ دواؤں پر لگا کر مہنگی فروخت کرتی ہے۔

② ایک مریض میرے پاس آتا ہے، تشخیص کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس مریض کو کسی دوسرے بڑے ڈاکٹر کے پاس بھیجنا ضروری ہے؛ تاکہ کامل علاج ہو سکے، میں پرچی لکھ کر ڈاکٹر کے پاس مریض کو بھیج دیتا ہوں، اب بڑے ڈاکٹر کے پاس جتنے روپئے کا علاج ہوا اس کی تیس (۳۰) فیصد رقم بڑے ڈاکٹر کی طرف سے مجھے ملتی ہے، میری طرف سے کوئی مطالبہ نہیں ہوتا، اور یہ تیس فیصد (۳۰) فیصد رقم بڑے ڈاکٹر صاحب اپنی ہی رقم سے مجھے دیتے ہیں، کیوں کہ ایک مریض میں نے ان کی طرف بھیجا ہے، تو اب یہ ملنے والی رقم میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① دواساز کمپنی کی طرف سے اس کی بنائی ہوئی دوائی، مریض کو لکھ کر دینے کی صورت میں ڈاکٹر کو منافع میں سے جو کچھ دیا جا رہا ہے وہ رشوت ہے، جس کا لینا اور دینا جائز نہیں۔

② شرعی اعتبار سے اس کا شمار بھی رشوت ہی میں ہوتا ہے، جس کا لینا آپ کے لیے جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مریض کو متعینہ دکان سے دوا لینے کا پابند کر کے دکاندار سے کمیشن لینا

سوال: زید ڈاکٹر ہے، اس کے پاس ایک مریض آیا، اس نے ایک دوا لکھی، قریب میں کئی دوا کی دکانیں ہیں؛ مگر ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا: وہاں سے دوا خرید لو، اس نے خرید لی، مالکِ دکان اور ڈاکٹر سے یہ بات طے ہے کہ اگر تمہارے ذریعہ سے ہماری دکان سے سو روپئے کی دوا فروخت ہوئی تو ۲۵ روپئے بطور کمیشن آپ کو دوں گا، تو کیا زید کا اس طرح کمیشن لینا جائز ہے؟ دوسری مثال ابو بکر ایک کپڑے کے کارخانے میں کشیدہ کاری یعنی ڈیزائن کا ماسٹر ہے، کارخانے سے اس کی تنخواہ مقرر ہے، اس نے ایک ڈیزائن بنائی، اس میں کلر یعنی رنگ کی ضرورت پڑتی ہے، ماسٹر نے مشورہ دیا، فلاں کمپنی کا رنگ زیادہ اچھا ہوگا، ماسٹر کے اشارے سے اسی کمپنی کا رنگ مالک کارخانہ نے خریدا، جس کی طرف ماسٹر نے اشارہ کیا تھا، جب کہ وہی رنگ دوسری کمپنیاں بھی بناتی ہیں، اب وہ فروخت کرنے سے محروم ہو گئی، ماسٹر کو اس کمپنی کی طرف سے کافی تعداد میں کمیشن کا وعدہ کیا گیا ہے، اور وعدہ کے مطابق اس کو کمیشن ملتا ہے، ماسٹر کا اس طرح دوسری کمپنیوں کو اشارہ کر کے محروم کرنا، اور کمیشن لینا جائز ہے؟ اشارہ نہ کرنے کی صورت میں مالک کارخانہ کہیں بھی خرید سکتا تھا؛ مگر ماسٹر کی وجہ سے نہیں خریدا، برائے مہربانی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ڈاکٹر مریض کو کسی خاص دواخانہ سے دوا خریدنے کے لیے اور ڈیزائن ماسٹر کا کارخانہ دار کو کسی خاص کمپنی کا رنگ خریدنے کے لیے محض اپنی آمدنی کے لیے پابند کرنا،

ایک طرح کی خیانت ہے، اوراس پر کمیشن کے نام سے وصول کی جانے والی رقم ایک نوع کی رشوت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ / شوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کمیشن پر چندہ کرنا

سوال: بعض مدارس میں سفراء حضرات کو کمیشن کے طور پر چندہ وصول کرنے ارسال کررہے ہیں، تو کیا اس طرح کمیشن کے طور پر چندہ کروانا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ طریقہ ناجائز ہے، یہ اجارہ فاسد ہے دو وجہ سے: ایک بوجہ جہالت اجر اور دوسرے اس لیے کہ اس میں اجرت عملِ اجیر سے حاصل ہوتی ہے۔

جائز صورت یہ ہے کہ ان کی تنخواہ مقرر کردی جائے، اور یہ کہا جاوے کہ اگر ہزار روپئے لاؤ گے تو پچاس روپیہ علاوہ تنخواہ کے مزید انعام دیا جاوے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳ / ۴۰۲)

اس سلسلہ میں تفصیلی فتویٰ دیکھنا چاہیں تو فتاویٰ محمودیہ: ۱۰ / ۲۳۳ تا ۲۳۶ کا مطالعہ کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳ / شعبان ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

معاملۂ اجارہ میں تنخواہ اور فیصد کو جمع کرنا

سوال: ہمارے بازار میں ایسا معاملہ چلتا ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی دکان میں

ملازمت اور نوکری کرتا ہے، تو اس ملازم اور نوکر کے لیے ایک متعین تنخواہ مقرر کردی جاتی ہے، مثلاً ۵۰۰۰؛ نیز اس ملازم اور دکان دار کے مابین یہ معاملہ بھی طے ہوتا ہے کہ یہ ملازم کوئی چیز فروخت کرے تو فروخت کردہ شے کے ثمن میں سے کچھ فیصد بھی مقرر کرتے ہیں، کبھی ایک فیصد، کبھی پندرہ فیصد بھی مقرر کرتے ہیں، تو یہ دونوں یعنی تنخواہ اور فیصد کے طور پر مقرر رقم اس ملازم کے لیے لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا دونوں میں سے ایک مقرر کر کے کوئی ایک لی جائے؟ اگر کوئی اس طرح لیوے تو ان روپیہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقدِ اجارہ کے صحیح ہونے کے لیے جن شرائط کا ہونا ضروری ہے ان میں ایک اہم شرط یہ ہے کہ عقدِ اجارہ میں اجرت اور اس کے وصف کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے، یعنی جب عقدِ اجارہ ہو تو اس میں اجرت اور اس اجرت کی کیفیت معلوم ہونا شرط ہے کہ اجرت عروض (سامان) میں سے ہوگی یا مکیلی ہوگی (یعنی جسے ناپ کردیا جائے) یا موزونی (یعنی جسے وزن کر کے دیا جائے) یہ تمام باتیں طے ہونا ضروری ہے۔ (جدید معاشی نظام میں اسلامی قانونِ اجارہ، ص ۴۴)

اگر کل اجرت یا اجرت کا بعض حصہ مجہول ہوگا تو اجارہ فاسد ہوگا۔

يشترط لصحة الإجارة أى لعدم فسادها أولاً أن تكون الأجر معلومة تماما قدراً أو نوعاً أى لايكون شيئ منها مجهولا كلا أو بعضا لأن جهل الأجر يفضي إلى المنازعة لقوله عليه الصلوة والسلام: من استأجر أجيرا فليعطه أجره(إلى قوله) جهالة البعض: أولاً: إذا استأجر إنسان آخر للصيد بكذا قرشا فى اليوم على أن يكون الصيد بينهما

مشتركاً تكون الإجارة فاسدة، والصيد للمستأجر وللاجير أجر مثله. (هندية)

یعنی ایک شخص نے دوسرے شخص کو شکار کرنے کے لیے کرایہ پر لیا کہ ایک دن کے شکار کے اتنے اتنے روپئے دوں گا اس شرط کے ساتھ کہ شکار دونوں میں مشترک ہوگا تو یہ اجارہ فاسد ہے، شکار کیا ہوا جانور پورا مستاجر کا ہوگا اور مزدور شکاری کے لیے اجرتِ مثل ہوگی۔ (درر الحكام شرح مجلة الاحكام، الكتاب الثانى الاجارة، الفصل الثالث فى شروط صحة الاجارة١/ ٥٠٣،٥٠٤)

صورتِ مسؤلہ میں دوکان کی ملازمت شرعی نقطۂ نظر سے ''عقدِ اجارہ'' ہے جس میں بوقتِ عقد اجرت کا متعین ہونا ضروری ہے ملازم کی تنخواہ پانچ ہزار روپئے طے کی، دوکان کے جس کام کے لیے یہ تنخواہ طے کی گئی ہے، اسی کام کے انجام دینے پر کمیشن دیا جاتا ہے یہ ایک کام کی دو اجرت ہوئی اس میں اجرت کا کچھ حصہ (۵۰۰۰) طے ہے، کچھ حصہ (کمیشن) مجہول ہے لہذا یہ معاملہ درست نہیں۔

اجارہ فاسدہ میں اجیر اجرتِ مثل کا مستحق ہوتا ہے نہ کہ طے شدہ اجرت کا۔ حضراتِ فقہاء نے جن معاملات میں کمیشن لینے کی اجازت دی ہے اس کا مدار ضرورت یا عرف ہے، دوکان میں کام کرنے والے اجیر میں یہ دونوں امر مفقود ہیں۔

صورتِ مسؤلہ میں اجیر کے لیے کمیشن مقرر کرنے کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اجیر تن دہی سے کام کرے اور وافر مقدار میں دوکان کا مال فروخت کرے اگر یہی بات ہے تو یوں بھی شرعاً اجیر کی ذمہ داری ہے کہ مفوضہ کام یعنی عقدِ اجارہ کے ماتحت جو ذمہ داری اس پر عائد ہوئی ہے اس میں ذرہ برابری کوتاہی نہ کرے ورنہ تنخواہ حلال

نہ ہوگی، مستاجر کو بھی چاہیے کہ اجیر کو پورا پورا معاوضہ دے؛ تاکہ اس طرح کمیشن کی طرف اجیر کا میلان نہ ہو۔

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: قال الله: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة رجل أعطىٰ بي ثم غدر، و رجل باع حرا فأكل ثمنه، و رجل استأجر أجيرا فاستوفى منه و لم يعطه أجره. ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ حضور اکرم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کا دشمن بنوں گا، ایک وہ شخص جو میرا نام لے کر عہد کرے اور پھر توڑ دے، دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد آدمی کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی، اور ایک وہ شخص جس نے کسی مزدور کو اجرت پر لیا اس سے کام تو پورا لیا لیکن اس کو اس کی اجرت نہ دی۔ (بخاری شریف ۱/۲۹۷)

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مزدور کو کام کی تکمیل پر پوری اجرت ادا کرنی چاہیے، اور ادا نہ کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۲۷/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دلال کا باہم معاملہ کرا دینا اور بغیر دیکھے مال روانہ کرنا

(سوال): آج کل عام طور پر منڈیوں پر غیروں کے قبضہ و تسلط کی وجہ سے کاروبار میں شرعی اصول کی رعایت نہیں رکھی جاتی، اور کوئی ان اصول کی رعایت کرنا چاہے تو بھی بہت مشکل ہوتا ہے اور تمام تجار کے عادی ہو جانے کی وجہ سے تنازع بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً ہم چھوٹے تجار کو جب بھی کوئی مال، اناج، کپڑا وغیرہ خریدنا ہو تو دلال کو آرڈر دینا

ہوتا ہے، پھر یہ دلال بڑے تاجر کو آرڈر دیتا ہے، وہ بڑا تاجر جو دلال کے آرڈر کے مطابق ہم کو مال روانہ کر دیتا ہے، اور دلال کا کمیشن اس پر لگ جاتا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دلال کا اس طرح بغیر دیکھے، بغیر تولے اور بغیر قبضہ کیے ہوئے مال روانہ کر دینا اور ہمارا اس طرح خریدنا درست ہے؟ واضح رہے کہ بڑے تجار براہِ راست ہمیں مال نہیں دیتے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دلال بائع (بیچنے والے) ومشتری (خریدنے والے) کے درمیان معاملہ کرا دیتا ہے، اور اپنے کام کی اجرت بصورت کمیشن وصول کرتا ہے یہ درست ہے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ: ۴/۱۷۰، شامی ۵/۴۴) جو مال خریدا جاتا ہے اس کا نمونہ دیکھا جاتا ہے اس کی قیمت بھی متعین ہوتی ہے اور مقدار بھی، گویا معاملہ بڑے تاجر اور چھوٹے تاجر کے درمیان ہوا، دلال نے دونوں کے درمیان رابطہ کا کام دیا؛ اس لیے یہ معاملہ درست ہے؛ البتہ اگر خریدا ہوا مال نمونہ کے مطابق نہ ہو یا اس میں کوئی عیب ہو تو مشتری کو خیار رویت یا خیار عیب حاصل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نوٹ: خیار رویت: کسی چیز کو خریدنے کے بعد اسے دیکھنے پر پسند نہ آئے تو خریدار کے لیے وہ چیز لوٹانے کا اختیار ہونے کو کہتے ہیں۔

خیارِ عیب: کسی چیز کو خریدنے کے بعد اس چیز کے عیب دار ہونے کی اطلاع ہونے پر خریدار کے لیے وہ چیز لوٹانے کا اختیار ہونے کو کہتے ہیں۔ (اللباب فی شرح الکتاب)

از: مرتب عفی عنہ

مسائلِ ملازمت

عربی پڑھانے کی ملازمت

سوال: کرناٹک میں حکومت کے طرف سے اہل علم اور علماء حضرات کو عربی پڑھانے کے لیے ملازمت ملتی ہے۔ صرف دو یا تین گھنٹے عربی پڑھانے کے ہوتے ہیں۔ ملازمت سے پہلے ان حضرات کا امتحان لیا جاتا ہے اور تھوڑی بہت عربی آنے پر ان کو ملازمت کے لیے لے لیتے ہیں۔ پھر ان کو ماہانہ ڈیڑھ دو ہزار روپئے تنخواہ دی جاتی ہے۔ علماء حضرات کا یہ تنخواہ لینا کیسا ہے؟ بعض بڑے بڑوں کا کہنا ہے کہ حکومت علماء کو تنخواہ دے کر خریدنا چاہتی ہے۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ اس جامعہ کے ایک فارغ شدہ عالم جو مدرسہ خیر العلوم ادگاؤں میں مدرس تھے حکومت کرناٹک کی جانب سے عربی پڑھانے کے لیے بلاوا آنے پر وہ مدرسہ چھوڑ کر عربی پڑھانے چلے گئے۔ مدرسہ چھوڑ کر ان کا جانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

حکومت کی دیگر وہ ملازمتیں جن میں کسی معصیت کا ارتکاب لازم نہیں آتا جیسے وہ جائز ہیں اور ان کی تنخواہ درست ہے اسی طرح عربی پڑھانے کی ملازمت اور اس پر ملنے والی تنخواہ دونوں جائز ہیں۔ حکومت کی دیگر ملازمتوں میں کوئی یہ نہیں کہتا کہ حکومت نے ان ملازمین کو خریدا ہے۔ بلکہ اس کے باوجود وہ ملازمین آزادانہ طور پر اپنے دینی و معاشرتی امور انجام دیتے ہیں۔ تو پھر عربی پڑھانے کی ملازمت پر ہی یہ

بات کیوں کہی جاتی ہے؟ جو عالم صاحب مدرسہ چھوڑ کر حکومت میں عربی پڑھانے چلے گئے انہوں نے یہ اقدام کن حالات میں اور کن اسباب وعوامل کی بناء پر کیا یہ جب تک خود ان کی زبانی معلوم نہ ہو جائے اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ نیز یہ سوال خود ان کو پوچھنا چاہیے تاکہ وہ حکم شرعی جو بتلایا جائے اس پر عمل بھی کر سکیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

بینک میں ملازمت کرنا

سوال: ہمارے یہاں بہت سے مسلم جوان پڑھے لکھے بینک میں ملازمت کرتے ہیں، وہ کہاں تک جائز ہے؟ وہ بھی معلوم کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بنک میں سود کے لین دین کا کاروبار ہوتا ہے، حدیث پاک میں سود لینے والے اور دینے والے اور سود کا رقعہ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت آئی ہے، اس لیے بینک کی ملازمت نہیں کرنی چاہیے، گنہ گار ہوگا، دوسرے ذریعۂ معاش کے لیے کوشش کرتا رہے، جب مل جائے تو ملازمت چھوڑ دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

بینک کی کمائی کا حکم

سوال: مسلمان جو بینک میں کام کرتے ہیں ان کو سود میں سے ہی تنخواہ دی جاتی ہے تو بینک کی کمائی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی رقم سے حاصل شدہ تنخواہ حلال نہیں ہے، دوسرا ذریعۂ معاش تلاش کرے اور مل جانے پر اس ملازمت کو ترک کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیمہ کمپنی میں ملازمت کرنا اور وہاں کے ملازم کی دعوت کھانا

سوال: بیمہ کمپنی میں ملازمت کرنا کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کے یہاں کھانا اس کی چائے وغیرہ پینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ کمپنی میں ملازمت درست نہیں، دوسری جائز ملازمت کی تلاش میں رہے، مل جانے پر اس ملازمت کو چھوڑ دے۔ اگر کسی آدمی کی کُل آمدنی یہی ہے تو اس کے یہاں کھانے پینے سے احتراز ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰؍شوال ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سودی کاروبار پر مشتمل تنظیم میں ملازمت کرنا

سوال: زید احمد آباد شہر کی اردو اسکول میں مدرس کی حیثیت سے کام کر رہا ہے، مقامی اسکولوں کے اساتذہ کی co-operative تنظیم چلتی ہے، یہ تنظیم مدرسین کو (loan) فراہم کرتی ہے، یہ قرض مدرس کو مع سود کے قسط وار ادا کرنا پڑتا ہے، اس کا اوپریٹیو تنظیم کا نظام چلانے کے لیے آٹھ افراد پر مشتمل ایک عملہ ہے، زید اس تنظیم

میں بھی کام کرتا ہے، اسے اس کی محنت کا معاوضہ بھی دیا جاتا ہے، تنظیم کا منافع یا آمدنی خاص سود پر ہے، سوال یہ ہے کہ زید اپنی خدمت دے کر جو وہاں سے معاوضہ لیتا ہے، وہ از روئے شریعت حلال ہے کہ نہیں؟ مطلع کیجئے، نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس تنظیم کا کام سود پر قرض دینا ہی ہے، تو اس میں ملازمت کرنا اور اس سے حاصل شدہ اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

عن جابر قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه وقال: هم سواء رواه مسلم (مشكوٰة ٢٤٤) لا يجوز أخذ الأجر على المعاصي كالغناء، والنوح، والملاهي؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر، وإن أعطاه الأجر وقبضه لا يحل له ويجب عليه رده على صاحبه. (مجمع الانهر ٢/ ٣٨٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ شوال ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پولیس کی ملازمت اختیار کرنا

سوال: مسلمان پولیس کی نوکری کر سکتا ہے؟ اگر مسلمان پولیس میں نوکری کرنا چاہے تو کوئی حرج ہے شریعت میں؟ کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر ایسی ملازمت اور نوکری جس میں شریعت کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرنا

پڑتی ہو، وہ جائز ہے، پس اگر پولیس کی نوکری بھی ایسی ہو تو جائز ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عذر کی وجہ سے غیر حاضری کی تنخواہ کاٹنا درست ہے

سوال: میں ایک مدرسہ کا مدرس ہوں، اور پوری پابندی کے ساتھ مدرسہ میں پڑھاتا ہوں، مدرسہ کی جانب سے مجھ کو پورے سال میں پندرہ یوم رخصت اتفاقیہ ملتی ہے، اور وہ ابھی باقی ہے، میرا مکان مدرسہ سے دور ہے، گھر میں دوسرا آدمی نہیں ہے، کبھی بذات خود کبھی اہلیہ یا بچے سخت بیمار ہو جاتے ہیں، اس کی دیکھ بھال میں مدرسہ کو اطلاع نہیں دے سکتا ہوں، پھر دوسرے روز اپنا معقول عذر بیان کرتا ہوں، ایسی ایسی بات ہوگئی تھی؛ اس لیے نہیں آسکا؛ مگر ہماری بات نہیں مانی جاتی اور غیر حاضر لگا کر ہماری تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے، کیا اس طرح تنخواہ کاٹنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ظاہر ہے کہ جب آپ کی غیر حاضری ہوئی تو ان کا تنخواہ کاٹنا اصولی طور پر درست ہے، چاہے آپ کی غیر حاضری بیماری (اپنی یا اہل وعیال) کی وجہ سے کیوں نہ ہو، اجرت کام کی ملتی ہے جب کام نہیں ہو تو اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتے؛ البتہ اگر اس سلسلہ میں پہلے سے کوئی معاہدہ یا شرائط ہوں تو اس کی تفصیل بتلا کر دوبارہ معلوم کر لیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ شوال المکرم ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

معلم کی اجرت میں عشر دینا

سوال: زید ہماری مسجد کا مؤذن ہے، اذان کے صلہ میں بستی والے زید کو کپڑا اور کھانا دیتے ہیں، زید مسجد میں کچھ بچوں کو پڑھاتا بھی ہے، جس کی مزدوری میں بستی والے عشر کی رقم زید کو دیتے ہیں، کیا زید کو عشر کی رقم دینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اور جن لوگوں نے عشر اس بیچارے کو دے رکھا ہے، ان کا عشر ادا ہوا یا نہیں ادا ہوا؟ خوب واضح کر کے لکھیں؛ تاکہ لوگوں کو تشفی ہوئے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

عشر (یعنی زمین کی پیداوار میں شریعت کی طرف سے مقرر کردہ مقدار) کو تدریس کی اجرت میں دینا جائز نہیں ہے، عشر کے مصرف وہ لوگ ہیں جو زکوۃ کے مصرف ہیں، اور زکوۃ کسی کام کے عوض میں نہیں دی جاتی؛ بلکہ ایک شرعی فریضہ کی ادائیگی کے طور پر بلا عوض دی جاتی ہے، اس لیے جنہوں نے زید کو عشر کی رقم بچوں کو پڑھانے کے عوض دی ہے ان کا عشر ادا نہیں ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تعلیم پر تنخواہ اور ثواب

سوال: شاہد کمال مدرسہ میں پڑھا کر تنخواہ لیتا ہے، حالاں کہ اللہ نے بقدر ضرورت کھانے پینے کے لیے زمین بھی دے رکھی ہے، کیا شاہد کمال کا دینی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے یا ناجائز؟ نیز دینی تعلیم پر اجرت لینا صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہ اللہ علیہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ نیز دینی تعلیم پر اجرت کے لینے کے بعد اس دینی تعلیم کا اجر

عنداللہ ملے گا یا نہیں؟ اگر اجرت جائز ہے تو کس مقصد کے تحت جائز ہے؟ کتب فقہ کے حوالہ سے جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

متأخرین احناف نے تدریس کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے، اس لیے شاہد کمال کا تدریس پر اجرت لینا جائز ہے، اگر نیت یہ ہے کہ دوسری جگہ زیادہ اجرت ملے گی تو اس کو چھوڑ دوں گا تو یہ اجرت محضہ ہے، اس پر ثواب نہیں ملے گا، اور اگر نیت یہ ہے کہ دوسری جگہ زیادہ اجرت ملے گی، تب بھی اس کو نہیں چھوڑوں گا تو ثواب ملے گا۔

(ماخوذ امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کام نہ کر کے تنخواہ لینا حرام ہے

سوال: اگر کوئی ملازم سرکاری ملازمت کرتا ہے، ملازمت کا وقت صبح سات بجے سے شام چار بجے تک ہے، ملازم دفتر جا کر دستخط کر کے حاضری لگا کر آجاتا ہے اور ملازمت کے اوقات گھر پر گزارتا ہے اور اس وقت اگر کوئی بڑے صاحب (نگران) آجائے اور باز پرس کرے تو اپنی طبیعت ناساز بتلاتا ہے وغیرہ وغیرہ، اور جس وقت حقیقت میں بیمار ہوتا ہے تو اپنے ساتھی ملازم کو حاضری لگانے کا کہتا ہے کہ میری حاضری لگا دینا اور وہ صاحب حاضری بھی لگا دیتے ہیں اور ماہ کے آخر میں برابر تنخواہ حاصل کرتا ہے تو یہ تنخواہ لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ تنخواہ حرام اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تعلیم قرآن پر اجرت

سوال: (الف) گھر گھر جا کر قرآن کی تعلیم دینا اور اس پر اجرت مقرر کرنا کیسا ہے؟

(ب) قرآن خوانی کی اجرت لینا کیسا ہے، اور اجرت طے کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(الف) تعلیم قرآن پر اجرت لینا درست ہے، چاہے اپنے گھر بیٹھ کر تعلیم دے، چاہے پڑھنے والے کے گھر جا کر تعلیم دے۔

(ب) قرآن خوانی کی اجرت جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، یکم صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نقل فتاوی کی ذمہ داری کس پر ہے اور رجسٹر کا مالک کون؟

سوال: زید عرصہ سولہ سترہ سال سے ایک عربی مدرسہ سے وابستہ رہا، تقرر بحیثیتِ عربی مدرس کے ہوا تھا، اس کے کچھ عرصہ کے بعد زید کے فقہی ذوق اور مناسبت کو دیکھتے ہوئے صدر مدرس مدرسہ ہذا نے جو اس وقت تک خود فتاویٰ لکھتے تھے، زید سے یہ کام بھی لینا شروع کیا، اور خود مناسب رہنمائی اور مکمل دیکھ بھال اور نگرانی فرماتے رہے، کچھ دنوں کے بعد کلیۃً فتویٰ نویسی کا کام زید کو سونپ دیا، مگر مدرسہ نے دوسرا کوئی انتظام بسلسلہ نقل وغیرہ نہیں کیا، فتاویٰ مدرسہ میں اور مدرسہ کے پتے پر آتے؛ مگر اکثر زید ہی کے نام سے آتے تھے، زید نے بارہا ناقل کا مطالبہ بھی کیا؛ مگر اس مطالبے کے باوجود مستقل ناقل کا کبھی کوئی انتظام مدرسہ کی طرف سے نہیں کیا گیا، زید نے یہ

بھی کہا کہ مدرسہ استطاعت نہ رکھتا ہو تو میں الگ سے اس کام کے لیے چندہ کر کے دوں گا، پھر میری تنخواہ سے ناقل کا خرچ وضع کر لیا جایا کرے، اس پر بھی کوئی توجہ نہیں ہوئی، کئی مرتبہ انتظامیہ کے بعض لوگوں نے یہ کہا کہ یہ انتظام تو نہیں ہو سکتا، ضرورت ہے تو فتاویٰ کی فوٹو کاپی رکھ لیا کریں، ان حالات میں اپنے ریکارڈ کو باقی رکھنے کے لیے زید نے ذاتی طور پر یہ انتظام کیا کہ خود ہی جزء وقتی ناقل کا انتظام کرتا، اس کا مشاہرہ بھی خود دیتا، کبھی ناقل نہ ہوتا تو طلبہ سے نقل کراتا، اور بیشتر انہیں بھی کسی نہ کسی عنوان سے اپنے پاس سے اس کا معاوضہ دیتا، مدرسہ نے کبھی یہ مصارف برداشت نہیں کیے، حد تو یہ ہے رجسٹر بھی نہیں دیے گئے، مجبوراً زید نے رجسٹروں کا انتظام بھی خود ذاتی طور پر کیا، اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) اس صورت میں نقولِ فتاویٰ کے یہ رجسٹر کس کی ملکیت ہیں، زید ان کا مالک ہے یا مدرسہ؟

(۲) اگر زید مالک ہے، تو کیا شرعاً اس پر یہ لازم ہے کہ مدرسہ سے علیحدگی کی صورت میں اصل رجسٹر یا ان کی نقول مدرسہ کے حوالے کر دے؟

(۳) زید کی ذمہ داری کیا تھی صرف فتاویٰ کا جواب لکھنا، یا جواب لکھنے کے ساتھ مدرسہ کے لیے نقول کا مہیا رکھنا بھی اس پر لازم تھا، اور کیا اس کے فرائضِ منصبی میں یہ بھی شامل تھا کہ ذاتی اخراجات کے ساتھ مدرسہ کے لیے نقل مہیا کرتا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) جب صورتِ حال یہ ہے کہ زید نے ذاتی طور پر رجسٹر خرید کر اپنے لیے نقل محفوظ رکھنے کی غرض سے خود ہی ناقل کا انتظام کیا، اور اس کی تنخواہ بھی خود ادا کی تو اب

نقل فتاویٰ کے رجسٹر زید کی ملک ہیں۔

② جب زید ان کا مالک ہے تو اب اس پر یہ لازم نہیں کہ اپنی علیحدگی کی صورت میں یہ رجسٹر مدرسہ کے حوالہ کرے، ان کی نقول حوالہ کرنے کی بھی ذمہ داری اس پر نہیں ہے؛ البتہ اگر مدرسہ ان کی نقول اپنے مصارف سے کروانا چاہے تو کرا سکتا ہے۔

③ جس وقت فتاویٰ نویسی کا کام زید کے حوالہ کیا گیا تھا، اس وقت زید کو اس کا پابند نہیں کیا گیا تھا کہ فتاویٰ کی نقول بھی مدرسہ کے لیے مہیا کرے، تو یہ کام اس پر لازم نہیں تھا، فرائضِ منصبی میں وہی کام داخل ہوتا ہے جس کی بوقتِ عقد تصریح کی گئی ہو، یا جس کا عرف ہو، نقولِ فتاویٰ مدرسہ کے لیے مہیا کرنے کی بوقتِ عقد تصریح نہیں کی گئی، اور اس کا عرف بھی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مخلوط مال سے تنخواہ لینا

سوال: میں یہاں یعنی پیر محمد شاہ میں خدمت انجام دے رہا ہوں، وہاں کی آمدنی کرایہ کی ہے، دوکانوں کا جو کرایہ آتا ہے وہ بینک میں جمع کر دیتے ہیں، اور پیر محمد شاہ کے منتظمین یونٹ ٹرسٹ کے شیرز بھی خریدتے ہیں، اب یونٹ ٹرسٹ کے شیرز کا جو ڈویڈنڈ آتا ہے وہ تمام کا تمام اس بینک میں جمع کرتے ہیں جہاں کرایہ جمع کرتے ہیں، اب یہ دونوں رقم مخلوط ہو جاتی ہے، اس مخلوط آمدنی میں سے ہر ماہ تنخواہ دیتے ہیں، آیا اس مخلوط آمدنی سے تنخواہ لینا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مخلوط مال میں اگر غلبہ حلال کا ہے تو آپ تنخواہ وصول کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مختلف پیشے

پنڈال لگانے کا کاروبار اور اس کی کمائی

سوال: ہمارا پیشہ منڈپ پنڈال کا ہے جو شادی میں یا کسی پروگرام میں لگاتے ہیں شادی چاہے مسلم کی ہو یا غیر مسلم کی ہو تمام لوگوں کو کرایہ پر دیتے ہیں غیر مسلم کے تمام تہواروں میں بھی یہ لگاتے ہیں آیا یہ مطلقاً ناجائز ہے یا کوئی صورت جواز کی ہے کن کن صورتوں میں جائز ہے اور کن کن صورتوں میں ناجائز ہے؟ اگر کمائی حلال ہے یعنی اس سے آنے والی آمدنی تو کیا برائے تقویٰ اس کی کوئی احتیاطی شکل ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جہاں فسق وفجور کفر وشرک یا معصیت کا کام ہو رہا ہو اس کے لیے منڈپ بنانے سے اس کی رونق میں اضافہ ہوگا یہ اس کی ایک نوع کی اعانت ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے لقولہ تعالیٰ ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ گزارے کا دوسرا ذریعہ بھی قابو میں ہو تو اس کو ترک کر دیں۔ جائز اور مباح نیز نیکی اور بھلائی کے کاموں کے لیے منڈپ بنا کر کرایہ پر دینا جائز اور درست ہے اور وہ کمائی بلا شبہ حلال ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

عملیات کی فیس لینا

سوال: عامل کا فیس متعین کر کے علاج کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اس طریقہ سے جو آمدنی ہوں گی حلال یا حرام؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عامل اگر عملیات میں خلافِ شرع امور کا ارتکاب نہیں کرتا، تو وہ اپنے اس علاج کی فیس وصول کرسکتا ہے؛ بشرطیکہ پہلے سے متعین کی گئی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تعویذ لکھنا اور اس پر معاوضہ لینا

سوال: تعویذ لکھنا اور تعویذ پہننا اور اس پر معاوضہ لینا کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا یہ سنت سے ثابت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تعویذ میں قرآنی آیات یا احادیث کی دعائیں یا ان کے اعداد لکھ کر شفاء کے لیے دینا درست ہے۔

إنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدرى ما هو؟ ولعله يدخله سحرا وكفرا وغير ذلك، وأما ماكان من القرآن أو شيء من الدعوات لا بأس به.(رد المحتار كتاب الحضر والاباحة فصل فى اللبس ٥/ ٢٥٦)

تعویذات پر اجرت لینا بھی درست ہے؛ لیکن یہ ضروری ہے کہ عمل سے واقف ہو اور ماہر ہو، فریب کرنا جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ کراچی ۲۰/ ۶۹، ۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

جھاڑ پھونک کا معاوضہ لینا

سوال: اجرتِ جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے کے متعلق، کہ اس پر اجرت لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر لینا درست ہے تو کیا تعیینِ مفروضہ رقم درست ہے کہ نہیں؟ بعض عامل لوگ تعیین رقم کرتے ہیں کہ فلاں تعویذ کا اتنا روپیہ، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

علاج پر معاوضہ لینا جائز ہے جیسے حکیم ڈاکٹر معاوضہ لیتے ہیں، بس اتنی شرط ہے کہ واقعۃً علاج جانتا ہو، دھوکہ نہ دیتا ہو، اور علاج میں کوئی ناجائز چیز نہ ہو، جیسے شرکیہ کلمات وغیرہ۔ معاوضۂ علاج شریعت کی طرف سے متعین نہیں، طرفین کی رضامندی پر ہے۔ بغیر معاوضہ کے علاج کیا جائے تو یہ خدمتِ خلق ہے، اس کا بہت بڑا اجر وثواب ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۷۱)

اگر اجرت لینا چاہتا ہے تو پہلے سے تعیین ضروری ہے؛ اس لیے کہ یہ عقد اجارہ ہے، اور اس میں ضروری ہے کہ پہلے سے اجرت اور عمل دونوں کی تعیین ہو جائے، جو لوگ پہلے سے کچھ نہیں کہتے ہیں اور بعد میں مطالبہ کرتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد خانپوری، ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بیت الخلاء اور حمام کی اجرت اور کمائی

سوال: آج کل۔۔۔۔(شوچالیے) کا نظام ہے یعنی میونسپلٹی سے جگہ لے کر وہاں بیت الخلا حمام بنا کر کرائے پر لگانا پہلے میونسپلٹی کو پیسہ دیا جاتا ہے پھر وہ اس کی اجازت دے گی کہ بیس سال تک چلاؤ ہم کوئی کام والا مزدور رکھ کر اس سے کام کراتے ہیں یعنی لوگ قضائے حاجت وغسل کے لیے آتے ہیں ان سے پیسے لینا اور اس پر فائدہ بھی بہت ہوتا ہے کیا اس طرح کرنا صحیح ہے اس طرح کا دھندا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس طرح میونسپلٹی سے جگہ حاصل کر کے اس پر بیت الخلاء اور حمام تعمیر کروا کر ان کے استعمال کرنے والوں سے اجرت اور معاوضہ حاصل کرنا درست ہے یہ کمائی حلال ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ٹی وی ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کی مرمت کرنا

سوال: اگر کوئی آدمی ریڈیو، ٹی وی، ٹیپ ریکارڈ کے ٹھیک کرنے کا پیشہ کرتا ہے، تو شرعی طریقے سے اس کی کمائی حرام ہوگی یا حلال؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹی وی کی مرمت سے حاصل شدہ کمائی حرام ہے؛ البتہ ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کی

مرمت سے حاصل شدہ آمدنی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲/ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

بال بنانے کی دکان کھولنا

سوال: بال بنانے ہیر ڈریسر کی دکان کوئی مسلمان کرنا چاہتا ہے اور اس پر کاری گر دوسرا رکھتا ہے، تو کیا ایسی دکان کھول سکتا ہے؟ خیال رہے اس دکان پر ڈاڑھی کٹانے والے بھی آتے ہیں اور مونچھ بنانے والے بھی، غرض کہ ہر طرح کے آدمی آتے ہیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ڈاڑھی منڈانا اور ایک مشت سے کم کتروانا حرام ہے، اس لیے اس فعل کی اجرت بھی جائز نہیں؛ البتہ اس کے علاوہ دوسرے جائز طریقوں سے حاصل کردہ آمدنی حلال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تصاویر بنانے کا کام کرنا

سوال: ایک شخص بینر میکر کا کام کرتا ہے، اس میں چھوٹی چھوٹی تصاویر بھی بنانا پڑتی ہیں، کبھی بڑی بھی بنانی پڑسکتی ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

تصویر چھوٹی ہو یا بڑی اس کا بنانا ہر حال میں ناجائز اور حرام ہے، ایسا آدمی مستحق وعید ہے۔ (جواہر الفقہ ۷/۱۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فوٹوگرافی کا کاروبار

سوال: کیا اسلام میں فوٹوگرافی ممنوع ہے؟ اگر ہے تو کوئی شخص کاروباری حیثیت سے فوٹوگرافی کرر ہا ہے کیا یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جاندار چیزوں کی تصویر بنانا اسلام میں حرام اور ممنوع ہے اور اس کا کاروبار بھی ناجائز اور حرام ہے۔ البتہ بے جان اشیاء (مثلاً مکان، درخت وغیرہ) کی فوٹوگرافی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

غیر مسلموں کے غیر شرعی لباس سینے کی اجرت کا کیا حکم ہے؟

سوال: اگر کوئی مسلمان درزی، ہندوؤں کے غیر شرعی کپڑے بناتا ہے تو ایسے کپڑے سینے کی اجرت لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے؛ البتہ احتیاط اولی ہے۔

وفی المحیط لا یکرہ بیع الزنانیر من النصرانی والقلنسوۃ من المجوسی الخ (شامی ۵/ ۲۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

S.M.S میڈیا کمپنی اور بذریعۂ موبائل اشتہار کا معاوضہ

سوال : کچھ عرصہ قبل ایک کمپنی بنام ایس ایم ایس میڈیا، بمبئی اور دیگر بڑے شہروں میں رائج ہوئی ہے، اس کا طریقِ کام اس طرح ہے کہ یہ کمپنی بہت سی بڑی کمپنیوں سے معاہدہ کرتی ہے کہ ہم تمہاری ایڈوٹائز (اشتہار) بذریعہ SMS لوگوں کے موبائل پر کرینگے۔ اس طرح تمہارا کاروبار فروغ پائیگا؛ چناں چہ تقریباً ۲۰۰ / دوسو سے زائد کمپنیوں سے یہ معاہدہ ہے۔ اور یہ مذکورہ SMS میڈیا کمپنی ان کے اشتہار اپنے کلائنٹ کے موبائل پر SMS کر رہی ہے، پس منظر اس کا یہ ہے کہ بڑی بڑی کمپنیوں سے ایڈوٹائزنگ کے لیے بڑی بڑی شخصیات سے کروڑوں روپیہ میں اشتہار کے لیے معاہدہ ہوتا ہے اور پھر ٹی۔ وی پر دکھانے کی الگ رقم لگائی جاتی ہے۔ غرض بہت بڑی رقم اس کام میں صرف ہوتی ہے۔ لیکن اس کمپنی کی سوچ یہ ہے کہ صرف ۲۵ رفیصد لوگ ہی ٹی۔ وی پر ان کو دیکھتے ہیں؛ کیوں کہ نوجوان بوڑھے اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو ٹی۔ وی دیکھنے کا وقت کم ملتا ہے۔ برخلاف اس کے اب عام طور پر لوگوں کے پاس موبائل ہیں، جس میں بچے، لڑکے، بوڑھے: سب شریک ہیں، اور SMS کا عام رواج ہے، تو اس کے ذریعہ ایڈوٹائز آسان اور زیادہ لوگوں تک پیغام رسانی کا ذریعہ ہوتی ہے، لہذا یہ SMS میڈیا کمپنی بڑی کمپنیوں سے اس کام کی ایک بڑی رقم اجرت کے لیے لیتی ہے، اور اس کے بعد عوام میں اپنے کلائنٹ بنا کر اپنا معاملہ شروع کرتی ہے۔ اس معاملہ میں بطور رجسٹریشن بمبئی میں ۵۰۰ / پانچ سو روپیہ اور دیگر شہروں میں ۶۵۰ / ساڑھے چھ سو روپے لیتی ہے۔ اور

ایک ماہ بعد وہ ۵۰۰ / پانچ سو روپے لوٹا دیتی ہے، اور یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ رجسٹریشن اس لیے ہے کہ قانوناً کوئی آدمی SMS بار بار کرے اور سامنے والا اس کی شکایت کرے کہ اس کے اس عمل سے مجھے تکلیف ہوتی ہے تو عدالتی کارروائی ہوسکتی ہے۔ یہ جرم سے بچنے کے لیے یہ کمپنی گویا آپ سے رجسٹریشن کے ذریعہ اجازت حاصل کر کے آپ کو اشتہار کے SMS کرتی ہے۔ یہ تین سال کا معاہدہ ہوتا ہے کہ تین سال تک آپ کو SMS آئینگے۔ اب یہ ممبر اپنا وقت اس کو پڑھنے میں لگائے گا اور ذہنی طور پر بھی کچھ الجھن ہوگی وغیرہ...... اس کے بدلہ میں یہ کمپنی جو ایک خطیر رقم ایڈوٹائز کے لیے وصول کر چکی ہے اس میں سے طے شدہ رقم مثلاً ۱۶ ماہ میں تاریخ طے کر کے دس ہزار روپیہ نفع میں سے ممبران کو دے گی، اور باقی وہ سارا نفع اپنے پاس رکھے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ شرکت جائز ہے؟ سود وغیرہ کی بات اس میں ہے تو نہیں؟ اور اس کام کے لیے ایجنٹ بنکر کمیشن کمانا کمپنی سے جائز ہے؟

نوٹ: اس کمپنی کے طریقۂ کار کے متعلق پوری تفصیل بس یہی ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اولاً بنیادی طور پر یہ سمجھ لیں کہ SMS میڈیا کمپنی اگر دوسری کمپنیوں سے ان کی چیزوں کے اشتہار کا جو معاملہ کرتی ہیں، اگر وہ چیزیں جن کا اشتہار دیا جارہا ہے جائز اور مباح چیزیں ہیں کہ شرعاً ان کے استعمال میں کوئی ممانعت نہیں؛ نیز اشتہار کے لیے SMS میڈیا کمپنی جو طریقۂ کار اختیار کر رہی ہے، وہ بھی شرعاً درست ہو، مثلاً اشتہار میں جاندار کی تصاویر یا کسی ایسی چیز کا استعمال جو شرعاً ممنوع ہو، نہیں کرتی تب تو SMS میڈیا کمپنی کا یہ معاملہ درست ہے۔ اور اس کے لیے اشتہار کے معاوضہ کے طور پر رقم

لینا درست ہے، ورنہ خود اس کے لیے ہی یہ رقم درست نہ رہے گی تا بدیگراں چہ رسد؟
پہلی صورت میں جو لوگ دلال اور ایجنٹ بنکر مالکین موبائل سے اجازت لینے کا کام کرتے ہیں، ان کے لیے بھی اپنی دلالی کی اجرت درست ہوگی۔ نیز موبائل کے مالکان جو ان اشتہارات کے لیے اپنے موبائل کی اسکرین کو استعمال کرنے نیز ان کو پڑھنے کی زحمت (بقول سائل) گوارا کرتے ہیں ان کے لیے بھی مقررہ اصول اجارہ کے مطابق معاوضہ لینا درست ہوگا؛ البتہ جب انہوں نے یہ عقد کرلیا تو ان کے لیے ضروری ہے کہ اس نوع کے SMS کو پڑھنے سے پہلے محو نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد عفی عنہ خانپوری، یکم رمضان ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سائبر کافے اور گیم پارلر کھولنے کا شرعی حکم

سوال: ① سائبر کافے میں مختلف کام ہوتے ہیں:
① نیٹ نو فون یعنی فون لگا کر دوسرے ممالک میں بات کی جاتی ہے۔
② لڑکے لڑکی بیٹھ کر اس پر دوستی قائم کرتے ہیں۔
③ انٹرنیٹ لائن ہوتی ہے۔
④ ویب سائٹ ہوتی ہے: اچھی بھی، بری بھی۔
⑤ گانے سنے جا سکتے ہیں۔
⑥ فلم بھی دیکھی جا سکتی ہے۔
دو چار کمپیوٹر فٹ کرا کر انٹرنیٹ لائن جوڑ دی جاتی ہے، پھر آنے والے آتے ہیں اور مثلاً ایک گھنٹہ کا کرایہ ۱۵ یا ۲۰ روپے ہوتا ہے وہ دیگر آدمی اس کیبن میں جا کر جو

دیکھنا چاہے دیکھ سکتا ہے اس دوکان کو سائبر کافے کہا جاتا ہے، کیا اس کو کھول سکتے ہیں؟ اور اس سے حاصل کردہ روزی حلال ہوگی یا حرام؟

② گیم پالر کھول سکتے ہیں؟ اس میں بچوں کے کھیلنے کی گیم ہوتی ہے کمپیوٹر پر یا دوسرے مشین پر، اس میں بھی کرایہ دیکر کھیلنا ہوتا ہے کیا یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سائبر کافے میں وہاں پر فٹ کیے گئے کمپیوٹر سے اجرت دے کر فائدہ اٹھانے کے لیے جو لوگ آتے ہیں، ان کے متعلق اگر یہ یقین ہو کہ وہ اس کو ناجائز کام میں استعمال کریں گے مثلاً لڑکے لڑکی دوستی قائم کرنے کے لیے استعمال کریں یا گانا سننے کے لیے یا فلم دیکھنے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے یا بری ویب سائٹ دیکھنے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے، تو یہ معاملہ ''تعاون علی الاثم'' ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ (المائدة)

اور اس سے حاصل کردہ آمدنی بھی خبیث (ناپاک) ہے، اور اگر یقین ہو کہ وہ اس کو جائز کام میں استعمال کریں گے مثلاً فون لگا کر جائز بات چیت یا ویب سائٹ سے جائز معلومات حاصل کرنے کے لیے وغیرہ تو یہ معاملہ درست ہے، اور اس سے حاصل کردہ آمدنی حلال اور پاک ہے، اور جہاں یقینی طور پر معلوم نہ ہو وہاں غالب گمان کو بھی یقین کا درجہ دیا جاتا ہے اور وہی حکم اس پر جاری کیا جاتا ہے۔

② گیم پارلر جس میں بچوں کے لیے ویڈیو گیم کھیلنے کا انتظام ہوتا ہے، اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب پڑھ لیں:

''ویڈیو گیم اور دیکھنے والوں کے مشاہدہ سے جہاں تک پتہ چلا اور حقیقت معلوم

ہوئی، یہ کھیل چند وجوہات سے شرعاً جائز نہیں:

اول: اس کھیل میں دینی اور جسمانی کوئی فائدہ مقصود نہیں ہوتا اور جو کھیل ان دونوں فائدوں سے خالی ہو وہ جائز نہیں۔

دوم: اس میں وقت اور روپیہ ضائع ہوتا ہے اور ذکر اللہ سے غافل کرنے والا ہے۔

سوم: سب سے شدید ضرر یہ ہے کہ اس کھیل کی عادت پڑنے پر چھوڑنا دشوار ہوتا ہے۔

چہارم: بعض گیم تصویر اور فوٹو پر مشتمل ہوتے ہیں جو کہ شرعاً ناجائز ہے۔

پنجم: اس کھیل سے بچوں کو اگرچہ دلی فرحت اور لذت حاصل ہوتی ہے؛ لیکن ناجائز چیزوں سے لذت حاصل کرنا بھی حرام ہے، بلکہ بعض فقہاء نے کفر تک لکھا ہے۔

علاوہ ازیں اس سے بچوں کا ذہن خراب ہوتا ہے اور اس سے بامقصد تعلیم میں خلل واقع ہوتا ہے، پھر بچوں کو پڑھائی اور دوسرے فائدہ والے کاموں میں دلچسپی نہیں رہتی وغیرہ۔

ان مذکورہ وجوہات کی بناء پر یہ کھیل باری تعالیٰ کے ارشاد کا مصداق ہے "بعض لوگ اپنی جہالت سے کھیل تماشے اختیار کرتے ہیں اور اس میں پیسے خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالی کی راہ سے لوگوں کو بھٹکا دیں، اور دین کی باتوں کو کھیل تماشہ بناتے ہیں، انہیں لوگوں کے لیے اہانت والا عذاب ہے" (سورۂ لقمان آیت نمبر ۶)

حضرت حسن ﴿لھوالحدیث﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آیات مذکورہ میں لہو الحدیث سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے ہٹانے والی ہو، مثلاً فضول لہو ولعب، فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق کی باتیں، واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ، واضح رہے کہ مذکورہ آیات کا شان نزول اگرچہ خاص ہے مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم

عام رہے گا یعنی جو کھیل فضول اور وقت و پیسہ ضائع کرنے والا ہے وہی آیات مذکورہ کی وعید میں داخل ہے۔ چوں کہ ویڈیو گیم میں یہ ساری قباحتیں موجود ہیں؛ اس لیے یہ گیم ناجائز ہے اس میں وقت اور پیسہ لگانا ناجائز ہے اور اس کو ترک کر دینا لازم ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/۳۳۶،۳۳۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۴/ جمادی الاخری ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ہوٹل کرائے پر لینا

سوال: ہم نے کھانے کی ہوٹل کرایہ پر لی ہے ہر مہینہ کا کرایہ طے کیا ہے رمضان کے مہینے میں دن کے وقت ہوٹل بند رکھتے ہیں اور رات کو کھولتے ہیں اور ہوٹل کے مالک کو پورا کرایہ دیتے ہیں اس سال پھر سے ہوٹل لینے کے لیے گئے تو ہوٹل کے مالک نے شرط رکھی کہ رمضان میں دن کے وقت تم ہوٹل بند رکھتے ہو تو نقصان ہوتا ہے اس لیے دن کے وقت ہوٹل کھلی رکھو تو ہم نے کہا کہ شریعت منع کرتی ہے ہوٹل کے مالک نے کہ رمضان کے مہینہ میں ہوٹل ہم کو دے دو ہم دن کو کھلی رکھیں گے اور رات کو تم کھلی رکھنا یا تو پورا رمضان مہینہ ہم کو دے دو تو کیا اس شرط پر ہوٹل کو کرائے پر لے سکتے ہیں؟ شریعت کا کیا حکم ہے ہوٹل کا مالک ایرانی شیعہ ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر رمضان المبارک کا مہینہ چھوڑ کر بقیہ گیارہ مہینوں کے لیے ہوٹل کرائے پر لینا چاہے تو لے سکتے ہیں گویا کرایہ داری کا معاملہ پورے سال کا نہ رکھتے ہوئے گیارہ

مہینہ کا رکھ سکتے ہیں اگر اس طرح کا معاملہ ایک سال میں گیارہ مہینے کے لیے کیا گیا تب تو ایک عقد (اگریمینٹ) کافی ہے اور اگر چند سالوں کے لیے کیا جا رہا ہے تو جتنے سالوں کا کرنا چاہیں اتنے عقد (اگریمینٹ) کرنے ہوں گے اور اس صورت میں پہلا اگریمنٹ (عقد) تو لازم ہوگا اور اس کے بعد والے عقد (اگریمینٹ) لازم نہیں ہوں گے یعنی ہوٹل کا مالک ان کو فسخ کرنا چاہے تو اس کو اختیار ہوگا۔

والحيلة أن يعقد عقودا متفرقة كل عقد سنة بكذا، فيلزم العقد الأول؛ لأنه ناجز، لا الباقي؛ لأنه مضاف، وللمتولي فسخه (درمختار) ولينظر هل يشترط أن يعقد على كل سنة بعقد مستقل أو يكفي قوله استأجرت ثلاثين سنة بثلاثين عقدا فينوب عن تكرار العقود؟ والظاهر الأول (رد المحتار: ٥٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ممنوع سفر کی ویزا کی کاروائی اور اس کی اجرت

سوال: میں ٹراویلس میں کام کرتا ہوں جہاں باہر کی ویزائیں آتی ہیں، مجھ کو اس پر ایک آدمی کا ایک ہزار روپیہ ملتا ہے، اگر میں اس فن کا کوئی آدمی لا کر ایجنٹ کو دوں، اکثر ویزائیں عورتوں کی خادمہ وغیرہ کے لیے آتی ہیں، مگر میں پرہیز کرتا ہوں، اور اوروں کو منع کرتا ہوں، باہر جانے والی عورتیں اکثر اچھے گھرانے کی نہیں ہوتیں، مگر ویزا میں خادمہ وغیرہ کا کام رہتا ہے، اگر میں ان کو بھیج دوں، تو کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟ اگر وہ وہاں جا کر سحر کے غلط کام کرے تو کیا میں گنہگار رہوں گا؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان عورتوں کا بغیر محرم وہاں جانا اور اجنبی کے پاس قیام کرنا وغیرہ تمام امور شرعاً ناجائز ہیں، اس لیے اس کاروبار کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ر ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

ہیرے کے کاروبار کے مسائل

ہیرے گھسنے والے کاریگر کا تہائی سے زائد مال اپنے پاس رکھ لینا خیانت ہے

(سوال): ہیروں کو جب تک پالش کر کے خوشنما نہ بنایا جائے معمولی پتھر جیسے معلوم ہوتے ہیں، پالش کرنے کے لیے ایک خاص قسم کی چکی ہوتی ہے جس کو ہمارے علاقہ میں گھنٹی کہتے ہیں، ہیروں کو اس میں گھس کر خوشنما بنایا جاتا ہے، ظاہری بات ہے کہ گھسنے میں اس کا وزن ضرور کم ہوگا اور گھسنے سے اس کا برادہ بھی گرے گا، عام طور پر ہیروں کی خرید وفروخت کرنے والے تاجر اور ہوتے ہیں اور گھسنے والے مزدور دیگر ہوتے ہیں، یہ تاجر لوگ وزن کر کے ہیرے گھسنے والوں کو دیتے ہیں، اور چوں کہ گھسنے سے کافی کمی کا اندیشہ ہوتا ہے؛ اس لیے مزدوروں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں، کہ کم از کم ایک تہائی مقدار کا مال ضرور تیار ہونا چاہیے، گھسنے والے مزدور اپنی مہارت سے وزن زیادہ کم نہیں ہونے دیتے ہیں، اور مال تہائی سے زائد مثلاً نصف کے برابر تیار کرتے ہیں؛ لیکن اصل مالک کو تو تہائی مال ہی دیتے ہیں، باقی اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، اور

تاجروں کو اس کی خبر نہیں ہونے دیتے، شرعاً مزدوروں کو ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

صریح خیانت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کاریگر کا بڑی سائز کا ہیرا رکھ کر چھوٹی سائز کا ہیرا ملانا

سوال: تاجر نے ہیرا گھسنے والے کو ایک سو ہیرے وزن کر کے گھسنے کے لیے دیے، اس گھسنے والے نے گھس کر ایک سو ہیرے ہی تاجر کو واپس کیے؛ لیکن گھسنے کی وجہ سے وزن تو کم ہوگا ہی؛ اس لیے مزدور نے ایک بڑی سائز کا ہیرا اپنے پاس رکھ لیا اور چھوٹی سائز کا کم قیمت ہیرا اپنے پاس سے اس میں ملا کر تاجر کو مطمئن کر دیا، تاجر کو مزدور کے اس فعل کی قطعاً خبر نہیں اگر معلوم ہو جاتا ہے تو نزاع ہوتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ بھی خیانت اور فریب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہیرے کا برادہ کس کی ملک ہے؟

سوال: مزدوری پر ہیرا گھسنے والا جب تاجر سے رف ہیرے لے کر خوشنما بنانے کے لیے گھستا ہے، تو اس میں سے برادہ گرتا ہے، یہ برادہ ہیروں کی پالش میں کام آتا ہے، ہیرا گھسنے والا اس برادہ کو اپنی ملک کی طرح لے لیتا ہے اور تاجر کو اس کی اطلاع ہوتی ہے؛ لیکن اس پر اس کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا، تو مزدور کے لیے یہ درست ہے؟

(الجواب): حامداً و مصلیاً و مسلماً

وہ برادہ بھی تاجر کی ملک ہے، اگر تاجر کی اجازت ورضامندی سے مزدور لیتا ہے تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دلال کا قیمت کم بتلانا

(سوال): ہیرے کے تاجر نے دلال کو ایک کیرٹ ہیرے بیچنے کے لیے دیے اور کہا کہ اس کو کم از کم ایک ہزار روپیہ میں بیچنا؛ لیکن دلال نے اس کو بارہ سو میں بیچا؛ مگر تاجر سے بتایا کہ بڑی مشکل سے ایک ہزار میں بکے ہیں دلال کا یہ قول وفعل شرعاً کیسا ہے؟

(الجواب): حامداً و مصلیاً و مسلماً

دلال تو تاجر کا وکیل ہے؛ اس لیے اس کو چاہیے کہ پوری رقم جو ہیرے کی قیمت کے طور پر ملی ہے تاجر کے حوالہ کرے، بارہ سو ملنے کے باوجود ہزار بتلانا یہ صریح خیانت ودروغ گوئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ٹیکسی کے مسائل

مالک ٹیکسی کا مخصوص مسافت ورقم پر ٹیکسی چلانے دینا

(سوال): زید نے اپنی ٹیکسی عمر کو اس شرط پر چلانے دی کہ ہر ایک سو کیلومیٹر پر

۱۶۵ / روپیہ دینا ہوگا، چاہے عمر گاہکوں سے ۱۶۵ / روپیہ یا زیادہ یا کم کمائے اس سے زید کو کوئی مطلب نہیں، ۱۰۰ / کلومیٹر گاڑی چلنے پر ۱۶۵ / روپئے دینا ہوگا اور پٹرول اور ٹیکسی کے مرمت کا کام زید کے ذمہ ہوگا، اس طرح ٹیکسی کا کنٹراکٹ پر دینا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

یہ صورت درست ہے۔

منها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة معلوما علماً يمنع من المنازعة، فإن كان مجهولا ينظر إن كانت تلك الجهالة مفضية إلى المنازعة تمنع صحة العقد، وإلا فلا، لأن الجهالة المفضية إلى المنازعة تمنع من التسليم والتسلم فلا يحصل المقصود من العقد الخ (بدائع الصنائع ٤/ ١٨٠،١٧٩)

وكذلك استيجار السيارات ربما لا يعرف سائقها مسافة السفر ولا تتعين الأجر في بداية السفر ولكن هذه الجهالة تتحمل لكون العداد رافعا للنزاع ويتفق الراكب والسائق على أجر يدل عليها العداد فلا يقع النزاع. (تكملة فتح الملهم ١/ ٣٢٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بائع کے ذمہ سودی قرض کی ادائیگی مشتری کر سکتا ہے

سوال: زید نے چالیس ہزار کی ایک ٹیکسی خریدی جس میں بیس ہزار روپئے اپنے ذاتی ہیں، اور بیس ہزار روپیہ بینک سے سودی قرض لیا ہے، زید کچھ مہینے ٹیکسی چلانے کے بعد عمر کے ہاتھ ۳۰ / ہزار روپئے کے عوض میں بیچ رہا ہے کہ پندرہ ہزار مجھے نقد دے دو اور پندرہ ہزار بینک کے باقی ہیں وہ تم بھرتے رہنا، اور عمر جانتا ہے کہ بینک

کے پندرہ ہزار رأس المال مع سود کے زید کی طرف سے بھرنے کے ہیں تو کیا عمر اس طرح بینک میں پندرہ ہزار روپیہ بھرنے کی وجہ سے سود کے لین دین کا گنہگار ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمر کا معاملہ جو اس نے زید کے ساتھ کیا ہے وہ سودی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹیکسی کی مرمت کی ذمہ داری مستاجر پر صحیح نہیں

سوال: زید نے اپنی ٹیکسی عمر کو یومیہ ۸۰/ روپیہ کے عوض ان شرائط پر چلانے کے لیے دی کہ پٹرول اور پندرہ روپیہ تک مرمت کا خرچ عمر کے ذمہ ہوگا، اور اگر مرمت کا خرچہ پندرہ روپیہ سے زائد ہوا تو زید کے ذمہ ہوگا، تو کیا از روئے شرع اس طرح ٹیکسی کو کنٹراکٹ پر دینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرمت کی ذمہ داری مالک یعنی زید پر ہے، اس کے مستاجر یعنی عمر کے ذمہ ڈالنے کی شرط لگانا صحیح نہیں، ایسا کرنے سے اجارہ فاسد ہوجاوے گا۔ نفقة المسأجر علی الآجر الخ (عالمگیری ۴/ ۴۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ٹیکس سے بچنے کے لیے سودی قرض

سوال: زید کو ۵۰/ ہزار کی کار خریدنی ہے، اور اس کے پاس اپنی ذاتی نمبر دو

(بلیک) کی رقم موجود ہے، اگر بینک کی اعانت کے بغیر خرید تا ہے تو ۵۰/ ہزار کا ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے؛ اس لیے حکومت کے ٹیکس سے بچنے کے لیے بینک سے رقم لے کر کار خرید تا ہے، اور ہر ماہ قسط وار اپنی ذاتی رقم میں سے بینک کی رقم مع سود کے ادا کر دیتا ہے، تو اس مصلحت کے ماتحت بینک سے (کیا بلا ضرورت کے وقتی طور پر) لون لینا درست ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

کار کی خریداری ضروری ہے اور صورتِ مرقومہ کے علاوہ کوئی صورت اس کی نہیں ہے تو اپنی رقم کی حفاظت اور حکومت کے ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کی نیت سے ایسا کرنے کی گنجائش ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹیکسی پرمٹ (لائسنس) کا عوض لینا

سوال: ٹیکسی کا پرمٹ (لائسنس) جو گورنمنٹ کی جانب سے ٹیکسی ڈرائیور کو دیا جاتا ہے، جس پرمٹ پر ٹیکسی کاروبار کے لیے ڈالی جاسکتی ہے، پرمٹ ملا؛ لیکن ٹیکسی خریدنے کی قوت نہیں ہے؛ اس لیے دوسرے ساتھی کو جس کے پاس پیسے ہیں اس کو پرمٹ دیتا ہے، اور وہ ٹیکسی ڈالتا ہے؛ لیکن پرمٹ والا پرمٹ کا عوض سالانہ دو ہزار روپیہ لیتا ہے، تو یہ پرمٹ کا عوض لینا شرعاً کیسا ہے؟ بعض مرتبہ پرمٹ کے عوض میں ٹیکسی اور منافع میں ۲۵/ فیصد حصہ لیا جاتا ہے تو یہ شرعاً کیسا ہے؟

نوٹ: پرمٹ والے کو سالانہ آر ٹی او میں گاڑی پاس کروانے کے لیے اور پرمٹ رینیو (تجدید) کروانے کے لیے حاضر ہونا پڑتا ہے؛ نیز حادثہ اور ایکسیڈنٹ

وغیرہ کی شکل میں بھی پرمٹ والے کو حاضر ہونا پڑتا ہے، چوں کہ حکومت کے دفتر میں ٹیکسی پرمٹ والے ہی کی شمار کی جاتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان میں سے کوئی صورت درست نہیں ہے۔

هذه الرخصة إن كانت باسم رجل مخصوص حتى لا تسمح الحكومة لرجل آخر باستعمالها فلا شبهة فى عدم جواز بيعها، لأن بيعه يؤدي حينئذ إلى الكذب والخديعة، فان مشتوى الرخصة سيستعملها باسم البائع لا باسم نفسه ولأن الإذن إنما حصل رجل مخصوص فلا يحل له أن ينقل ذلك إلى غيره.(تكملة فتح الملهم ١/ ٣٦٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

كتاب الشركة

شریکِ عامل عمل نہ کرے تو نفع میں زیادتی کا حق دار نہ ہوگا

سوال: زید اور عمر دو شریکوں نے مل کر اپنے اور دوسرے شریکوں کے پیسے سے تیس لاکھ میں ایک ہوٹل تیار کر کے ۱۴۰ میں سے ۴۰ حصہ نفع پر چلانا شروع کیا، ان دو چلانے والے شریکوں میں سے ایک کچھ ماہ ہوٹل چلانے میں شریک رہا، پھر وہ الگ ہوکر اپنا الگ کاروبار کرنے لگا، اور دوسرا چلانے والا شریک ہوٹل چلاتا رہا اور ۱۴۰ میں سے ۴۰ حصہ منافع لیتا رہا، پھر کچھ مدت کے بعد اس دوسرے چلانے والے شریک کی بھی اس ہوٹل پر توجہ کم ہوگئی اور حاضری نہ دینے لگا تو سب شریکوں نے مل کر اس کو ہوٹل اجارہ پر دینے کے لیے تیار کیا، بالآخر وہ تیار ہوگیا اور ہوٹل بیس ہزار ماہانہ کرایہ پر دوسرے کو دے دی؛ لیکن اس کرایہ میں سے چلانے والا شریک ۳۵۰۰ روپئے تنخواہ لیتا رہا حالاں کہ دوسرے شرکاء اس پر رضا مند نہیں تھے، پھر کچھ مدت کے بعد انھوں نے تنخواہ نہیں لی، اب مدت اجارہ ختم ہوگئی ہے اور ہوٹل کو اڑتیس لاکھ میں فروخت کر دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

① ہوٹل چلانے والا جس نے کچھ مدت ہوٹل اجارہ پر دیدی تھی، کیا اس کو ہوٹل کی قیمت میں ہونے والے آٹھ لاکھ نفع میں سے چالیس حصہ نفع (ایک سو چالیس میں سے) لینے کا شرعاً حق ہے یا نہیں؟

② ہوٹل کرایہ پر دینے کے بعد چلانے والے شریک نے ہر ماہ کچھ مدت تک جو تنخواہ وصول کی یہ تنخواہ لینا اس کا جائز ہے یا نہیں؟ عرفاً لوگ لیتے رہتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ہوٹل چلانے والے شریک کو منافع میں ۱۴۰ حصوں میں سے ۴۰ حصے نفع

زیادہ اس کے چلانے کی وجہ سے دیا جارہا تھا، اب جب کہ ہوٹل فروخت ہوا اور ہوٹل میں لگائی گئی رقم سے زیادہ رقم وصول ہونے کی وجہ سے آٹھ لاکھ روپیہ منافعہ ہوا ہے وہ چلانے کی وجہ سے نہیں ہوا ہے، اس چلانے والے شریک کو جو چالیس حصے نفع زیادہ تجویز کیا گیا تھا اس بنیاد پر اس رقم میں وہ زیادتی وصول نہیں کرسکتا؛ اس لیے کہ یہ رقم ہوٹل چلانے کے منافعہ کے طور پر نہیں حاصل ہوئی۔

(۲) جب ہوٹل کرایہ پر دے دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چلانے والے شریک نے کام بند کردیا گویا اب وہ ہوٹل چلا نہیں رہا ہے، جب یہ بات ہے تو چلانے کی بنیاد پر نفع میں اس کا جو زیادہ حصہ رکھا گیا تھا اس کو پانے کا وہ حق دار نہیں، نہ ہی تنخواہ کا حق دار ہے؛ اس لیے اس کا تنخواہ لینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

چچا اور بھتیجہ میں مشترکہ کاروبار کی تقسیم

سوال: زید کا انتقال ہوا، انھوں نے اپنے پیچھے بیوی، ایک چھوٹا لڑکا، اور ایک چھوٹی لڑکی چھوڑی، زید کی بیوہ نے کچھ عدت گزار کر زید کے بھائی عمر سے شادی کرلی، دونوں بچے بھی ماں کے ساتھ رہنے لگے، لڑکا جب کام کے لائق ہوا تو اپنے چچا کا ہاتھ بٹاتا رہا اور دھیرے دھیرے پوری طرح کام میں مصروف ہوگیا، عمر نے کام کی ذمہ داری زید کے لڑکے کے حوالہ کردی اور خود اس کی نگرانی بھی کرتے رہے، سب لوگ مل کر کام کرتے تھے اور گھر کا نظام اچھی طرح چلتا رہا، اس کمائی سے زید کی لڑکی اور لڑکے دونوں کی شادی ہوئی، لڑکا پھر صاحبِ اولاد ہوا، عمر کے بھی کئی بچے، بچیاں پیدا ہوئیں

اور مشترکہ آمدنی سے سبھوں کی پرورش ہوئی اور تین لڑکیوں اور ایک لڑکے کی شادی بھی ہوگئی، اب عمر اور زید کے لڑکے کے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہوا اور دونوں ایک دوسرے سے علیحدگی چاہتے ہیں، زید مرحوم کے لڑکے کا مطالبہ ہے کہ میں کاروبار میں برابر کا شریک رہا ہوں، اس لیے کل کاروبار اور اس کی آمدنی میں برابر کا حصہ دار ہوں، اس لیے مجھے ہر چیز میں آدھا حصہ ملنا چاہیے اور عمر کا کہنا ہے کہ میں نے تمھاری اور تمھاری بہن کی پرورش کی ہے، اس لیے کاروبار اور اس کی آمدنی میں تم برابر کے حصہ دار نہیں ہو، کل آمدنی میری ہے، میں اپنی خوشی سے جو کچھ دے دوں اس میں تم کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے، دربار پنچایت ہو چکی ہے، مگر عمر کا کہنا ہے کہ میں شرعی فیصلہ کو مانوں گا۔ دریافت کرنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت کے پیش نظر زید کا لڑکا از روئے شرع برابر کا حصہ دار ہوگا؟ تشفی بخش جواب تحریر فرمائیں؛ تا کہ اس کی روشنی میں فیصلہ کر کے جھگڑا مٹایا جا سکے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سوال میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ زید کے لڑکے نے چچا کا ہاتھ بٹانا شروع کیا اور دھیرے دھیرے پوری طرح کام میں مصروف ہوا، تو یہ کاروبار مشترکہ سرمایہ سے شروع کیا گیا تھا، یا صرف عمر کا سرمایہ تھا، یا کوئی سرمایہ ہی نہیں تھا؛ بلکہ دونوں نے مل کر جد و جہد سے سرمایہ حاصل کیا اور اسی کو ترقی دی۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ زید و عمر دونوں بھائیوں کی مشترکہ املاک تھیں اور دونوں کا مشترکہ کاروبار چل رہا تھا اور زید کے انتقال کے بعد عمر نے زید کے لڑکے، لڑکی کی پرورش کی اور کاروبار میں زید کی جگہ اس کے بیٹے کو شریک کر لیا اور دونوں کام کرتے رہے، تو زید کا لڑکا آمدنی میں برابر کا شریک ہے۔

يقع كثيرا في الفلاحين ونحوهم أن أحدهم يموت، فتقوم أولاده على تركته بلا قسمة، ويعملون فيها من حرث، وزراعة، وبيع، وشراء، واستدانة، ونحو ذلك؛ وتارة يكون كبيرهم هو الذي يتولى مهماتهم، ويعملون عنده بأمره، وكل ذلك على وجه الاطلاق والتفويض؛ لكن بلا تصريح بلفظ المفاوضة، ولا بيان جميع مقتضياتها.......... فإذا كان سعيهم واحداً ولم يتميز ماحصله كل واحد منهم بعمله، يكون ماجمعوه مشتركا بينهم بالسوية، وإن اختلفوا في العمل والرأي كثرة وصواباً الخ (شامي٣ /٣٧٠)

دوسری صورت یہ ہے کہ عمر کا سرمایہ تھا اور اپنے کاروبار میں زید کے لڑکے سے وہ کام لیتا رہا، زید نے اپنے بچوں کے معاملہ میں اپنے بھائی عمر کو وصی بھی نہیں مقرر کیا تھا، لیکن محض اس لیے کہ وہ لڑکا عمر کے ساتھ رہتا تھا اور عمر ان کا نفقہ برداشت کر رہا تھا، عمر اس سے کام لیتا رہا، تو اگر وہ نفقہ جو عمر نے اس لڑکے کو زمانۂ عدمِ بلوغ میں دیا، وہ اس لڑکے سے لیے جانے والے کام کی اجرتِ مثل سے کم تھا، تو اب عمر پر اجرت مثل کی اس کمی کی تلافی ضروری ہے۔

(سئل) في يتيم استعمله زوج أمه في اعمال شتیٰ من جملتها الحرث على فدانه، والزرع في أرضه مدة سنين بلا اجارة وبلا أذن القاضي، هل له مطالبته بعد البلوغ باجرة المثل إن كان حياً، وإن كان ميتا يتبع تركته أم لا؟

(أجاب) له ذلك كالدّين كما يعلم مما ذكروه في الإجارة (فتاویٰ خیریه ٢/١١٤)

سئل في يتيم استخدمه رجل مدة سنين، وكان ما يطعمه ويكسوه لا يساوي أجر مثله.......... الخ وقد تقرر أنه ليس لغير الأب والجد

والوصي استعمال الصغير بلا عوض (أيضاً٢/ ١١٤)

سئل في يتيمين استعملهما قريبهما في اعمال شتى بلا إذن الحاكم ولا اجارة وكان يطعمها ويسقيهما ويعطيهما بعض الأحيان دراهم وذلك قدر أجرة مثلهما ثم بلغا وطلبا منه أجر مثلهما فهل ليس لهما ذلك حيث الحال ماذكر؟ الجواب:نعم يتيم لا أب له ولا أم أيضا استعمله أقرباء مدة في اعمال شتیٰ بلا إذن الحاكم وبلااجارة، له طلب أجر المثل بعد البلوغ إن كان مايعطونه من الكسوة والكفاية لايساوی أجر المثل بزازية. (العقود الدرية في تنقيح الفتاویٰ الحامدية٢ /١٠٩)

آگے بلوغ کے بعد اگر عمر نے زید کے لڑکے کے ساتھ کوئی عقد کیا تھا، چاہے شرکت یا مضاربت کا یا اجارہ کا، تو اس کی تفصیل معلوم ہونے پر حکم بتایا جا سکتا ہے اور اگر کوئی ایسا عقد نہیں ہوا تھا تو سب مال عمر کا ہے، اس لیے کہ اس کے سرمایہ سے حاصل ہوا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کے پاس سرمایہ نہیں تھا؛ بلکہ دونوں نے مل جل کر محنت سے سرمایہ پیدا کیا، تو اگر زید کے لڑکے نے محض مددگار کی حیثیت سے مکمل طور پر عمر کی ماتحتی میں کام کیا ہے، تو سب کچھ عمر کا ہے اور اگر زید کے لڑکے نے اپنی مستقل حیثیت برقرار رکھتے ہوئے عمر کے ساتھ مل کر کام کیا تھا، تو اس صورت میں وہ نصف کا شریک ہے۔

(سئل): في رجل مات عن ابن كبير، وابنين صغيرين، لاعن تركة، فربّاهما الكبير ونشآ في خدمته، ومن جملة عائلته مع ابنه المقارب لهما في السن، وحصلوا جميعاً بالكسب والعمل مالاو لم يكن لهم مال، واختلفوا فيه، فالكبير يدعيه كله لنفسه، وأنهم كانوا معينين فيما له

بالعمل، وابنه يدعى ربعه بعمله، واخواه يدعيان ثلثيه بعملهما، وان ابنه لا حصة له معهما لكونه معينا والده، فماالحكم فى ذلك؟

(أجاب): إن ثبت كون ابنه واخويه عائلة عليه وأمرهم في كل ما يفعلونه إليه وهم معينون له، فالمال كله له، والقول قوله فيما لديه بيمينه، وليتق الله فالجزاء امامه وبين يديه، وان لم يكونوا بهذا الوصف؛ بل كان كل مستقلا بنفسه، واشتركوا فى الاعمال فهو بين الأربعة سوية بلا اشكال، وان كان ابنه فقط هو المعين، والإخوة الثلاثة بانفسهم مستقلون فهو بينهم اثلاثا بيقين، والحكم دائر مع علته بإجماع أهل الدين الحاملين لحكمته. (فتاویٰ خیریہ۲/ ۵۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مشترکہ زمین بیچ دی شریک کیا کرے؟

سوال: عرصہ بیس سال ہوا، زید اور بکر نے مشترکہ طور پر دس بیگہ زمین کا سودا کیا، زید نے آدھا روپیہ ڈال کر زمین کا بیعانہ بکر کے نام کر دیا، تو اس کے بعد بکر نے زید کے گھر اس کے بیٹے بہو کے سر پر ہاتھ رکھ کر قرآن اٹھایا کہ میں زید کے ساتھ دھوکہ نہیں کروں گا؛ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب زمین دس لاکھ میں فروخت ہوگئی، تو بکر نے حصہ دینے سے صاف انکار کر دیا، پھر عرصہ پانچ سال کے بعد بکر نے اپنا مکان فروخت کرنے کا ارادہ کیا، تو زید کے داماد نے بکر کے ساتھ مکان کا سودا کیا، سودے کے موقع پر بکر نے زید کے داماد کو کہا کہ تم قرآن اٹھاؤ کہ تم یہ مکان زید کے بیٹے کو نہیں دوگے؛ جب کہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ مکان صرف زید کے بیٹے کے لیے

ہی خرید اگیا تھا اور سارا روپیہ بھی زید کے بیٹے نے ہی ادا کیا تھا، قرآن اٹھانے کی قسم کھانے کی وجہ سے مکان کی رجسٹری زید کے داماد نے اپنی بیوی کے نام کرادی، جو عرصہ تقریباً دس سال اس کی بیوی کے نام رہی، اسی دوران زید کے داماد کے بیٹے نے گھر میں ہنگامہ شروع کردیا کہ یہ مکان اور روپیہ تو ہمارا ہے کہ زید کے بیٹے کو مکان مت دو، ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے زید کے داماد اور اس کی بیوی نے عرصہ تین سال ہوا، زید کے بیٹے کے نام مکان کی رجسٹری کروادی، تو آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجۂ بالا مضمون کو پڑھ کر بتائیں کہ زید کے داماد نے جو قرآن کی قسم کھائی تھی، اس کو کیا کفارہ ادا کرنا پڑے گا؟ اور اس پر شرع کی کونسی حد لاگو ہوتی ہے؛ جب کہ بکر نے زید کے ساتھ زمین میں قرآن کی قسم کھا کر دھوکہ کیا اور زید کو اس کا حصہ نہیں دیا، اس بات کو مدِ نظر رکھا جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زمین جب زید اور بکر نے مشترکہ طور پر خریدی، تو اس پر ملکیت دونوں کی مشترکہ طور پر بقدر حصہ ثابت ہوئی، اب اگر بکر نے وہ زمین زید کی اجازت سے فروخت کی ہے، تو یہ بیع درست ہے اور بکر کے لیے شرعاً ضروری ہے کہ جتنا حصہ زید کا اس زمین میں تھا، یعنی آدھا، اس حصہ کی قیمت یعنی پانچ لاکھ زید کو ادا کرے، ورنہ خیانت اور غصب کا گناہ لازم آوے گا اور اگر اس بیع کو زید نے منظور نہیں رکھا تھا، تو اس صورت میں زید کے حصہ کی زمین میں بیع درست نہیں ہوئی اور زید اپنے حصہ کے بقدر یعنی آدھی زمین کا بدستور مالک ہے، رہا بکر کا قرآن اٹھانا تو اگر اس نے قرآن اٹھاتے وقت کوئی لفظ قسم کا بولا تھا، تو اب اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگیا اور کفارہ قسم کا یہ ہے

کہ دس مسکینوں کو صبح وشام دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاوے یا دس مسکینوں کو متوسط درجہ کے کپڑے پہناوے اور اگر لفظ قسم کا نہ بولا تو کوئی کفارہ اس کے ذمہ نہیں۔

(فتاوی دار العلوم ۲/۲۶۷ امداد المفتیین)

زید کے داماد نے قرآن اٹھا کر جو بات کہی تھی، اس کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تجارت کے لیے رقم دے کر متعین نفع لینا

سوال: بمبئی میں یہ بات عام ہوتی جارہی ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ تم ایک ہزار روپیہ دو، میں تم کو روزانہ ۲۰ یا ۲۵ روپئے کے اندر اندر منافع دوں گا، کبھی ۲۱، تو کبھی ۲۲، تو کبھی ۲۳، تو کبھی ۲۴، تو کبھی ۲۵، تو کیا یہ کاروبار جائز ہے یا سود ہے؟ کئی لوگوں نے ہم سے پوچھا؛ لیکن ہم نے کہا کہ بھائی کسی مفتی صاحب سے معلوم کرلو تو بہتر ہے، تفصیل مع الدلائل جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی آدمی کو کاروبار کے لیے اس طرح رقم دینا کہ تم اس سے تجارت کرو، جو نفع ہوگا اس میں ہم دونوں شریک رہیں گے، اس کو شریعت کی اصطلاح میں مضاربت کہتے ہیں؛ لیکن مضاربت کے درست ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں: انہی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ منافع میں دونوں کے حصے متعین ہوں، اور وہ بھی اس طرح کہ یہ حصہ سارے

نفع میں پھیلا ہوا ہو، مثلاً نصف یا ثلث وغیرہ، اگر دونوں میں سے ایک کے لیے نفع میں سے متعین رقم کی شرط کردی گئی تو مضاربت فاسد ہوگی، صورتِ مسؤلہ میں بھی ایک طرح کی تعیین ہی ہے، اس لیے یہ عقد فاسد ہے؛ بلکہ اگر نفع نہ ہو، پھر بھی اس سے رقم لی گئی، تو یہ سود گا؛ بہر حال معاملہ کی یہ صورت جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ / ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

معین نفع کی شرط لگانا درست نہیں

سوال: زید نے کپڑے کی تجارت میں مجھے شریک کیا اور طے کرلیا کہ ہر شرٹ پر آپ کو ایک روپیہ نفع دیا جائے گا اگرچہ منافع ۵/ یا سات روپیے ملے یا دس ملے یا کم ملے مگر آپ کو صرف ایک روپیہ دیا جائے گا اور نقصان بھی ہوا تو آپ کو آپ کی رقم واپس کردی جائے گی کیا زید کی تجارت میں میرا شریک ہونا صحیح ہے؟ اور اس کا ایک روپیہ بہ طور منافع دینا صحیح ہے؟ آپ مجھے تجارت کے بارے میں سمجھائیں تا کہ حلال وحرام کی تمیز کرسکوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جو طریقہ سوال میں لکھا ہے وہ درست نہیں آپ کو ہر شرٹ پر ایک روپیہ منافع جو دیا جائے گا وہ سود کہلائے گا ہاں اگر آپ اس کو یوں کہہ دیں کہ میری اس رقم سے آپ کپڑے کی تجارت کرو اور اس پر جو بھی نفع ہو اس میں پچاس فی صد میرا اور پچاس فی صد آپ کا یا چالیس فی صد میرا اور ساٹھ فی صد آپ کا مطلب کہ

ہونے والے نفع میں فی صد کے اعتبار سے نفع مقرر کر دیا جائے تو درست ہے چاہے نفع زیادہ ہو یا کم اور نقصان ہونے کی صورت میں پورا نقصان آپ یعنی رقم لگانے والے کا ہوگا کام کرنے والے کی محنت ضائع ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اُملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

باپ کے کارخانہ میں کام کرنے والے لڑکے کا دعویٔ شرکت

سوال: میں نے اپنے لڑکے کو ایک ہنر سکھایا، جب وہ ہنر سیکھ گیا تو میں نے ارادہ کیا کہ کارخانہ شروع کروں، چناں چہ میں نے کچھ رقم قرض لے کر کارخانہ کے لیے مشین خریدی، اور کارخانہ کی جگہ کرایہ پر لی، اور میرا لڑکا سعید کام کرنے لگا، اس وقت وہ غیر شادی شدہ تھا، اس کا کھانا پینا رہنا سہنا میرے ساتھ تھا، کارخانہ کی آمدنی میں سے آہستہ آہستہ میں نے قرض ادا کیا، اس درمیان کارخانہ میں نقصان ہوا اور کارخانہ کو رقم کی ضرورت پڑی، تو میں نے اپنے ساڑھو بھائی سے اس کا تذکرہ کیا اور کچھ رقم مانگی تو انہوں نے کہا میں رقم لگاتا ہوں؛ مگر آپ مجھے اپنے کارخانہ میں آدھا شریک بنا لیجئے، چناں چہ میں نے ان کو اپنے کارخانہ میں شریک بنا لیا، اور کارخانہ میں ترقی ہوتی گئی، اور تمام قرضہ بھی ادا کر دیا گیا، اب کارخانہ کافی ترقی پر ہے، اور سرکاری قانون کے پیش نظر کارخانہ کی شرکت میں میرا بیس پیسہ اور میرے لڑکے سعید کا تیس پیسہ اور میرے ساڑھو بھائی کا پچاس پیسہ ہے، اور تین سال کے بعد میرے لڑکے سعید کی شادی ہوئی، اور شادی ہونے کے بعد وہ الگ رہنے لگا، اور اس کے بعد وہ کارخانہ سے تنخواہ لیتا تھا جو آج تک جاری ہے، اور اس کے بعد جگہ خرید کر کارخانہ منتقل کر دیا گیا، اور میرا لڑکا

سعید کہتا ہے کہ میری ہی وجہ سے کارخانہ کی بنیاد پڑی اور میں نے محنت کی اور میری ہی محنت سے کارخانہ کو ترقی ہوئی؛ لہٰذا کارخانہ کا آدھا حصہ میرا ہی ہے، اس کی یہ بات صحیح ہے؟ اور کیا وہ کارخانہ میں نصف حصہ کا مالک ہے یا میں مالک ہوں؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں کارخانہ میں نصف حصہ ملکیت آپ کی ہے، آپ کے صاحبزادہ محمد سعید کا دعوی مسموع نہیں ہوگا۔

"تنقیح الفتاوی الحامدیة" میں ہے:

سئل في رجل ساكن في بيت أبيه في جملة عياله، وصنعتهما متحدة يعينه بتعاطى أموره ولا يعرف للابن مال سابق، فاجتمع مال بكسبه ويريد أن يختص به بدون وجه شرعي، فهل جميع ماحصله بكسبه ملك لأبيه ولا شيء له فيه؟

(الجواب) نعم! جميع ماحصله بكسبه ملك لأبيه لا شيء له فيه، حيث كان من جملة عياله والمعين في أموره وأحواله وصنعتهما متحدة ولا يعرف للابن مال سابق الخ وانظر إلى ما عللوا به المسئلة من قولهم: لأن الابن إذا كان في عيال الأب يكون معينا له فيما يصنع، فمدار الحكم على ثبوت كونه معيناً له فيه، فاعلم ذلك. (۲/ ۱۸، ۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: اسی کارخانہ کی آمدنی سے مکانات خریدے گئے اور اس میں بھی کچھ

مکانات میرے نام پر ہیں اور کچھ مکانات اس کے نام پر ہیں سرکاری کاغذات میں، تو یہ سارے مکانات کس کے شمار ہوں گے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو مکانات خریدے گئے ہیں کس نے خریدے؟ آپ نے یا محمد سعید نے، جس نے خریدے بوقت شراء اس کی نیت اپنے لیے خریدنے کی تھی یا دوسرے کے لیے؟ اس کی تفصیلات مطلوب ہیں پھر جواب دیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باپ کے کارخانہ سے دوسرا کارخانہ لگایا، مالک کون؟

سوال: اسی کارخانہ کی آمدنی سے میرے مشورہ سے میرے لڑکے سعید نے دوسرا کارخانہ شروع کیا اور اس میں بھی کافی ترقی ہوئی، تو اس میں بھی ہم دونوں شریک رہیں گے یا وہ تنہا یا میں اکیلا؟ اس کی بھی وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوسرا کارخانہ جب لگایا گیا، اس وقت سعید نے وہ کس کے لیے لگایا آپ کے لیے یا اپنے لیے؟ چوں کہ لگانے والا وہ ہے، اس لیے اس کی نیت کا اعتبار ہوگا، اگر آپ کے لیے لگایا ہے تو آپ مالک ہیں، اور اپنے لیے لگایا ہے تو وہ خود مالک ہے؛ البتہ جو رقم اس میں صرف ہوئی اتنی رقم وہ آپ کو ادا کرے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ عفی عنہ

باپ کی ماتحتی میں اولاد کی کمائی ہوئی ملکیت باپ کی شمار ہوگی

سوال : زید اور بکر دو بھائی ہیں، زید کو ایک لڑکا ہے اور بکر کو دو لڑکے ہیں، زید اور بکر نے اپنی کمائی سے جگہ خرید کر اس کے کچھ حصہ پر گھر بنانا شروع کیا، گھر کی تعمیر میں جو خرچ ہوا اس میں زید اور بکر کے بیٹوں نے بھی خرچ کیا، اور گھر بنانے میں جو قرض ہوا تھا اسے بھی زید اور بکر کے بیٹوں نے ادا کیا، زید اور بکر اب الگ ہونا چاہتے ہیں؛ لہذا بکر کہتا ہے کہ گھر پانچوں کی کمائی سے مکمل ہوا؛ اس لیے گھر کے پانچ حصے ہونے چاہئیں، اور زمین میری اور زید کی خریدی ہوئی ہے؛ اس لیے زمین کے دو حصے ہونے چاہئیں، تو کیا بکر کا یہ فیصلہ درست ہے؟

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

کاروبار میں تو اصل شرکت زید اور بکر دونوں بھائیوں کی ہے، زید کا لڑکا اپنے باپ زید کا معین ومددگار رہے اور بکر کے دونوں لڑکے اپنے باپ بکر کے معین ومددگار ہیں، اور اولاد کی باپ کی ماتحتی میں کی ہوئی کمائی باپ ہی کی شمار ہوتی ہے؛ اس لیے مکان کی تقسیم دو حصوں پر ہوگی، ایک زید کا اور دوسرا بکر کا ہوگا۔

واجاب الخیر الرملی عن سوال آخر بقوله: حیث کان من جملة عیاله والمعینین له فی اموره واحواله، فجمیع ماحصله بکده وتعبه فهو ملك خاص لابیه لاشیء له فیه، حیث لم یکن له مال ولو اجتمع له بالکسب جملة اموال لانه فی ذلك لابیه معین الخ (تنقیح الفتاوی الحامدیة ۲/ ۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مشترک مکان میں دروازہ نکالنے کا حق نہیں

سوال: ایک مکان جو باپ کی ملکیت میں ہے، چار بھائی مشترک طور پر اس میں رہتے ہیں، دو بھائی نیچے منزلے میں اور دو بھائی اوپر منزلے میں رہتے ہیں، اور علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں، یعنی طعام وغیرہ سب بھائیوں کا الگ الگ ہے، اور سب کا ایک ہی فیکٹری سے کمایا ہوا مال سے خرچ چلتا ہے اور اب سب کے گزرنے کا راستہ پچھّم سمت ایک ہی ہے، اور مکان جو چاروں بھائیوں کا ہے اس کی چہار دیواری بھی ہے، ایک بھائی نے پورب سمت میں ایک مکان خریدا جو اس کے متصل ہے، دونوں مکانوں میں حد فاصل صرف دیوار ہے، اس مکان کے گزرنے کا راستہ پورب سمت ہے، اب ایک بھائی جس نے دوسرا مکان خریدا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ اس چہار دیواری میں جو دونوں مکان کا حد فاصل ہے مشترک مکان میں آنے کے لیے حد فاصل والی دیوار میں ایک دروازہ کھول لے؛ تاکہ مکان میں آنے جانے کے لیے آسانی ہو جائے؛ اس لیے کہ مشترک والے مکان میں آنے کے لیے طویل راستہ طے کرنا پڑتا ہے، اور ایک بھائی اس دروازہ کو کھولنے کے لیے رضامند نہیں ہے، تو کیا شرعاً دروازہ نکالنے کا ایک بھائی کو حق ہے؟ اگر حق ہے تو اس کو بحوالۂ کتب فقہ سپرد قلم کریں، اگر نہیں ہے تو بھی اس کا حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں دروازہ نکالنے کا حق نہیں ہے۔

وفي الخلاصة: لرجل دار ظهرها إلى سكة غير نافذة مشتركة بينه وبين غيره أراد أن يفتح بابا المختار أنه ليس له ذلك (بحر الرائق ۷/ ۳۲)

وفي التتمة: زقاق غير نافذ قد اشترى رجل في القصوى داراً فأراد أن يهدمها ويجعلها طريقا نافذاً ليس له ذلك (أيضاً)

دار لرجل بابها في سكة غير نافذة، فاشترى بجنبها داراً بابها في سكة أخرى له فتح باب لها في داره الأولى لا في سكة الأولى، وبه أفتى أبوجعفر وأبو الليث (شامی ۴/ ۴۰۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

ایک شریک کا تنخواہ لینا

سوال: چند شرکاء مل کر برابر حصہ کی رقم نکال کر ایک مشترکہ کاروبار کرتے ہیں، اور نفع میں برابر حصہ کے شریک ہیں، اب ان شریکوں میں سے ایک یا دو شریکوں کو کاروبار چلانے کے لیے ماہوار تنخواہ کے حساب سے رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو پھر کاروبار چلانے کی اور جائز شکل کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

ان کے لیے ماہوار تنخواہ مقرر کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ ان کے کام کے پیش نظر نفع میں ان کا حصہ زیادہ رکھا جائے۔ (شامی ۳/ ۳۷۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شریک یا اس کے بیٹے کا اجیر بننا

سوال: زید، عمر اور بکر تینوں بھینسوں کے ایک اصطبل میں شریک ہیں، بکر بمبئی میں کاروبار سنبھالتا ہے، اور عمر گجرات میں سالویز فارم، یعنی جو بھینس دودھ دینا بند

کردیتی ہے اور گابھن ہوتی ہے، تو ایسی بھینسوں کو بمبئی سے گجرات لایا جاتا ہے، ان کی دیکھ بھال کی جاتی ہے، اور ان کو کھلایا پلایا جاتا ہے، اور جب بچہ جنتی ہیں اور جب دودھ دینا شروع کر دیتی ہیں تو واپس بمبئی میں بھیج دی جاتی ہیں، جن کو سنبھال کر تیار کرتے ہیں اور جب تیار ہو جاتی ہیں، تو عمر لڑکوں کے ذریعہ بمبئی روانہ کرتا ہے، اور اس سالویز فارم کے سنبھالنے کا ماہانہ پانچ ہزار روپیہ تنخواہ لیتا ہے، تو اپنے کاروبار سے عمر کا تنخواہ لینا شرعاً کیسا ہے؟ اگر صورتِ مسئولہ میں عمر خود تو سالویز فارم نہیں سنبھالتا ہے بلکہ اس کا لڑکا سنبھالتا ہے، تو عمر کے لڑکے کے لیے تنخواہ لینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمر کے لیے یہ تنخواہ لینا جائز نہیں ہے۔

ولو استاجره لحمل طعام مشترك بينهما فلا اجر له لانه لا يعمل شيئا لشريكه الا ويقع بعضه لنفسه فلا يستحق الاجر (درمختار مع الشامی ۵/ ۴۲، ۴۱)

لانه فی هذه المسئلة شريك وليس للشريك اجر علی عمله فی المشترك. (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ۲/ ۱۱۹)

اگر عمر کا لڑکا یہ کام عقد اجارہ سے کرے گا تو اس کے لیے تنخواہ لینا درست اور جائز ہے۔ (کما مر فی الجواب السابق) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اصطبل کے ایک شریک کا اپنے بیٹے کو اجیر رکھنا

سوال: (۱) زید اور بکر دونوں نے بھینسوں کا اصطبل خریدا ہے، زید کا لڑکا بمبئی

میں اصطبل کا کاروبار سنبھالتا ہے، اور زید کا لڑکا اپنے باپ سے الگ نہیں ہے، کھانا وغیرہ سب ساتھ میں ہے، تو زید کے لڑکے کو کاروبار سنبھالنے کی وجہ سے ماہانہ پندرہ سو روپیہ تنخواہ دی جاتی ہے، تو زید کے لڑکے کے لیے ماہانہ تنخواہ لینی جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ تنخواہ کی رقم زید ہی کے پاس آتی ہے اور وہی اس کو استعمال کرتا ہے۔

(۲) زید اور بکر دونوں نے شرکت میں ایک اصطبل خریدا اور زید کا لڑکا اصطبل کے کاروبار کو سنبھالتا ہے، جس کے عوض ماہانہ ۱۵۰۰/ روپئے تنخواہ دی جاتی ہے، اور وہ اپنے باپ سے الگ رہتا ہے، اور اسی تنخواہ سے اپنا گذران چلاتا ہے، تو اس صورت میں زید کے لڑکے کا تنخواہ لینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (۲): یہ اجارہ درست اور جائز ہے۔

وان استاجر الرجل ابنه ليخدمه فى بيته لم يجز ولا اجر عليه، لان خدمة الاب مستحق على الابن دينا وهو مطالب به عرفاً فلا يأخذ عليه اجراً ويعد من العقوق ان يأخذ الولد الاجر على خدمة ابيه والعقوق حرام، وكذلك ان استأجرته الام لان خدمتها اوجب عليه فانها احوج الى ذلك واشفق عليه وان كان احدهما استأجره ليرعيه غنما او يعمل غير الخدمة جاز فان ذلك غير مستحق عليه ولا هو مطلوب فى العرف.

(مبسوط ١٦/ ٥٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔		کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

میں جو دوں وہ لینا ہوگا، کہہ کر شرکت ختم کرنا

سوال: ۱۹۶۷ء میں برطانیہ آیا اور اپنے (cousin) چچا زاد بھائی کے ساتھ

کرائے کے مکان میں رہتا تھا، چند دنوں کے بعد اس نے مجھے کہا: ارے بھائی! اگر ہم دونوں اپنی تنخواہ ساتھ میں رکھیں گے تو مستقبل میں تجارت ہو سکے گی؛ لہذا میں اپنی تنخواہ انہیں دینے لگا، اس میں سے اپنی ضرورت کے بقدر نکالتا تھا، مابقی ان کے پاس جمع ہو جاتا، اس کے بعد میں نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ مل کر تجارت شروع کی اور چچازاد بھائی نے بھی دوسرے ایک صاحب کے ساتھ مل کر ایک چھوٹا بیوپار شروع کیا؛ مگر بتقدیر الٰہی ان کی تجارت نہ چل سکی، اس لیے ایک دن مجھے وہ راستہ میں ملے، وہیں سے مجھے اپنی اس چلتی ہوئی تجارت میں شریک کرنے کی غرض سے لے گئے، ہم لوگ ساتھ میں تجارت کرنے لگے اور اس میں بحمدہ تعالی دن بدن فروغ ملتا گیا، یہ ہماری تجارت اگرچہ بطور شرکت کے تھی؛ مگر میں ہفتہ میں دو تین پونڈ لیتا تھا اور دوسری جانب تجارت کا مکمل حساب و کتاب اپنے چچازاد بھائی کے پاس رہتا تھا، وہ ان پیسوں کو جہاں چاہے وہاں بے تحاشا فضولیات میں خرچ کیا کرتے تھے، اس طرح تقریباً دس سال تک چلتا رہا، اس کے بعد ۱۹۷۸ء میں میں نے کچھ سخت رویہ اپنایا اور حساب کے سلسلہ میں کچھ ''تو تو میں میں'' ہونے لگی تو حساب رکھنا شروع ہوا، تو ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۸ء تک مجھے صرف جتنی خرچ کی ضرورت ہوتی اتنی ہی رقم ملتی، اور دوسری جانب وہ جس طرح اور جتنا چاہتے خرچ کرتے، اس درمیان انہوں نے اسی آمدنی سے اپنے دو بچوں کی شادی بھی کرائی (ان کا اس آمدنی کے علاوہ کوئی ذریعۂ آمدنی نہ تھا) تو ۱۹۷۸ء سے پہلے کا کوئی حساب ہی نہیں ہے، اس کے بعد جب حساب رکھنا شروع ہوا تو ہمارے مابین کئی باتوں میں کچھ بولا چالی رہتی، اسی درمیان ہمارے مابین ایک منشی کاریگر کو کام دینے کے بارے میں جھگڑا ہوا، اس کے بعد میں نے علیحدگی کا فیصلہ

کرلیا، تو انہوں نے الگ اس طرح کیا کہ انہیں (یعنی میرے چچازاد بھائی کو) جو مناسب لگا وہ دے کر مجھے الگ کیا، باقاعدہ نہ کوئی حساب کیا اور نہ مکمل حساب دیا، میں نے ''اس تجارت کو مجھے دیدو'' یہ درخواست کی تو انہوں نے انکار کیا، ہم نے اپنی شرکت کے درمیان ایک زمین لے رکھی تھی، میں نے کہا: مجھے دیدو، انہوں نے انکار کیا اور میرے ہر مطالبہ کے جواب میں ان کا ایک ہی جواب تھا کہ میں تمہیں (مجھے) الگ نہیں کرتا آپ خود الگ ہو رہے ہیں، اسی لیے میں جو دوں اور جتنا دوں وہ لینا ہوگا؛ نیز انہوں نے جو رقم مجھے دینی مقرر کی تھی وہ بھی یک مشت نہ دی؛ بلکہ دس سال کے طویل عرصہ میں تھوڑی تھوڑی اسی تجارت میں کما کر دی، نیز جو زمین ہم نے شرکت کے درمیان لی تھی، اس کی رقم بھی انہوں نے علیحدگی کے بعد مجھے مکمل رقم دینے سے پہلے اس کی قیمت ادا کی، بندہ عمر میں ان سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے خاموش رہا تو جس طرح تقسیم ہونی چاہیے اس طرح انہوں نے نہ کی، ہونا یہ چاہیے تھا کہ پوری ملکیت، بیلنس وغیرہ کا آدھا حصہ ملنا چاہیے تھا مگر اس طرح نہ ہوا، اور مجھے جو جوان کے دل میں آیا وہ دیا اور وہ بھی ایک ساتھ نہیں؛ بلکہ تھوڑا تھوڑا دس سال کے طویل عرصہ میں دیا، اگر مجھے ایک ساتھ دیا ہوتا تو میں بھی اس رقم کو تجارت میں لگاتا؛ لیکن ایسا نہ ہونے کی وجہ سے میرا بڑا نقصان ہوا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان کی یہ تقسیم از روئے شرع برابر ہے؟ اگر نہیں تو پھر میں مابقی میں اپنا حق لینے کا حق دار ہوں یا نہیں؟ اگر میں حق دار ہوں تو اُس وقت کی ویلیو کے اعتبار سے یا آج کی؟

۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۸ء تک جو ہماری آمدنی تھی اس کا کوئی حساب نہیں، تو اس کے لیے اس درمیان انہوں نے جو خرچ کیا تھا وہ بہت تھا اور میرا تھوڑا تو کیا اس کی

تلافی کی کوئی شکل ہے یا نہیں؟

میرے مطالبات کے جواب میں ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر میں نے ان کو (مجھے) حصہ کم دیا تو لیا کیوں؟ آج اتنے سالوں کے بعد کیوں مطالبہ کرتے ہو؟ حالاں کہ میں اس وقت اس لیے خاموش رہا کہ وہ مجھ سے عمر میں بڑے تھے تو کیا اس طرح خاموش رہنے سے میرا حق ساقط ہو جائے گا؟

علیحدگی سے پہلے جو جائیداد خریدی تھی وہ علیحدگی کے بعد مطالبہ کے باوجود مجھے نہ دی یا اس کی قیمت علیحدگی کے بعد مجھے جو انہوں نے دینا طے کیا، اس کو ادا کرنے سے پہلے اسی تجارت میں سے کما کر اس کی قیمت ادا کی اور بعد میں مجھے اپنا حصہ ان کا مقرر کردہ طویل عرصہ میں دیا تو کیا اس جائیداد میں میرا حصہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کا سوال ناقص ہے، پہلے آپ کو یہ بتلانا چاہیے تھا کہ آپ دونوں کے درمیان شرکت کا جو معاملہ ہوا وہ کس طرح ہوا؟ یعنی دونوں میں سے ہر ایک نے کتنا رأس المال (پونجی) لگایا؟ تجارت کس چیز کی تھی؟ دونوں کے کام کی کیا نوعیت تھی؟ منافعہ کی تقسیم کے لیے کیا طے ہوا؟ اس کے علاوہ کیا کیا شرائط آپس میں طے ہوئے؟ اگر معاہدہ (اگریمنٹ) کی کوئی نقل ہے تو وہ پیش کرتے، ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر جواب دیا جاتا، خیر اس کے باوجود آپ کے شریک نے چند باتیں ایسی کی ہیں جو اصولی طور پر درست نہیں ہیں، مثلاً ان کا یہ کہنا ہے کہ آپ خود الگ ہو رہے ہیں میں آپ کو الگ نہیں کر رہا ہوں۔ وہ الگ کریں یا آپس کی رضامندی سے علیحدگی ہوں، ہر صورت میں آپ کا حصہ آپ کو ملنا چاہیے، آپ اپنے حصہ کے حق دار ہیں، اب

جب کہ انہوں نے آپ کا حصہ نہیں دیا؛ بلکہ زبردستی روک رکھا تو وہ شرعاً غاصب ٹھہرے اور غصب میں غاصب پر ضروری ہے کہ اگر وہ چیز موجود ہو تو اس کو لوٹائے اور اگر ہلاک ہوگئی ہے تو اگر وہ مثلی ہے تو اس کا مثل لوٹائے اور اگر قیمی ہے تو غصب کے دن یعنی اُس وقت کے اعتبار سے جو قیمت ہوئی ہے وہ لوٹائے۔ (درمختار، شامی ۵/ ۱۲۸، ۱۲۹)

اس کا حساب نہیں ہے تو ان کو چاہیے کہ اس کا صحیح اندازہ لگائیں اور بصورت شک یقینی مقدار ادا کریں۔

لوكان عليه دين وشك فى قدره ينبغى لزوم اخراج القدر المتيقن، وفى البزازية من القضاء: اذا شك فيما ادعى عليه ينبغى ان يرضى خصمه ولا يحلف احترازاً عن الوقوع فى الحرام الخ (الاشباه والنظائر ٦١ مصرى)

آپ کی خاموشی سے آپ کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

لا ينسب الى ساكت قول (وليست هذه المسئلة من المسائل المثناة من هذه القاعدة)

البتہ اگر اس درمیان آپ نے یہ اقرار کیا ہو کہ میں اپنا حق وصول کر چکا ہوں تو اب مطالبہ کا حق نہیں ہے، علیحدگی سے پہلے خریدی ہوئی جائیداد جب موجود ہے تو اس میں آپ کا حصہ بھی ہے۔ (کما مر) خصوصاً اگر وہ اقرار کرتے ہوں کہ یہ جائیداد زمانۂ شرکت کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد: احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۰/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

شرکاء میں سے کسی ایک کو شرکت سے الگ کرنا

سوال: چند احباب نے مل کر اجتماعی طور پر پچیس ہزار کی لاگت سے ایک ہوٹل

تیار کیا، جس میں کم وبیش حصہ کے حصہ دار، شرکاء پچیس ہزار کے اعتبار سے اپنا رأس المال ڈال کر حصہ دار بنے، اب ہوٹل چلنے لگا اور اس کا ویلیو پچاس ہزار کا ہوگیا، اب دو تین شرکاء مل کر کسی ایک شریک کا حصہ نکال رہے ہیں، اور اس کو اصلی رقم پچیس ہزار کے اعتبار سے رقم لوٹا رہے ہیں جب کہ اس وقت اس ہوٹل کا بازاری ویلیو پچاس ہزار ہے یہ شریک نکلنے پر راضی نہیں ہے؛ لیکن مجبوراً اصل رأس المال لینا پڑ رہا ہے:

(الف) اس حصہ دار کی طرف سے دیگر شرکاء کو کسی قسم کی تکلیف اور شکایت بھی نہیں ہے، ایسی صورت میں باقی شرکاء کے لیے اس کا حصہ نکال دینا کیسا ہے؟

(ب) بعض مرتبہ ایسی صورت میں ذمہ دار لوگ ہوٹل کا ویلیو لگاتے ہیں اور اس کے اعتبار سے اس کو اس کا حصہ دیتے ہیں؛ لیکن یہ لوگ بازاری ویلیو کے مقابلہ میں بہت کم ویلیو کرتے ہیں، مثلاً: چالیس ہزار بازاری ویلیو کے ہوٹل کا صرف تیس ہزار ویلیو لگاتے ہیں، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

(ج) بعض مرتبہ یہ ذمہ دار حضرات صحیح صحیح بازاری ویلیو ہی لگاتے ہیں، اور اس شریک کا جو حصہ آتا ہے، پورا پورا حصہ اس کو دے دیتے ہیں؛ لیکن اس حصہ دار کی عدمِ رضامندی کے باوجود جبراً اس کو الگ کرتے ہیں تو یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مشترکہ کاروبار کے شرکاء میں سے کوئی ایک یا متعدد عقدِ شرکت کو ختم کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

(وتبطل ایضاً) ......بفسخِ احدهما ولو المال عروضاً. (درمختار ۳/ ۳۸۴)

(الف) عقد شرکت کو فسخ کرنے کے لیے تکلیف وشکایت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

(ب، ج) البتہ یہ خیال رہے کہ جس وقت کسی ایک شریک کے ساتھ عقدِ شرکت کو فسخ کیا گیا، اس وقت جب مالِ شرکت بشکل عروض ہوتا، تو اس الگ کیے جانے والے شریک کا حصہ اس مال میں ہے؛ اس لیے اصل تو یہی ہے کہ اس مال کو تقسیم کر کے اس کا حصہ اس کے حوالہ کیا جائے؛ البتہ اگر وہ اپنے حصہ کی قیمت لینے پر راضی ہو، تو قیمت بھی دی جاسکتی ہے، اور چوں کہ اپنے حصہ کے مال کا وہ مالک ہے؛ اس لیے قیمت وہی دینا ہوگی جس کا وہ مطالبہ کرے، ذمہ دار حضرات کی بات اس شریک پر لازم نہیں کی جاسکتی؛ اس لیے کہ درحقیقت اس کے قیمت لگانے کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ وہ اپنا حصہ دیگر شرکاء کو فروخت کر رہا ہے، اور بیع میں بائع کی رضامندی شرط ہے، اگر وہ راضی نہیں ہے تو دیگر شرکاء کی ملکیت اس کے حصہ پر ثابت نہ ہوگی، اور اس حصہ کا نفع ان کے لیے حلال وطیب نہ رہے گا۔

(قوله لكنه يتصدق الخ) والظاهر انه يقال مثل ذلك فيما اذا تصرف احدهما بالمال فی صور بطلان الشركة المارة فان الربح يكون للعامل ويتصدق بما ربح من مال الآخر (شامی ۳/ ۳۸۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نوکر نے اپنے ذاتی مال سے تجارت کی، نفع کا حق دار کون؟

سوال: زید ایک دُکان کا مالک ہے، اس کے یہاں ایک نوکر تھا جس کا نام بکر ہے، اور یہ بکر زید کے یہاں کام کر رہا تھا، اس بیچ زید کی ایک جگہ بالکل خالی پڑی ہوئی تھی، زید نے بکر سے کہا: تو وہ جگہ پر بیٹھ اور کاروبار شروع کر، اور زید کی نیت یہ تھی کہ جگہ کی

حفاظت ہو جائے گی اور اس (بکر) کا گھر خرچہ بھی چلے گا، مگر کوئی معاملہ طے نہیں ہوا، اور جب بکر نے اس جگہ پر بیٹھنا شروع کیا تو کچھ مال تو زید کا تھا جس کا بکر کے پاس حساب بھی ہے، اور بکر نے زید سے پوچھا کہ میں ایک اور نیا کام شروع کرنا چاہتا ہوں تو زید نے اس کی اجازت بھی دی، مگر مال سارا بکر ہی کا تھا اس میں زید کا کچھ نہیں، اور وہی جگہ پر بیٹھ کر بکر نے ایک اور کام کیا جس کا تعلق اس جگہ سے کوئی نہیں، اب بکر کو اس جگہ پر پانچ سال ہو گئے اور پانچ سال کے بعد زید کہتا ہے بکر سے کہ آج تک جو بھی تو نے کمایا اس کا مجھے حساب چاہیے، حالاں کہ کوئی معاملہ طے نہیں ہوا تھا، اور بکر کو زید سے یہ امید بھی نہیں تھی، لیکن پھر بھی بکر نے آج تک کا حساب دے دیا اور زید نے اس کے مال سے ۴۰/ فیصد وہ مال جو اس نے (بکر نے) کمایا تھا وہ بھی لیا، اور اب زید یوں کہتا ہے کہ جو تو نے اپنے گھر کا خرچہ دیا ہے وہ بھی تجھے مجھے دینے پڑیں گے، تو اس صورت میں کیا زید کو اس کے بیان سے پہلے کا کوئی حق ہے؟ اور بکر کے اوپر کیا حق نکلتا ہے؟ کیا بکر کو دینا پڑے گا؟ اور اگر دینا پڑے گا تو کتنا؟ حالاں کہ کوئی معاملہ طے نہیں ہوا تھا، اب اس صورت میں بکر پانچ سال کا حساب گھر خرچہ کا دیتا ہے تو تین لاکھ روپئے دینے پڑتے ہیں، اور اس کے پاس اتنا مال ہے نہیں، اگر دے دے گا تو بکر راستہ پر آ جائے گا، خیر صحیح فیصلہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

نوٹ: بکر سے پہلے اس جگہ پر عمر نے زید کے مال کو سنبھالا؛ مگر اس سے زید نے حساب نہیں لیا اور بکر کے اپنے مال سے زید حساب لے رہا ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

زید نے بکر کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کیا تھا تو کاروبار میں جو مال بکر نے لگایا وہ مال اور اس کا نفع سب بکر کا ہے، دوسرا کاروبار جو بکر نے شروع کیا اس میں بھی چوں کہ

بکر نے اپنا ہی مال لگایا تھا، اس لیے وہ مال اور اس سے حاصل شدہ نفع بھی بکر ہی کا ہے، ان دونوں میں زید کا کوئی حق نہیں ہے؛ البتہ پہلا کاروبار جس میں زید کا مال بھی لگا تھا وہ مال اور اس مال کے نفع کا مالک زید ہے، اور بکر چوں کہ زید کے یہاں ملازم کی حیثیت سے کام کرتا تھا، اس لیے بکر نے زید کے مال میں جو کاروبار کیا ایسے کاروبار کرنے والے کو عام طور پر جو اجرت (تنخواہ) ملتی ہے اتنی تنخواہ بکر کو ملے گی، زید نے تمام کاروبار کے نفع کا چالیس فیصد بکر سے وصول کیا وہ درست نہیں ہے، بکر نے اپنے گھر کے خرچہ میں زید والی رقم (جو پہلے کاروبار میں تھی) یا اس کا نفع استعمال کیا ہے تو بکر کو چاہیے کہ وہ زید کو ادا کرے، اس کے علاوہ میں زید کا کوئی حق نہیں ہے، یہ حکم اس حقیقت کے پیش نظر ہے جو آپ نے سوال میں لکھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ملازم کی منافع میں شرکت کی حیثیت

سوال: تاجر کا ایک دوست ہے، جو ملازمت کر کے اپنا گذر بسر کر رہا ہے، تاجر نے اپنے دوست سے کہا کہ میرے پاس ایک دکان ہے، اگر تم پوری ذمہ داری لیتے ہو تو چلے آؤ، میں تم کو ماہانہ تنخواہ اور زید جو مجھے تیس فیصد دیتے ہیں اس میں سے آپ کو بیس فی صد پوری ذمہ داری کے عوض دوں گا، کیا دوست تنخواہ اور بیس فیصد منافع لے سکتا ہے؟ شرعاً اس کی اجازت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر دوست کو بحیثیت ملازم رکھتا ہے تو صرف تنخواہ دی جا سکتی ہے، اور اگر پورا

کاروبار اس کے حوالہ کر دیتا ہے تو منافع میں شرکت رکھی جا سکتی ہے، اس صورت میں تنخواہ دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/صفر ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حساب میں چوک کی تلافی اور شرکاء کے نفع میں کمی بیشی

سوال: ① ہم لوگ ایک کاروبار کرتے ہیں، کچھ سامان لاکر بارانیاں تیار کر کے فروخت کرتے ہیں، ہمیں اس کاروبار کا سالہال کا تجربہ ہے، اور یہ کاروبار موسمی ہے، پچھلے کچھ سالوں سے اس کی صورت یہ ہے: جاننے والے اعزہ اور احباب اپنی رقمیں اس کاروبار میں لگانے کے لیے ہمیں دیتے ہیں اور ہم بھی اپنا سرمایہ اس میں لگاتے ہیں، اور ہمارا یہ معاملہ ایک سال کے لیے ہوتا ہے، ہر سال جب کاروبار کا موسم ختم ہوتا ہے تب پورا حساب مکمل کر کے منافعہ تقسیم ہو کر معاملہ ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد نئے سال کے لیے نیا معاہدہ ہوتا ہے، اس نئے معاہدہ میں بعض وہ حضرات بھی جو اگلے سال کاروبار میں شریک رہے تھے شرکت کرتے ہیں، اور بعض نئے حضرات بھی ہوتے ہیں، سالِ گذشتہ موسم ختم ہونے پر حساب کتاب مکمل کر کے منافع تقسیم کر دیئے گئے، اس کے بعد معلوم ہوا کہ بعض تاجروں کو ان کے یہاں سے لائے ہوئے کچے مال کی قیمت چکانا باقی ہے، اور بھی ایک دو چیزیں اس قسم کی چوک سے رہ گئی تھیں جس کا بعد میں احساس اور علم ہوا، ان چیزوں کو حساب میں ملانے سے معلوم ہوا کہ گزشتہ سال جو کاروبار ہوا تھا اس میں بجائے نفع کے نقصان تھا، اب جب کہ ہم منافع کے نام سے ان کو رقم دے چکے ہیں ہمارے لیے کیا صورت رہ جاتی ہے؟ شرعاً اس کا حل پیش فرمائیں۔

(۲) اس سال نیا معاہدہ کر کے کاروبار جو شروع کیا تھا اس میں گذشتہ سالوں کے مقابلہ میں نفع کی مقدار بہت کم ہے، اور اس سال کاروبار میں رقم لگانے والوں میں ہر سال کی طرح کچھ پرانے اور کچھ نئے ہیں، نئے لوگوں نے کاروبار کی ہر سال کی معلومات اور نفع کی مقدار جو ان کے علم میں تھی اس کی بنیاد پر زیادہ نفع کی توقعات قائم کر رکھی تھی تو امسال نفع کی تقسیم میں کیا ان کی کوئی خصوصی رعایت کی جا سکتی ہے؟ یعنی پرانوں کے مقابلہ میں ان کو کچھ زیادہ حصۂ منافع دیا جائے یا معاہدہ کے مطابق نفع کی تقسیم کا جو طریقۂ کار ہر سال رہا ہے کہ ہر ایک کو اس کے سرمایہ کے بقدر نفع میں سے حصہ دیا جاتا ہے چاہے نیا ہو یا پرانا، امسال بھی اسی طریقۂ کار کے مطابق ہر ایک کو ان کے سرمائے کے بقدر حصہ دیا جائے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) اگلے سال کے کاروبار کے حساب میں بوجہ چوک جو باتیں چھوٹ گئیں اور غلط فہمی سے منافعہ سمجھ کر ہر ایک کو اس کا حصۂ منافع دے بھی دیا گیا، اس کے بعد اس چوک پر متنبہ ہونے پر دوبارہ حساب کرنے پر معلوم ہوا کہ منافعہ نہیں؛ بلکہ نقصان ہوا ہے، تو اب آپ گذشتہ سال والے تمام شرکاء کو حقیقی حساب سے آگاہ فرما کر منافع کے نام سے ان کو دی گئی رقم کی واپسی کا مطالبہ فرما سکتے ہیں۔

(۲) آپ ہر سال کے لیے علیحدہ معاہدہ اور معاملہ کرتے ہیں تو تمام شرکاء کی حیثیت یکساں ہے، اس لیے امسال جو منافع ہوئے ہیں وہ تمام شرکاء کے درمیان ان کے سرمایہ کے مطابق تقسیم کیجیے، کوئی شریک نیا ہے اور اس نے کچھ توقعات وابستہ کی تھیں

اس بنیاد پر اس کو حصۂ منافع میں زیادہ دینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شیئرز کے منافع کا حکم

سوال: شیئرز کا جو ڈیویڈنٹ (Divident) ملتا ہے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو بلا کراہت یا کراہت کے ساتھ؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز کاروبار اور جائز پیداوار کرنے والی کمپنی کا شیئرز ہو تو اس کے منافع کا استعمال بلا کراہت درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

میاں بیوی کی کمائی میں ملکیت کس کی کس قدر؟

سوال: تقریباً ۲۳/ سال قبل میرا نکاح محمد حنیف منشی کے ساتھ ہوا، نکاح سے پہلے ہی سسر کا انتقال ہو گیا تھا، میرے شوہر کے تین بھائی اور والدہ محترمہ بقید حیات ہیں، میرا نکاح ہوا اس وقت ہم سب اکٹھے رہتے تھے، بعدہ میرے شوہر کے بیرون میں جانے کی وجہ سے میں بھی ان کے ساتھ ہی رہی، یعنی اولاً زامبیا میں، بعدہ یو کے انگلینڈ میں ہم دونوں نے ساتھ میں رہنا شروع کیا، بیرون چلے جانے کے بعد سسر کی جائداد کے جو مکانات تھے ان کو میرے شوہر نے دیگر بھائیوں اور والدہ کے درمیان تقسیم کر دیا، اور خود اس جائداد میں سے کچھ نہیں لیا ہے، ہر ایک بھائی اس جائداد کو

اپنے قبضہ میں لے کر اپنے اپنے طور پر اپنی تجارت اور پیشے میں لگ گئے، اور فی الحال وہ سب اپنی ذاتی زندگی گزار رہے ہیں، ہم میاں بیوی نے انگلینڈ میں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے سسر کی جائداد کے مکانات میں سے اپنی رضامندی سے کچھ بھی نہیں لیا، انگلینڈ میں میرے شوہر بھی کام کرتے تھے، اور میں بھی کوئی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے گھر پر کام کرتی تھی، اور ہم دونوں ایک ساتھ محنت کر کے کماتے تھے، ہم لاولد ہونے کی وجہ سے اور خرچ کرنے میں حتی الامکان میرے احتیاط اور کفایت شعاری کی بنا پر اللہ رب العزت نے ہماری کمائی میں خوب برکت نازل فرمائی، نتیجۃً ہم لوگ انڈیا میں شوہر کے بھائیوں کی وقتاً فوقتاً مدد بھی کرتے رہے ہیں، ہم دونوں کو اگر مستقبل میں انڈیا میں سکونت اختیار کرنے کی نوبت آجائے اس غرض سے ہم نے اپنی (میاں بیوی) مشترکہ کمائی سے اپنے وطن میں چند پلاٹ لے کر الگ مکان بھی تعمیر کیا ہے، مکان کا دستاویز میرے شوہر کے نام کا ہے۔

دیگر یہ کہ ہم دونوں لاولد ہیں، مستقبل میں معاشی زندگی کی فکر کرتے ہوئے ذریعۂ آمدنی کے طور پر دوسرے ایک دیہات میں چند دکانیں اور مکان خریدا ہے جو فی الحال کرایہ پر دیا ہے، مذکورہ جائداد میں سے ایک دکان کا دستاویز میرے شوہر کے نام ہے جب کہ دیگر جائداد کے دستاویز مشترکہ ہیں، جس میں میں اور میرے شوہر اور ساس کا نام بھی ہے، دوسرے ایک دیہات میں بھی ہم دونوں نے مشترکہ طور پر چند پلاٹ خریدے ہیں۔

مذکورہ بالا جائداد ہم میاں بیوی نے مشترکہ طور پر خریدی ہیں، اور یہ ہماری آزاد املاک ہیں، جن کو خریدنے میں شوہر کے بھائیوں سے ہم نے کوئی رقم نہ وصول کی ہے، اور نہ ہی کوئی رقم انہوں نے ہمیں دی ہے، مزید یہ کہ میرا نکاح ہوا تو میرے والد صاحب

نے مجھے سونے کے زیورات دیئے تھے اور شوہر نے بھی بیرون ملک جانے کے بعد مجھے زیورات بنا کر دیئے ہیں، جن کو میں خود استعمال کر کے اپنے قبضہ میں رکھتی ہوں؛ نیز عید و شادی کے خوشی کے مواقع پر میرے بھائیوں نے بھی مجھے چند زیورات بطورِ انعام دیے ہیں، وہ بھی میرے قبضہ میں ہیں۔

ہمارے ازدواجی تعلقات کو تقریباً بیس سال کا عرصہ ہوا باوجود اس کے ہم لاولد ہیں، اس لیے میرے شوہر (جو بذاتِ خود عالم ہیں، مسائلِ شریعت سے واقفیت رکھتے ہیں) نے میرے مستقبل کا خیال رکھتے ہوئے آج سے تقریباً تین سال قبل بیس ہزار پاؤنڈ کی مجھے مالک بنا کر مذکورہ رقم کا قبضہ مجھے دے دیا ہے، اس رقم کو میں نے افریقہ میں ساکن میرے بھائی کو بطورِ قرض دیا؛ لیکن اس وقت میرے بھائی نے اس رقم کو بطور قرض قبول کرنے کے بجائے تجارت میں شرکت کی غرض سے لگا دیا، اور اس بات کی اطلاع بھی اسی وقت ہم کو دے دی کہ میں نے بیس ہزار پاؤنڈ تجارت میں لگا دیئے ہیں، اور فی الحال شرکت کے طور پر تجارت جاری ہے، اور اب تک جو کچھ نفع ہوا ہے وہ بھی تجارت میں لگا ہوا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم میاں بیوی انگلینڈ میں سکونت اختیار کئے ہوئے ہیں، ہمارا پاسپورٹ بھی برٹش ہے، ہم وہاں کے شہری بن چکے ہیں، اس وجہ سے وہاں رہنے کے لیے ہم نے ایک مکان مارگیج پر لیا ہے، اس کی قسطیں بھی ہم مشترکہ کمائی سے ادا کر رہے ہیں۔

سالِ رواں میں ماہ اپریل میں میرے شوہر اپنے رشتہ داروں سے ملاقات اور دیگر سماجی تقریبات میں شرکت کی غرض سے بیس پچیس دن اقامت کے ارادے سے ہندوستان مہمان بن کر تشریف لے گئے لیکن جانے کے پانچ دن بعد ہی طبیعت

بگڑگئی؛ یہاں تک بے ہوشی (کوما) طاری ہوگئی، شہر سورت کے ایک شفا خانے میں ان کو ایڈمیٹ کیا گیا، اس ناگہانی حادثہ پر مجھے فوری طور پر انڈیا آنا پڑا، تقریباً ایک مہینہ مسلسل بے ہوشی کے بعد دورانِ علاج معالجہ اسی مرض الوفات میں جاں بحق ہوگئے، علاج معالجہ کا مکمل خرچہ ہم لوگوں نے (میاں بیوی) نے ادا کیا۔

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد شریعت مطہرہ کی روشنی میں مندرجۂ ذیل امور کا حل پیش فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

① میرے شوہر نے اور میں نے انگلینڈ کو اپنا وطن بنالیا ہے، اور یہاں اپنے گاؤں میں بھی ایک مکان ہے جس میں فی الحال کوئی رہتا نہیں ہے، میری ساس بھی خود میرے دیور کے مکان میں رہتی ہے، میرے دیور کے ایک ساتھ لگے ہوئے دو گھر ہیں، اور دوسرے دو دیور بھی اسی گاؤں میں اپنے اپنے مکانوں میں مستقلاً رہتے ہیں، اور ان مکانوں میں میرے شوہر کا حصہ نہیں ہے، ان مکانوں کی ملکیت میں تینوں دیور آزاد ہیں۔

میں بذاتِ خود عدت گذارنے انگلینڈ جانا چاہتی تھی؛ لیکن سسرال والوں نے جانے سے منع کر کے دیور کے گھر میں عدت گذارنے کے لیے روک لیا، دیور الحمد للہ صالح ہیں، اور میرے والدین بھی اسی دیہات کے باشندے ہیں، اور ان کا ذاتی مکان بہت کشادہ اور وسیع ہے، میری دلی خواہش والدین کے گھر عدت گذارنے کی ہے، تو کیا میں والدین کے ساتھ رہ کر عدت گذار سکتی ہوں؟ یا پھر انگلینڈ جا کر عدت گذاروں؟ واضح رہے کہ وطن میں میرے شوہر کے بنائے ہوئے مکان میں عدت گذارنے کے لیے میں نے اپنی ساس وغیرہ کو ساتھ میں رہنے کے لیے گزارش کی تو

وہ اس مکان میں جو مقفل پڑا ہوا ہے میرے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہیں ہے، تو کیا اپنے دیور کے گھر کے بجائے اپنے والدین کے گھر عدت گذار سکتی ہوں؟ انگلینڈ میں میرا کوئی محرم نہیں ہے۔

(۲) ذکر کردہ تفصیلی حقیقت میں مذکورہ جائداد و املاک کی تقسیم کا کیا طریقہ ہوگا؟ کس کو کتنا حصہ ملے گا؟

(۳) میرے شوہر نے جو بیس ہزار پاؤنڈ مجھے دیئے ہیں اور جو نفع اس میں ہوا ہے، کیا یہ رقم مع نفع کے صرف میری ملکیت شمار ہوگی یا اس میں دیگر ورثاء کا بھی حق ہوگا؟ (مذکورہ رقم کی تفصیل اوپر بیان کر چکی ہے)

(۴) ماسبق میں بیان کردہ تفصیل کے مطابق کیا سونے کے زیورات صرف میرے ہوں گے؟ یا پھر دیگر ورثاء بھی اس میں سے حصہ پائیں گے؟

(۵) میرے والدین اور میرے بھائیوں کے ساتھ میرا پیسوں کے لین دین کا کوئی معاملہ نہیں ہے، نہ میں ان کی مقروض ہوں نہ وہ میرے مقروض ہیں، مذکورہ مسائل کا جلد از جلد حل پیش فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

گھر پر کام کر کے آپ نے جو کچھ اپنی محنت سے کمایا اس کی مالک آپ ہیں، اور شوہر نے کام کر کے جو کچھ کمایا اس کی ملکیت ان کی تھی، اور دونوں میاں بیوی اپنی کمائی کو مشترکہ طور پر جمع کرتے رہے اور اسی سرمایہ سے جائدادیں خریدیں، اب اگر دونوں کی کمائی کی مقدار معلوم و متعین ہے تب تو ان خریدی ہوئی جائدادوں میں دونوں کا حصہ ہر ایک کی کمائی کے بقدر رہے گا، مثلاً اگر شوہر ماہانہ دو سو پاؤنڈ کماتے تھے،

اور آپ بھی گھر میں جو کام کرتی تھیں اس سے اتنی ہی آمدنی حاصل ہوتی تھی، اور دونوں رقمیں ملادی جاتی تھیں تو گویا ان رقوم سے حاصل کردہ جائداد میں دونوں کا حصہ بھی نصفانصف رہے گا، اور اگر شوہر کی آمدنی مثلاً ماہانہ چارسو پاؤنڈ اور آپ گھر میں کام کاج کر کے ماہانہ دوسو پاؤنڈ حاصل کرتی تھیں اور دونوں رقمیں ملادی جاتی تھیں، اب اس مخلوط مشترکہ رقم سے جو جائداد حاصل کی گئی اس میں شوہر کی ملکیت دو تہائی اور آپ کی ملکیت ایک تہائی سمجھی جائے گی۔

بوقتِ نکاح آپ کو جو زیورات آپ کے والد صاحب نے دیئے تھے، اسی طرح خوشی کے مختلف مواقع پر جو زیورات آپ کے بھائیوں نے آپ کو بطورِ انعام دیے تھے، ان دونوں قسم کے زیورات کی مالک آپ تنہا ہیں، اور بیرون جانے کے بعد جو زیورات شوہر نے آپ کو بنا کر دیئے ہیں وہ اگر بطور ہدیہ دے کر آپ کو اس کا مالک بنادیا ہے تب تو وہ بھی آپ کی ملک ہے، اور اگر بطور ہدیہ نہیں دیئے ہیں؛ بلکہ عاریت کے طور پر صرف استعمال کے لیے دیئے ہیں تو وہ شوہر کے ترکہ میں شمار ہوں گے، اور اگر ہدیہ یا عاریت میں سے کسی کی صراحت نہیں کی گئی تھی تو عرف پر مدار ہوگا، یعنی آپ کے یہاں کا عرف ہدیہ کا ہے تو ہدیہ شمار ہوں گے، اور اگر عاریت کا ہے تو عاریت شمار ہوں گے۔

آپ کے شوہر نے بیس ہزار پاؤنڈ کی جو رقم آپ کو مالک بنا کر آپ کے قبضہ میں دے دی تھی اور پھر وہ رقم آپ نے اپنے افریقہ میں مقیم بھائی کے حوالہ کی جس کو انہوں نے تجارت میں لگایا، اس رقم اور اس سے حاصل شدہ منافع کی مالک بھی آپ ہی ہیں۔ برطانیہ میں رہنے کے لیے جو مکان مارگیج پر لیا تھا اور جس کی قیمت قسطوں کی شکل میں مشترکہ کمائی سے ادا کی جاتی رہی اس کا حکم بھی اوپر بتلائی ہوئی مشترکہ کمائی

سے خرید کردہ جائداد کی طرح ہوگا۔

آپ پہلے دن سے جب دیور کے گھر میں عدت گذار رہی ہیں، اور وہاں آپ کے لیے کوئی تکلیف اور دشواری بھی نہیں تو اب آپ عدت کے بقیہ دن بھی اسی مکان میں پورے کریں۔

وإذا انتقلت لعذر يكون سكناها فی البيت الذی انتقلت إليه بمنزلة كونها فی المنزل الذی انتقلت منه فی حرمة الخروج عنه، كذا فی البدائع (عالمگیری ۱/۵۳۵)

(۲) محمد حنیف منشی ۱۲/۳۶

میـــــــــــــــــــــــت

زوجہ	ام	اخ عینی ۳
۳	۲	۷
۹	۶	۲۱

جیسا کہ جواب نمبر ایک میں بتلایا جا چکا جو جائدادیں میاں بیوی کی مشترکہ کمائی سے خریدی گئی ہیں، ان میں دونوں کا حصہ اسی تفصیل کے مطابق- جو پہلے جواب میں لکھی گئی ہے- رہے گا، اب آپ کا جو حصہ ان جائدادوں میں ہے اس کی تو آپ تنہا مالک ہیں، اور شوہر کا جو حصہ ہے اس میں تقسیمِ میراث سے پہلے کے حقوق (یعنی ان کی تجہیز و تکفین کے درمیانی مصارف، اس کے بعد ان کے تمام قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو بچ جائے اس کے تہائی میں ان کی وہ وصیت جو شرعی اصول وضوابط کے مطابق ہو) نافذ کر کے بقیہ جائداد کے ۳۶/حصص کر کے ان میں سے ۹/ حصے آپ کو اور ۶/ حصے آپ کے شوہر کی والدہ کو، اور بقیہ ۲۱/حصص میں سے سات سات تینوں

بھائیوں میں سے ہر ایک کو ملے گا۔

③اس کا جواب شروع میں آچکا ہے۔

④اس کا جواب بھی شروع میں آچکا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ رجب ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

چند بھائیوں نے باہم مل کر کمپنی کا سرمایہ بڑھایا مالک کون؟

سوال: یادعلی سب سے چھوٹے اور یونس علی ان سے بڑے بھائی تھے، ان دونوں سے بڑے تین اور بھائی تھے، جو پہلے سے ہی بمبئی میں اپنا ذاتی کاروبار کر رہے تھے، پھر یادعلی نے بھی بمبئی آکر اپنا ذاتی چندی کا کاروبار شروع کیا، کئی سال میں انہوں نے اس سے اپنی تین ذاتی جگہیں خریدیں، جن میں ایک مکان اور دو دکان تھیں، پھر یادعلی کے سات آٹھ سال بعد یونس بھی بمبئی آگئے، سب سے بڑے بھائی نذیر نے یادعلی سے کہا کہ یونس کو اپنے ساتھ رکھ لو تو یادعلی نے کہا کہ آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہے؛ لیکن میری جو تین جگہیں ذاتی ہیں ان کا کیا؟ جس پر نذیر نے کہا کہ یادعلی ابھی یہ بات رہنے دو بعد میں دیکھا جائے گا، اس طرح صرف بڑے بھائی کے کہنے پر بغیر کچھ طے کئے یادعلی نے یونس کو اپنے ساتھ رکھ لیا، واضح ہو کہ یہ کاروبار، اس میں لگا مکمل سرمایہ اور یہ تین جگہیں یادعلی کی ذاتی ہیں، جب کہ یونس کا کوئی سرمایہ نہ لگا تھا، یادعلی کے تمام بچوں کی پیدائش بمبئی کی ہے، کچھ سالوں میں جب ایک اور مکان کا انتظام ہو گیا، تو یونس کے بال بچے بھی بمبئی آگئے، جیسے جیسے کاروبار بڑھتا گیا ضرورت کے مطابق مختلف رہائشی وکاروباری جگہیں لی جاتی رہیں، لڑکے جوں جوں بڑے ہوتے گئے، انہیں مختلف کاروبار سے لگایا جاتا رہا،

جن کو ضرورت کے حساب سے ایک یا ایک سے زائد لڑکے سنبھالتے رہے؛ لیکن سب کی تمام چھوٹی بڑی ضروریات وگھریلو اخراجات پہلے والی چندی کی بنیادی کمپنی سے ہی پورے کئے جاتے تھے، واضح ہو کہ دونوں بھائیوں میں سے کسی نے بھی اپنی پوری زندگی میں کبھی کسی لڑکے کو نہ بانٹ کر دیا اور نہ ہی الگ کیا؛ بلکہ تمام کمپنیاں پہلے والے بنیادی کمپنی کی ہی شاخیں (Group of companies) تھیں، ان واقعات کو کم وبیش ۵۰ / سالوں کا عرصہ لگا۔

تقریباً پانچ سال قبل یونس انتقال کر گئے، اس کے بعد ان کے لڑکوں نے بٹوارے کا مطالبہ کیا، یادعلی کے کافی سمجھانے پر جب نہ مانے تو یادعلی نے حامی بھرلی، فریقین کی باہمی رضامندی سے درمیان میں یونس اور یادعلی کے بڑے بھائی حاجی نصیب اللہ اور ان کے لڑکوں شفیق اور رفیق کو بطورِ ثالث رکھا گیا، سب لڑکوں سے ان کے کاروباری حساب منگوائے گئے، تمام رہائشی وکاروباری جگہوں کی مالیت طے ہوگئیں، سب لڑکوں نے اپنے کاروباری حساب پیش کئے؛ لیکن طفیل ابن یونس نے اپنے کاروبار کے حساب میں قرض پیش کیا۔

اس کاروبار کی تفصیل یوں ہے کہ اب سے تقریباً بیس پچیس سال پہلے یادعلی نے اپنے شروع والے بنیادی چندی والے کاروبار کو جاری رکھتے ہوئے اگلا جو پہلا کام شروع کیا وہ یہ امپورٹ مال کا کاروبار تھا، اس میں یادعلی نے اپنی مدد کے لیے تین لڑکوں عزیز بن یادعلی، طفیل بن یونس اور عتیق بن یادعلی کو بھی ساتھ رکھا، یہ کاروبار کافی منافع بخش تھا، جس کی وجہ سے آگے چل کر زیادہ تر جائدادیں لی گئیں، کچھ سال بعد یہی کاروبار یادعلی نے اپنے ایک بھتیجے شفیق بن نصیب اللہ کی شراکت میں شروع کیا،

جس میں سرمایہ تو دونوں کا تھا؛ لیکن جگہ یاد علی کی ہی استعمال ہوتی تھی، نفع دونوں میں آدھا آدھا تقسیم ہوتا تھا، جس کی تصدیق شفیق بھی کرتے ہیں، جب مذکورہ بالا تین لڑکے کام کو اچھی طرح سنبھال چکے تو یاد علی وہ کام ان کے ذمہ چھوڑ کر پھر سے اپنا پورا وقت اور دھیان اپنے پہلے والے چندی کے کام پر دینے لگے، (اس درمیان اس چندی کے بنیادی کاروبار کے حساب کتاب ولین دین یونس کے ذمہ رہے، اور یہ ذمہ داری ان کے انتقال تک ان ہی پر رہی) دونوں بھائیوں یعنی یاد علی اور یونس کا گھرانہ کافی بڑا تھا، اس لیے صرف دو کاروبار نا کافی تھے، خود کی جگہیں بھی ہوگئی تھیں، اور شفیق کی شراکت والا امپورٹ والا کاروبار بھی جم چکا تھا، تو پہلے عزیز بن یاد علی کو وہاں سے نکال کر بعد میں ایک نئے گورنمنٹ کے کام سے لگا یا گیا، (اس نئے گورنمنٹ کے کاروبار کی پوری ذمہ داری اکیلے عزیز پر ڈالی گئی، اس نئی کمپنی میں بھی شفیق اور طفیل اپنے امپورٹ والے کام کرتے تھے؛ لیکن سب مشترکہ ہونے کی وجہ سے عزیز اپنے گورنمنٹ کے کاروبار سے ہی ان دونوں کے دفتری اخراجات پورے کرتے تھے) پھر دوسرا کاروبار شروع کرنے کی غرض سے عتیق ابن یاد علی کو بھی وہاں سے نکال کر (یعقوب بن یونس کے ساتھ ایم برادری کے ایک) نئے کاروبار سے لگا یا گیا، اس طرح شفیق کی شراکت میں جاری وساری یاد علی کے امپورٹ مال والے اس کاروبار کی ذمہ داری طفیل ابن یونس پر آگئی، جس میں سرمایہ کے علاوہ یاد علی نے اپنے ہاتھ کی وصولی بھی طفیل کے ذمہ کردی، اس طرح یاد علی کے نمائندہ کی حیثیت سے طفیل اس کاروبار کو شفیق کی شراکت داری میں سنبھالنے لگا، اس کی تصدیق شفیق یوں کرتے ہیں کہ طفیل اس کاروبار میں یاد علی چچا کے گھر کے فرد کی طرح میرے ساتھ ہے، چچا اور طفیل کو میں الگ نہیں، ایک ہی مانتا ہوں، طفیل چچا

کوحساب بھی دیتا تھا اور کاروبار میں جو بھی نفع ہوگا اس میں چچا بھی حصہ دار ہیں، طفیل کا کہنا ہے کہ چچا کے بعد میں اور شفیق بھی نفع آدھا آدھا بانٹتے تھے، بعد میں اس کام کے لیے اسی کاروبار سے مشترکہ ایک جگہ بھی لی گئی، یادعلی کے پڑوسیوں کو وہ جگہ بیچنی تھی، اوراس کاروبار کے لیے ضرورت بھی تھی، لہذا یادعلی نے ہی سودا کیا اور وہ جگہ شفیق کے علاوہ (زبیر ابن یونس اور عتیق بن یادعلی) کے مشترکہ نام سے خریدی گئی، واضح ہو کہ اس میں طفیل کا نام نہیں ہے، بٹوارے سے کچھ ماہ قبل اسی کاروبار سے جب شفیق نے اپنے لیے ایک فلیٹ خریدا تو طفیل نے بھی چچا یادعلی سے اجازت ومشورہ کیا کہ شفیق بھائی نے فلیٹ لیا ہے، اسی کے ساتھ لگا فلیٹ میں نے بھی اکٹھا سودا کرلیا؛ تاکہ اس طرح میں بھی شفیق کے برابر رقم اس کاروبار سے اٹھا سکوں گا، اور اپنا ایک فلیٹ بھی ہوجائے گا، بہر حال تب سے اب تک یہ کاروبار جاری ہے اور وہی دونوں (شفیق اور طفیل) سنبھال رہے ہیں، اس کاروبار میں شفیق ابن نصیب اللہ: ان.......... پہلے ان کے اور اب بعد میں طفیل کے شراکت دار رہے ہیں، اور یہی شفیق اب اس (یادعلی اور یونس والے) بٹوارے میں ثالث بھی ہیں، بٹوارے میں طفیل نے اسی کاروبار کا حساب اس طرح پیش کیا کہ: ’’کل ایک کروڑ چالیس لاکھ روپیوں کے قرض میں آدھا شفیق کا اور آدھا خود کا، ۷۰ / لاکھ اور دیگر ۱۵ / لاکھ‘‘ اس طرح اپنے حصہ کا کل ۸۵ / لاکھ کا قرض طفیل نے بتایا، اتنا بڑا قرض اس نے اچانک بٹوارے میں بتایا، اس کے پہلے تک بتانا تو دور کی بات یادعلی اور خاندان کے کسی فرد کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا؛ حتی کہ نصیب اللہ اور رفیق (ثالث) بھی چونک پڑے؛ جب کہ ابھی کچھ ماہ قبل ہی اسی کاروبار سے شفیق اور طفیل نے اپنے لیے دو فلیٹ بھی خریدے، اور ان دونوں کے

لڑکے لندن اور کینیڈا میں لاکھوں روپے کی خرچ سے زیر تعلیم ہیں، ان دونوں نے ناسک میں ابھی ابھی کروڑوں روپے کا ایک پروجیکٹ بھی لگایا (جس کا طفیل کے حساب میں ذکر تک نہ تھا) ان تمام باتوں کا طفیل کوئی جواب نہ دے کر مطالبہ کرنے لگا کہ اس قرض کے عوض اس کا فلیٹ اس کاروبار کا مال اور وصولی کو بٹوارے سے الگ رکھا جائے، یاد علی نے کہا کہ مذکورہ چیزیں بٹوارے سے الگ نہ رکھی جائیں گی؛ بلکہ قرض خواہ کو سامنے لایا جائے، ایک نیا ثالث تحقیق کرے، پھر شفیق طفیل اور یاد علی اپنے حصے کی رقم ثالث کو دیں، اور ثالث تحقیق کے بعد اپنے ہاتھوں سے قرض خواہ کی ادائیگی کرے؛ لیکن طفیل اس پر راضی نہ ہوا، اس کاروبار کی کوئی قانونی لکھا پڑھی اور بہی کھاتے نہیں ہوئے ہیں، اور چوں کہ یہی طفیل اور اس کے دیگر بھائی بقیہ دوسرے کاروبار اور جگہوں میں قانونی حصہ دار ہیں، اس لیے اس نے اپنا مطالبہ نہ ماننے کی وجہ سے بٹوارے کی تمام دوسری کاروائیاں بھی روک دی۔

اس بٹوارے کے معاملات کو ساڑھے تین چار سال ہو چکے ہیں، اب تک اس کے قرض کا تنازعہ چل ہی رہا تھا، کہ اب طفیل نے خود کے الگ ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ ”میں الگ ہوں، میرے والد اور چچا (یاد علی) کا اس امپورٹ والے کاروبار سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، اس لیے میرا فلیٹ اور اس کاروبار کا مال اور وصولی اس بٹوارے میں شامل نہیں ہوگی“ جب کہ طفیل نے ایک موقع پر عزیز بن یاد علی کو یہ پیشکش بھی کی تھی کہ ”مذکورہ فلیٹ اصل بٹوارے کے حساب سے چھوڑ دو تو شفیق (ثالث اور اس کے موجودہ شراکت دار) اپنے بھائیوں اور دوسرے کسی کو بھی بتائے بغیر خفیہ طور پر میں اس کی مالیت کا حصہ تمہیں دے دوں گا“ اس پیشکش کو عزیز نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ جو

بھی ہوگا سب کے سامنے ہوگا، یادعلی کا کہنا ہے کہ "پہلے قرض بتا کر اور اب خود کو الگ کہہ کر طفیل اپنے فلیٹ اور کاروباری مال اور وصولی کو بچانا چاہتا ہے، اگر خود کو الگ سمجھتا تھا تو آج تک اس نے، اس کے والد نے، اس کے بھائیوں نے حتی کہ شفیق نے بھی کبھی اس کی وضاحت کیوں نہیں کی؟ وضاحت تو دور اگر میرے وہم وگمان میں بھی آتا کہ وہ خود کو الگ تصور کرتا ہے تو دوسرے لڑکوں کی طرح چندی کے بنیادی کاروبار سے جانے والے اس کے تمام اخراجات فوراً روک کر اس سے وضاحت طلب کرتا اور نہ صرف اس سے؛ بلکہ تمام لڑکوں سے بھی ان کے حساب کتاب منگوا کر سب کو شرعاً الگ کر دیتا؛ کیوں کہ طفیل کوئی خاص نہیں تھا؛ بلکہ تمام لڑکے ایک مانند تھے، اور پھر میں خود یہ کاروبار نہ چھوڑتا، اگر وہ الگ ہوتا تو نہ بٹوارے میں حساب دیتا، نہ اس حساب کے قرض میں مجھ سے میرے حصہ کا مطالبہ پچھلے تین سال سے اب تک کرتا، نہ وہ ہماری دوسری بقیہ جگہوں اور کمپنیوں میں قانونی حصہ دار ہوتا، اور ان کمپنیوں سے اس کے نام کے انکم ٹیکس وغیرہ نہ ادا کئے جاتے، اور نہ ہی امپورٹ والے کاروبار سے خریدی ہوئی جگہ میں میرے کسی لڑکے کا نام ہوتا، اور بٹوارے کے بعد تک بھی وہ ہمارے لیے ہوئے فلیٹ میں بھی نہ رہتا"۔

(۲) یونس کے بمبئی آنے سے پہلے یہاں یادعلی کی جو تین ذاتی جگہیں تھیں وہ بھی اس بٹوارے میں شامل ہوں گی یا نہیں؟

(۳) بقیہ دوسرے کاروبار جو اس بنیادی چندی کے کاروبار ہی کی بدولت اور اسی کی مختلف شاخیں تھیں ان میں یادعلی اور یونس کی کیا حیثیت رہی؟

(۴) شفیق کی شراکت والا امپورٹ کاروبار جس کو طفیل سنبھال رہا تھا، اس کے

مال، وصول اور اس سے خریدے گئے فلیٹ کو کیا طفیل بٹوارے سے الگ رکھنے کا مطالبہ کرسکتا ہے؟ (جب کہ اس نے بٹوارے میں سب کی طرح حساب بھی دیا، اور اس حساب کے قرض میں یادعلی کے حصہ کا تقاضہ اب تک کر رہا تھا)

⑤ امپورٹ والے مشترکہ کاروبار کے قرض کی بابت طفیل نے یادعلی کو آخر تک اندھیرے میں رکھا اور عین بٹوارے کے وقت بتایا، از روئے شرع کیا یہ قرض مانا جائے گا یا نہیں؟ اگر ہو تو کیا اس قرض میں یادعلی بھی حصہ دار ہوں گے؟

⑥ مرحوم یونس کے وارثین میں پانچ لڑکوں کے علاوہ دو لڑکیاں اور ایک بیوہ ہیں، موجودہ بٹوارے میں ان کے حصۂ شرعی کیا ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال کے شروع میں لکھا گیا ہے کہ ''یہ کاروبار، اس میں لگا مکمل سرمایہ اور یہ تین جگہیں یادعلی کی ذاتی ہیں جب کہ یونس کا کوئی سرمایہ نہ لگا تھا'' اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کاروبار میں لگا ہوا مکمل سرمایہ یادعلی کی ملک تھا، جگہیں بھی اسی کی تھیں، اس نے اپنے بھائی یونس کو اپنے جاری وساری کاروبار میں اپنے ساتھ لگا دیا، اور دونوں مل کر کاروبار کرنے لگے، جس وقت اس کاروبار میں یادعلی نے اپنے بھائی یونس کو اپنے ساتھ لگایا کسی کاروبار میں شرکت کے لیے شرعی اعتبار سے جو کارروائی ہونی چاہیے نہیں ہوئی یعنی کوئی نقد سرمایہ دونوں نے اپنی طرف سے نکال کر شروع سے کاروبار میں لگایا ہو ایسا نہیں ہوا؛ نیز جو کاروبار چل رہا تھا یونس کے آنے پر یادعلی نے اس کاروبار کے نصف یا کسی حصے کو الگ کر کے بطریقِ ہبہ یا الگ کئے بغیر بطریقِ بیع یونس کو مالک بنایا ہو ایسی کوئی صورت پیش نہیں آئی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل سرمایہ

اور جگہ اور کاروبار کی ملکیت یادعلی کی ہونے کی وجہ سے وہی اس کا مالک رہا، اور بھائی یونس جو اپنے آپ کو ایک شریک سمجھ کر اس کاروبار میں حصہ لے کر محنت کرتا رہا شرعی اعتبار سے سرمایہ میں ملک نہ ہونے کی وجہ سے اس کو کاروبار میں شریک قرار دینے کی اصول شرع کے مطابق کوئی صورت نہیں، چوں کہ آگے بھی جو کچھ اضافہ ہوا وہ اسی اصلی سرمایہ میں ہوا ہے، اس لیے اس کاروبار سے پیدا شدہ تمام جائدادوں کا مالک یادعلی ہی سمجھا جائے گا، اور یادعلی کی اولاد جن کو کمپنی سے اخراجات دیئے جاتے رہے، اور اپنے باپ کی ماتحتی میں وہ سب کام کرتے رہے ان کی بھی اس میں کوئی ملکیت نہیں؛ بلکہ وہ باپ کے تابع ہونے کی وجہ سے سب کچھ یادعلی ہی کا سمجھا جائے گا، اور یونس کی اولاد جو اپنے باپ کی طرح اس کاروبار کے کام کاج میں جڑتی گئی، ان کی بھی ان جائدادوں میں کوئی ملکیت نہیں ہوگی؛ البتہ یونس نے پہلے دن سے لے کر آج تک اس کاروبار کے اندر جو محنت کی ہے، اس طرح کی محنت کرنے پر جو اجرت مثل ہو سکتی ہے اس کا وہ حق دار ہوگا، اور یہی حکم یونس کی اولاد کی محنت کا بھی ہے کہ ان کو بھی اس طرح کے کام کی جو اجرت مثل ہو سکتی ہے وہ دی جائے گی۔

(۲) اوپر والے جواب میں بتادیا گیا کہ وہ تین جگہیں بھی یادعلی کی ملک ہیں۔

(۳) اس کا جواب بھی اوپر آچکا۔

(۴) امپورٹ والا کاروبار یادعلی نے اپنے بھتیجے شفیق کی شراکت میں شروع کیا؛ کیوں کہ شروع ہی سے دونوں نے اس میں سرمایہ لگایا، اس لیے یہ کاروبار سرمایہ کے مطابق یادعلی اور شفیق کے درمیان مشترک سمجھا جائے گا، اور جن لڑکوں کو یادعلی نے اس کاروبار کو سنبھالنے کے لیے شفیق کے ساتھ لگایا وہ یادعلی کے نمائندے سمجھے جائیں گے،

اور آخر میں طفیل بن یونس یادعلی کی طرف سے اس کاروبار میں نمائندہ رہا، اس لیے جیسا کہ شروع جواب میں بتلایا گیا یہ بھی یادعلی ہی کی ملک ہے۔

⑤ امپورٹ والے مشترکہ کاروبار کے قرض کے متعلق طفیل نے جو دعویٰ کیا وہ محض اس کے کہنے کی بنیاد پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً جب کہ اس کا یہ دعویٰ اس وقت سامنے آیا جب اس سے حساب کا مطالبہ کیا گیا، اور اس سے پہلے ایسے مواقع آئے کہ اگر اس طرح کا کوئی قرض کاروبار میں ہوتا تو عرفاً اس کا تذکرہ ضرور آتا، پھر بھی طفیل نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، اس کا یہ دعویٰ ظاہر کے خلاف ہونے کی وجہ سے بلا شرعی گواہوں کے قابلِ تسلیم نہیں۔

⑥ شروع جواب میں جو تفصیل آ چکی اس کے مطابق یونس کے حصے میں جو کچھ آئے گا اس کو چھیانوے حصوں میں تقسیم کر کے یونس کی بیوہ کو بارہ حصے، اور ہر لڑکی کو سات حصے اور ہر لڑکے کو چودہ حصے دیئے جائیں گے۔

اس جواب کی بنیاد جن فقہی اصولوں پر ہے وہ حسبِ ذیل عبارات میں دیکھے جا سکتے ہیں:

شركة العقد عبارة عن عقد شركة بين اثنين أو اكثر على كونه رأس المال والربح مشتركا بينهم بما أنه قد شرط أن يكون رأس المال والربح مشتركا، فتخرج من التعريف المضاربة التى فيها الربح المشترك ورأس المال غير مشترك، كما أنه تخرج البضاعة التى لم يكن ربحها مشتركا. (الطحطاوی) (درر الحكام المادة: ١٣٤٢، ٣/ ٣٥٧)

وركنها: الايجاب والقبول، وهو أن يقول أحدهما شاركتك فى كذا وكذا، ويقول الآخر قبلت (هدایہ اولین ٦٢٤، درمختار مع الشامی ٤/ ٣٠٥)

وإذا وقع الایجاب والقبول علی وجه المشروع تنعقد الشرکة وتتم (درر الحکام۳ /۳۵۹)

لایصح عقد الشرکة علی الأموال التی لیست معدودة من النقود کالعروض والعقار ای لا یجوز أن یکون هذه رأس المال للشرکة، لا یصح عقد شرکة المفاوضة والعنان علی الأموال التی لیست معدودة من النقود کالعروض والعقار(۳/ ۳۷۵،۳۷٤)

یشترط أن یکون رأس المال من قبیل النقود. (درر الحکام۳ /۳۷۲)

إذا کان المال الذی هو من قبیل العروض والعقار ملکا لأحد فإذا باع نصفه لآخر فلهما أن یعقدا الشرکة علی مالهما المشترک هذا (ردالمحتار، درر الحکام۳ /۳۷۵)

یجب فی شرکة الأموال أن یکون لجمیع الشرکاء رأس المال (۲/ ۳۸٦)

والربح فی الشرکة الفاسدة بقدر المال ولا عبرة بشرط الفضل، قوله الربح الخ حاصله ان الشرکة الفاسدة اما بدون مال أو له مال أو به من الجانبین أو من أحدهما فحکم الاولیٰ ان الربح فیها للعامل کما علمت، والثانیة بقدر المال، ولم یذکر أن لأحد هم اجرا؛ لأنه لا اجر للشریک فی العمل المشترک کما ذکروه فی قفیز الطحان، والثالثة لرب المال وللآخراجر مثله (درمختار مع الشامی٤ /۳۲٦)

(سئل) فی أحد شرکاء العنان إذا ادعی الخسران وکان الظاهر یکذبه فهل لا یقبل قوله؟(الجواب) نعم(العقود الدریه فی تنقیح الفتاوی الحامدیة ۱ /۹۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٦/ رمضان ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مشترکہ دکان سے گھریلو خرچہ

سوال : میرے والد کا انتقال ۲۵/دسمبر ۱۹۹۵ء میں ہوا، تب رمضان کا مہینہ تھا، رمضان کے بعد میں درجۂ مشکوۃ شریف گیا، دوسرے دو بھائی دکان سنبھالتے تھے، اور میں تعلیم حاصل کرتا تھا، میں دکان پر صرف جمعہ کو اور مدرسہ کی تعطیلات میں وقت دیتا تھا، اور کبھی کبھی شام کی چھٹی کے بعد؛ لیکن دورۂ حدیث میں صرف جمعہ اور تعطیلات میں وقت دیا، اور دونوں بھائی مجھے خرچ کے طور پر ماہانہ اٹھارہ سو روپئے اور گھر کا کرایہ ایک ہزار روپئے اور اس کے علاوہ لائٹ بل وغیرہ دیتے تھے، اس طرح دو سال کا وقت گذرا، والد صاحب کے انتقال کے بعد دکان کرایہ کی تھی؛ مگر تقریباً دو لاکھ کا مال تھا، جب والد صاحب کا انتقال ہوا تو کیا ورثہ کی تقسیم کے وقت وہ خرچ جو مجھ پر کیا تھا اس کو میرے حصے سے نفی کیا جائے گا، یعنی کاٹ لیا جائے گا یا نہیں؟ میں سب سے چھوٹا تھا اور والد صاحب نے مجھ کو مولوی کلاس میں ڈالا تھا، والد صاحب کے انتقال کے بعد مجھ کو مدرسہ سے اٹھا لینے کی بہت کوشش کی تھی؛ لیکن میں نے نہیں چھوڑا، اب یہ مسئلہ درپیش ہے؛ لہذا جواب عطا فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آپ نے اپنے سوال میں اس کی وضاحت نہیں فرمائی کہ جو بھائی دکان سنبھالتے تھے ان کے گھریلو مصارف کہاں سے حاصل کئے جاتے تھے، اگر ان کے مصارف بھی دکان کی آمدنی سے وصول کئے جاتے تھے اور آپ کو بھی اسی میں سے دیا جاتا تھا تو اگر چہ دونوں کے مصارف میں کمی بیشی ہو پھر بھی عرف کے پیشِ نظر بوقتِ تقسیم صرف آپ پر کیے

جانے والے مصارف کاٹے نہیں جائیں گے، اور اگر آپس میں یہ فیصلہ ہوا ہو کہ ہر ایک اپنے گھریلو مصارف کے لیے جو رقم دکان سے لے گا وہ بعد میں بوقتِ تقسیم اس کے حساب میں سے وضع ہوگی، تو اس صورت میں صرف آپ ہی کے مصارف نہیں؛ بلکہ ہر ایک کے مصارف اس کے حساب میں وضع کئے جائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تین برادر کی علیحدگی اور کاروبار کے منافع میں شرکت کا مسئلہ

سوال: (۱) ہم تین بھائی ہیں: جنید، عبید اور اسعد، تینوں ساتھ میں تجارت کرتے تھے، جس میں پولیس والوں کی وردی تیار کرنے کا کام اور اس کے علاوہ پولیس والوں کی ضروریات کی تمام چیزیں اور ہوزیری وغیرہ کا کاروبار تھا، جنید دکان پر بیٹھتے تھے اور شہر سے باہر بھروچ وغیرہ جا کر وردی کا آرڈر لاتے تھے، عبید صرف شہر سے باہر جا کر بلساڑ، نوساری، سورت ضلع وغیرہ سے وردی کا آرڈر لاتے تھے، دکان پر وقت نہیں دیتے تھے، اور اسعد صرف دکان سنبھالتے تھے، دریں اثناء ہم تینوں کے الگ ہونے کا ارادہ ہوا، لہذا ۱۵/ فروری کو دکان کے تمام مال کا اسٹاک گن لیا، اور ہم تینوں الگ ہوگئے؛ مگر چیزوں کی اور روپیوں کی تقسیم نہیں ہوئی تھی، ۱۵/ فروری کے بعد جنید اور اسعد نے دکان سنبھالی، دکان ذاتی تھی جس کی قیمت اندازاً پندرہ لاکھ روپئے ہے، اور اس میں تقریباً پونے چار لاکھ کا مال تھا، جس میں سے تقریباً ۵۰/ ہزار روپئے کا مال اور پینتیس ہزار روپئے عبید کے پاس تھے جس کو لے کر انہوں نے ڈھائی مہینہ تجارت جاری رکھی، اور ہم نے بھی دکان پر تجارت جاری رکھی؛ لہذا ایک مئی کو کس بھائی کو کیا ملے گا

اس کا فیصلہ ہو گیا، تو عبید کا کہنا ہے کہ میرے حصہ کی دکان اور مال جس سے تم نے (جنید اور اسعد نے) تجارت کر کے منافع حاصل کیا ہے اس میں میرا بھی حصہ ہے چاہے میں دکان پر نہیں آیا تھا تو ان کو کتنا فیصد منافع دینا ہوگا؟ جواب عنایت فرمائیں۔ ۱۵/ فروری کو الگ ہوتے وقت یہ شرط نہیں ہوئی تھی کہ مجھے منافع دینا ہوگا؛ لہٰذا جواب عطا فرما کر مشکور فرمائیں۔

تعمیری کام میں لگائی گئی رقم کو منافع کے ساتھ وصول کرنا

سوال: ② آج سے تقریباً سات سال قبل ہمارے نئے مکان کا تعمیری کام شروع ہوا تھا، جس میں روپئے گھٹ جانے کی وجہ سے جنید اور عبید دونوں نے ستائیس ستائیس ہزار روپئے نقد دیئے تھے جو دکان پر قرض تھے، یہ ان دونوں کی قربانی تھی، جس کے مقابلے میں میری (اسعد) کی قربانی یہ رہی ہے کہ میں ۴۵۰/ مربع فٹ میں سات سال تک رہا، اور جنید اور عبید دونوں بھائی ۷۰۰/ مربع فٹ میں رہے، ۴۵۰/ مربع فٹ کا کرایہ اندازاً پندرہ سو روپئے ہوگا اور سات سو مربع فٹ کا کرایہ اندازاً دو ہزار دو سو روپئے ہوگا، اب مسئلہ یہ ہے کہ الگ ہونے کے درمیان ستائیس ستائیس ہزار دونوں بھائی کو دکان سے دینے ہیں؛ مگر دونوں کا کہنا ہے کہ ہم کو نفع کے ساتھ وہ روپئے دو جب کہ نفع کی کوئی شرط نہیں ہوئی تھی کیوں کہ تعمیری کام میں روپئے لگائے تھے، لہٰذا آپ مذکورہ دونوں مسئلہ کا جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ تینوں بھائیوں نے الگ ہونے کا جو فیصلہ کیا اس سے آپ حضرات کی

مراد کیا تھی؟ اگر علیحدگی کا مقصد کام کی سہولت تھی یعنی ایک بھائی بیرون کا کام سنبھالے اور اس کی پوری عملی ذمہ داری اسی پر رہے، اور باقی دو بھائی مقامی کام سنبھالیں اور اس کی پوری عملی ذمہ داری دونوں پر رہے، تب تو یہ بٹوارہ صرف کام کا ہے کاروبار کا نہیں، اس صورت میں ہر فریق دوسرے کے منافع میں حصہ دار رہے، اور اگر بٹوارہ کا مقصد کام کی عملی سہولت نہیں؛ بلکہ ہر ایک کا کاروبار الگ رہے یہ تھا تب ایک فریق دوسرے کے منافع میں حصہ دار نہیں ہوگا۔

(۲) جو رقم دونوں بھائیوں نے مکان کی تعمیر میں اپنی طرف سے بطور قرض لگائی، اس کی وصول یابی کا مطالبہ منافع کے ساتھ درست نہیں، وہ تو ایک طرح کا سود ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرحوم والد کے قرض کی ادائیگی پر مکان کی ملکیت کا دعوی

سوال: والد صاحب نے اپنی حیاتی میں ایک مکان صرف ہم دو بھائیوں کے لیے 1992 میں تعمیر کروایا تھا، اس مکان کی تعمیر کے بعد والد صاحب سخت بیمار رہتے تھے، اور صاحبِ فراش ہونے کی وجہ سے دستخط بھی نہیں کر پاتے تھے، اور اس وجہ سے ان کا انگوٹھا لگوانا پڑتا تھا، میں اپنے دو بچوں کے ساتھ اس مکان میں رہتا تھا، اس دوران چھوٹے بھائی کی شادی ہونے پر وہ بھی رات سونے اس مکان آتا تھا، والد صاحب کی اس صورت حال میں میری بڑی بہن جو شادی شدہ ہے، اس نے اور چھوٹے بھائی نے یہ کہنا شروع کیا کہ اس مکان کو تعمیر کرتے وقت والد صاحب کو اسّی

ہزار کا قرض ہوا ہے، اور والد صاحب کی صحت خراب ہے، اس لیے یہ قرض دونوں بھائی ادا کریں، چوں کہ میں والد صاحب کی دکان میں معمولی تنخواہ پر کام کرتا تھا، اس وجہ سے میں نے کہا کہ اتنی رقم فوری طور پر میں کہاں سے لاؤں؟ اس کے بعد پھر بڑی بہن اور چھوٹے بھائی نے یہ بات کہی کہ اگر تم قرض ادا نہیں کرتے تو میں یعنی کہ چھوٹا بھائی قرض ادا کر دیتا ہے تو اس صورت میں مکان اس کا ہو جائے گا، میں نے اس بات پر اعتراض جتایا تو یہ کہا گیا کہ اس مکان کو فروخت کر دیا جائے، اس صورت میں تمہیں مکان خالی کرنا ہوگا، اور میں نے مکان خالی کر دیا، صورتِ حال یہ ہے کہ مکان فروخت نہیں کیا گیا؛ بلکہ ایک خط دیا گیا کہ میں یعنی چھوٹے بھائی نے والد صاحب نے جو مکان ہم دو بھائیوں کے لیے تعمیر کیا تھا اس کا قرض دو ہزار آٹھ سو اَسّی پاؤنڈ یعنی تقریباً (ڈھائی لاکھ روپئے) ادا کر دیے، پہلی صورت میں قرض اَسّی ہزار کہا گیا اور مکان خالی کروایا گیا، اور بعد میں والد کے انتقال کے کافی وقت کے بعد ڈھائی لاکھ کا خط رکھا گیا، ان ساری باتوں میں والد صاحب کا کوئی دخل نہیں رہا، والد صاحب کی میں تقریباً روزانہ ملاقات لیتا تھا؛ مگر والد صاحب نے اس سلسلہ کی کوئی بات نہ تو مجھ سے کہی، اور نہ کسی اور بہن کو کہی، اور والد صاحب نے کبھی مکان کے قرض کی ادائیگی کی یا فروخت کرنے کی بات نہیں کہی۔

کیا اس صورت میں اگر میں قرض ادا کر دوں یا چھوٹا بھائی ادا کر دے تو مکان کا مالک کہلوائے گا؟ اس بات پر شرعی حکم کیا ہے؟

قریباً دو سال ہوئے بڑی بہن بغیر اجازت اس مکان میں رہ رہی ہے، کیا جو مکان دو بھائیوں کے لیے تعمیر کیا ہوا اس مکان میں بڑی بہن کا اس طرح رہنا درست ہے؟

مجھے چھوٹا بھائی مکان پر سے حق چھوڑ دینے کو کہہ رہا ہے، اس کے عوض میں مکان جب تعمیر کیا گیا یعنی آج سے پندرہ سال قبل کی قیمت دینا چاہتا ہے؛ مگر مجھے مکان میں رہنے کا حق چاہیے، جس مقصد کے لیے والد صاحب نے مکان تعمیر کروایا تھا، اس پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس مکان کے متعلق سوال کیا جارہا ہے، اس کے متعلق اتنی بات تو مسلم ہے کہ والد صاحب کی ملکیت ہے، اب اس کی تعمیر میں والد صاحب کو اگر قرضہ ہوا ہے تو اس کی ادائیگی کے متعلق اولاد میں سے کسی ایک کا یہ کہنا کہ اس کو دونوں بھائی ادا کریں صحیح نہیں، ہاں والد صاحب خود اس کی ادائیگی کے لیے بیٹوں سے تعاون کے خواہاں ہوں تو ان کی سعادت ہے کہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس بار سے سبک دوشی میں والد صاحب کا تعاون کریں، اور جو بھی تعاون کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے اس حسنِ سلوک پر دنیا اور آخرت میں بہترین بدلہ عطا فرمائیں گے، اور اگر والد صاحب خود تو تعاون کی کوئی درخواست نہیں کرتے؛ بلکہ اولاد میں سے ایک یعنی صورتِ مسئولہ میں بڑی بہن اگر یہ کہے کہ فلاں بیٹا اگر قرض ادا کردے تو مکان اس کا ہو جائے گا یہ بھی درست نہیں، مکان کی ملکیت والد کی تھی، اس کے متعلق اس طرح کا فیصلہ بھی وہی کر سکتے ہیں، اولاد میں سے کسی کو اپنے طور پر ایسا فیصلہ کرنے کا شرعاً اختیار نہیں، اور اگر ان کے ایسا کہنے پر چھوٹے بیٹے نے قرضہ ادا بھی کردیا تب بھی ایسا کرنے سے وہ اس مکان کا مالک نہیں بنا؛ نیز قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں صرف ایک بیٹے کا اس طرح کی تحریر دے دینا کہ اس کا قرضہ جو اتنی مقدار میں ہے میں نے ادا کردیا شرعی اعتبار

سے ثبوت کے لیے کافی نہیں؛ بلکہ اولاً تو شرعاً اس قرضے کا ثبوت شہادتِ شرعیہ سے ہونا چاہیے، پھر ثانوی درجہ میں اس کی ادائیگی کا ثبوت بھی شہادتِ شرعیہ سے ہونا ضروری ہے، اور یہ دونوں چیزیں ہو بھی جائیں تب بھی قرضہ ادا کرنے والا بیٹا تنہا اس مکان کا مالک نہیں بنتا؛ بلکہ اس مکان اور اس کے علاوہ والد صاحب کا جو بھی ترکہ ہے، اس کے مجموعہ میں سے یہ رقم وضع کی جائے گی اس کے بعد ہی ورثاء میں ترکہ کی تقسیم ہوگی جیسا کہ شریعت کا اصول ہے؛ نیز قرضہ کی ادائیگی کا دعویٰ کرنے والے بھائی کی باتوں میں بھی تضاد ہے؛ نیز اس مکان میں والد صاحب کے تمام ورثاء کا حقِ وراثت ہونے کی وجہ سے تنہا کسی ایک وارث کا اس پر قابض رہنا اور دوسرے ورثاء کو ان کے حقِ وراثت سے محروم رکھنا شرعاً درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ربیع الآخر ۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دواخانوں میں شرکتِ اعمال کی انوکھی ایک صورت

سوال: احمد آباد شہر میں عبد اللہ بھائی کا ایک دواخانہ ہے، وہ دواخانہ مکمل عبد اللہ بھائی چلاتے تھے، پھر انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی شریف بھائی کو دواخانہ میں اجیر کی حیثیت سے رکھا، ایک مدت تک جب ان کے پاس رہ کر کام کرتے رہے تو کام سیکھتے رہے، اور ایک وقت پر شریف بھائی بھی اس لائن سے ماہر ہو گئے؛ چناں چہ عبد اللہ بھائی نے انہیں تنخواہ سے بڑھا کر شریک کی حیثیت پر لے لیا اور جوں جوں عبد اللہ بھائی کے دوسرے مشاغل بڑھتے گئے ویسے ان کا دواخانہ پر پہنچنا کم ہوتا گیا، اور ایک وقت وہ آیا کہ مکمل ذمہ داری شریف بھائی کے حوالے ہو گئی اور عبد اللہ بھائی کا آنا بند ہو گیا؛

نیز شریف بھائی کے علاوہ اور لوگ بھی اس دواخانہ میں کام کرتے تھے جیسے جیسے وہ لوگ سیکھتے گئے اور ماہر بنتے گئے تو ہمت رکھنے والوں کو الگ الگ مقام پر دواخانہ لگا کر سیٹ کئے، گویا یہ تمام دواخانے عبد اللہ بھائی کی وجاہت اور ان کی سرٹی سے شروع ہوئے اور چلے؛ لیکن ان دواخانوں کا شرعی حکم سمجھنے میں الجھن ہے، اس لیے آنجناب کے سامنے ان تمام دواخانوں کی الگ الگ پوزیشن پیش کرتے ہیں، برائے کرام ان کے حکم کی وضاحت فرمائیں گے، اور اگر کسی دواخانے کا حکم ناجائز ہونے کا ہے تو علت ذکر فرما کر اصلاح کا مشورہ بھی عنایت فرمائیں گے۔

(۱) نمبر ایک پر اوپر ذکر کردہ دواخانہ ہے، جس کو شریف بھائی چلا رہے ہیں؛ نیز عبد اللہ بھائی کا ایک بچہ اپنے چچا کے ساتھ کام میں شریک رہتا ہے، اور اگر عبد اللہ بھائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ بھی دواخانہ میں پہنچتے ہیں؛ نیز گھر پر بھی کوئی مریض پہنچے تو وہ عبد اللہ بھائی سنبھالتے ہیں اور پیسے دواخانہ میں دیتے ہیں۔

شریف بھائی کی اس ذمہ داری پر چالیس فیصد حصہ طے کیا اور عبد اللہ بھائی کا ساٹھ فیصد حصہ۔

نوٹ: عبد اللہ بھائی کا حصہ ساٹھ فیصد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دواخانہ کی جگہ ان کی ملک ہے۔

(۲) دوسرے نمبر پر پالڈی کا دواخانہ ہے، اس دواخانے کے کام کی مکمل ذمہ داری ایوب بھائی کی ہے؛ البتہ عبد اللہ بھائی کبھی پالڈی جاوے تو ضرورت محسوس ہونے پر کام بھی کرتے ہیں۔

اس دواخانہ کے مکان کے یہی دو صاحب عبد اللہ بھائی اور ایوب بھائی مالک ہیں،

اسی طرح اس کے نفع، نقصان میں بھی دونوں کا برابر سرابر حصہ ہے۔

نوٹ: ایوب بھائی کا ذاتی اسکوٹر ہے؟ اگر وزٹ کے لیے جاتے ہیں تو ایک کلومیٹر کا ایک روپیہ لیتے ہیں، تو شرکت کی یہ شکل درست ہے یا نہیں؟

③ تیسرے نمبر پر کالو پور کا دواخانہ ہے، اس دواخانہ کے کام کی مکمل ذمہ داری ایوب بھائی کی طرف سے ان کے بھائی عبدالقیوم پر ہے، اور دواخانے کی جملہ ضروریات اوپر ذکر کئے ہوئے پالڈی کے دواخانہ سے بغیر کسی حساب کے پوری کی جاتی ہے، اور دواخانہ کا مکان کرائے کا ہے؛ البتہ رہنے کا مکان ذاتی ہے جس میں دونوں برابر شریک ہیں، اس دواخانہ کے نفع ونقصان میں ۷۰/ فیصد حصہ ایوب بھائی کا ہے اور ۳۰/ فیصد حصہ عبداللہ بھائی کا ہے، تو یہ شرکت صحیح ہے یا نہیں؟

④ چوتھے نمبر پر جمال پور شہر کا دواخانہ ہے، اس دواخانے کے کام کی مکمل ذمہ داری عبدالسلام بھائی کی ہے، اور مہینہ میں ایک دفعہ عبداللہ بھائی بھی جاتے ہیں؛ نیز فوری ضرورت پر بھی عبداللہ بھائی وہاں پہنچتے ہیں، دواخانے کا مکان عبداللہ بھائی اور شریف بھائی کا ہے، حصہ دونوں کا برابر ہے۔

اور دواخانے کے نفع، نقصان میں عبدالسلام بھائی کا ۵۰/ فیصد حصہ ہے، اور ۵۰/ فیصد حصہ دونوں بھائیوں کا ہے۔ (۲۵/ فیصد عبداللہ بھائی کا اور ۲۵/ فیصد شریف بھائی کا) یہ صورت شرکت کی درست ہے یا نہیں؟

⑤ پانچویں نمبر کا دواخانہ گومتی پور کا ہے، اس دواخانہ کی ذمہ داری ہاشم بھائی کی ہے، دواخانہ کے مکان میں ۶۰/ فیصد حصہ شریف بھائی کا ہے اور ۹/ فیصد حصہ ہاشم بھائی کا ہے اور دواخانے کا فرنیچر ہاشم بھائی کا ہے۔

اس کے نفع نقصان میں ۵۰ / فیصد حصہ ہاشم بھائی کا ہے اور ۵۰ / فیصد حصہ شریف بھائی کا ہے، کیا یہ شرکت از روئے شریعت صحیح ہے یا نہیں؟

⑥ ان جملہ دواخانوں کا ایک مشترکہ سوال یہ ہے کہ شریکین میں سے کسی ایک کی وفات پر کیا حکم ہوگا؟ اور یہ شرکتیں اگر صحیح ہیں تو شریکین میں سے کسی کو فسخ کرنے کا اختیار رہے گا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① تا ⑤ شریعت میں شرکت کی ایک قسم شرکتِ اعمال بھی ہے ''جس میں شرکت قائم کرنے والے دواجیر اس بات کی شرکت قائم کرتے ہیں کہ گاہک کی طرف سے جو کام کرنے کو کہا جائے گا اسے وہ قبول کریں گے، اس کا عہد کریں گے، اس کا التزام کریں گے، چاہے اس شرکت میں ان کے حصے مساوی ہوں یا کم و بیش ہوں یعنی چاہے انہوں نے آپس میں برابر کام کرنے کا عہد کرلیا ہو یا ایک ثلث کام ایک سے متعلق اور دو ثلث دوسرے کے ذمہ ہو''۔ (مجلۃ الاحکام العدلیہ ۱۲، ۳۱۳، ۳۱۳)

''منافع کی تقسیم شرکاء میں اس شرط کے مطابق ہوگی جو انہوں نے کرلی ہو، اگر برابر تقسیم کی شرط ہو تو برابر تقسیم کی جائے گی اور اگر کم و بیش مثلاً ایک ثلث، دو ثلث کی شرط ہو تو ویسی ہی تقسیم ہوگی''۔ (ایضاً ۳۱۳، ۳۱۴)

اگر شرط یہ ہو کہ کام تو برابر کریں گے؛ مگر حصہ کی تقسیم کم و بیش ہوگی تو یہ شرط جائز ہوگی۔ (۳۱۴)

دونوں شریک کام کی ذمہ داری میں شریک ہونے کی بناء پر اجرت کے مستحق ہوتے ہیں، اس لیے ایک شریک نے کام کیا اور دوسرا کام نہ کرسکا مثلاً بیمار پڑ گیا یا

کہیں چلا گیا یا آرام یعنی بیٹھ گیا تو منافع اور اجرت ان کی شرطوں کے بموجب ہی تقسیم ہوگی۔(ایضاً)

اگر دو اشخاص شرکتِ اعمال بایں طور پر قائم کریں کہ دکان ایک کی ہو اور آلات واوزار دوسرے کے تو یہ بھی صحیح ہے۔(ایضاً)

اگر دو اشخاص ایسی شرکتِ صنائع قائم کریں کہ دکان ایک کی اور کام دوسرا کرے گا تو یہ بھی صحیح ہے۔(ایضاً)

وأما شركة الأعمال فهى كالخياطين والصباغين أو أحدهما خياط والآخر صباغ أو اسكاف يشتركان من غير مال على أن يتقبلا الأعمال فيكون الكسب بينهما فيجوز ذلك كذا فى المضمرات. (عالمگیری ۲/ ۳۲۸)

وإن شرطا التفاضل فى العمل والأجر بأن قالا على أحدهما الثلثان من العمل وعلى الآخر الثلث والاجر والوضعية بينهما على قدر ذلك فهى شركة عنان. (ایضاً)

وإن عمل أحدهما دون الآخر فالكسب بينهما نصفين سواء كانت عنانا أو مفاوضة، فإن شرط التفاضل فى الربح حال ما تقبلا جاز، وإن كان أحدهما أكثر عملا من الآخر (ایضاً/ ۳۲۹)

وعن أبي يوسف إذا مرض أحد الشريكين أو سافر أو بطل فعمل الآخر كان الأجر بينهما. (ایضاً)

ولو شرطا العمل نصفين والمال اثلاثا جاز استحسانا (ایضاً)

ولو شرطا اكثر الربح لأدناهما عملا فالأصح الجواز.(أیضاً/ ۳۳۰)

قصاران لأحدهما أداة القصارة وللآخر بيت، اشتركا على أن

يعملا بأداة هذا في بيت هذا على أن الكسب بينهما نصفان كان ذلك جائزا، وكذلك الصناعة والخياطون والصباغون؛ لأن الأجرهنا بدل عن العمل لا عن الآلة، وقد صارالعمل مضموناً عليهما فكان بدله لهما وكان أحدهما معينا للآخر بنصف الآلة والآخر معينا له بنصف الدكان (بدائع الصنائع ٦ /٦٤)

عباراتِ منقولہ بالا سے معلوم ہوا کہ سوال ۱ تا ۶ میں دریافت فرمودہ تمام شرکتیں شرعاً درست ہیں۔

⑥ شریکین میں سے کسی ایک کی وفات سے شرکت خود بخود ختم ہوجائے گی، اس لیے کہ اس کا مدار وکالت پر ہے اور موت سے وکالت ختم ہوجاتی ہے۔

وتبطل الشركة بموت أحدهما علم به الشريك أو لا (عالمگیری۲/ ۳۳۵)

شریکین میں جو بھی اس شرکت کو فسخ اور ختم کرنا چاہے کرسکتا ہے؛ البتہ دوسرے شریک کو اطلاع کرنا ضروری ہے۔

ولو لم يمت؛ لكن فسخ أحدهما الشركة ولم يعلم شريكه لا تنفسخ الشركة (ایضاً)

اگر شرکاء تین ہیں، ان میں سے ایک کی وفات ہوئی تو اس متوفی کے حق میں شرکت ختم ہوگئی، جو زندہ ہے ان کے درمیان شرکت باقی ہے۔

ولو كان الشركاء ثلاثة مات واحد منهم حتى انفسخت الشركة في حقه لا تنفسخ في حق الباقين (أیضاً۲/ ۳۳۶،۳۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ

شرکتِ فاسدہ کی ایک صورت

سوال: زید نے عمر کو تیس ہزار روپے دیے، عمر اس سے ایک آٹو رکشا خریدتا ہے اور خالد کو کرایہ پر دیتا ہے، خالد سے وہ روزانہ ۱۰۰/ روپے لیتا ہے اس میں سے عمر ۶۰/ روپے اپنے پاس رکھتا ہے اور ۴۰/ روپیے زید کو دیتا ہے، اس طرح مہینہ میں زید کو ۱۲۰۰/ روپیے ملتے ہیں، کاروبار کی شکل ہے اس کی چند شرطیں ہیں:

① جنوری اور جولائی دو ماہ میں زید کو ۱۲۰۰/ روپیے نہیں ملتے ہیں۔

② اگر بہت زیادہ خرچ ہو تو وہ زید کو رکشا لوٹا دیتا ہے۔

③ اس کے علاوہ جو بھی خرچ ہو وہ عمرو کے ذمہ ہے۔

④ ایک سال تک کا یہ قرار ہوتا ہے، ایک سال کے بعد ہم کو وہ رکشا اگر ہم چاہیں تو مل سکتی ہے؛ البتہ ۳۰۰۰۰/ روپیے نہیں مل سکتے۔

تو کیا یہ کاروبار صحیح ہے؟ اور زید کو ہر ماہ ۱۲۰۰/ روپیے لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

صورتِ مسئولہ میں اگر زید نے عمرو کو تیس ہزار روپیے دے کر زید کے لیے رکشا خریدنے کا وکیل بنایا ہے۔ (جیسا کہ کاروبار کی شرط نمبر ۲ سے معلوم ہوتا ہے) تو اس رکشا کا روزانہ کا جو کرایہ آتا ہے (سو روپیے) اس کا مالک زید ہے، جنوری اور جولائی میں بھی اگر کرایہ کا معاملہ جاری ہے تو اس کرایہ کا مالک زید ہی ہے، اس رکشا کی مرمت اور بقاء میں جو مصارف بھی ہو (چاہے کم یا زیادہ) ان تمام کا ذمہ دار زید ہے، سال کے بعد رکشا جس کنڈیشن میں بھی ہو اس کا مالک زید ہے، عمر کے لیے روزانہ آنے والے

کرایہ میں جو ساٹھ روپے طے ہوئے ہیں وہ درست نہیں؛ بلکہ عام طور پر اجرت پر ایسا کام کرنے والے کو جو اجرت ملتی ہو اتنی اجرت عمر کو ملے گی، بشرطیکہ وہ ساٹھ روپے یومیہ سے زیادہ نہ ہو، خلاصہ یہ ہے کہ یہ کاروبار شرعاً درست اور جائز نہیں؛ بلکہ شرکتِ فاسدہ ہے جس کا ختم کرنا دونوں پر لازم ہے۔

دفع دابته الى رجل يوجرها على ان الاجر بينهما فالشركة فاسدة، والاجر لصاحب الدابة وللآجر اجر مثله، وكذا السفينة والبيت الخ اهـ. (العقودالدرية لتنقيح الفتاوى الحامدية ١ /٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شرکتِ فاسدہ کی ایک صورت

سوال: (١) زید نے عمر و بکر اور خالد کے ساتھ مل کر ایک ہوٹل خریدا، قیمت چاروں نے کم وبیش نکالی، اور زید نے محنت کرنے کی ذمہ داری بھی لی اس طرح کہ اس کو محنت کے اعتبار سے ٢٠ رفی صد شرکت بھی ملے گی، اُس وقت غلط طریقہ یہ چل رہا تھا کہ محنت کرنے والا جب تک مکمل رأس المال کے بہ قدر نفع کما کر ہوٹل کے مالکان کو نہ دے دے، تب تک وہ اپنے نفع کا حق دار نہیں ہوگا اور جب رأس المال مکمل کما چکے تو اب وہ ہوٹل کے رأس المال میں اور نفع میں ٢٠ ر پیسہ کا شریک ہو جائے گا، اگر ہوٹل اس کے بعد بیچا بھی جائے تو جو قیمت آئے گی اس میں ٢٠ رفی صد زید بھی شریک ہوگا، اصل میں بھی اور نفع میں بھی (اگر چہ یہ صورت شرعاً صحیح نہیں ہے)، شرکا نے زید کو اس طرح محنت کا شریک بنایا (جب کہ زید کی کچھ رقم خریدنے میں لگی ہے)، زید نے پانچ سال تک اصل قیمت کے بہ قدر نفع اپنے شرکا کو کما کر دے دیا، تب تک زید نے محنت کے عوض

ایک پیسہ نہیں لیا، جب کہ اس نے شرکا کو یاد دلایا کہ میں شرعاً محنت کرنے کی وجہ سے روزِ اول سے نفع میں شریک ہوں؛ لیکن شرکا نے اس قدیم رواج کا حوالہ دیا، زید نے دوبارہ یہ بات نہیں کہی، توکیا اب زید پانچ سال کے بعد قدیم رواج (غلط) کے مطابق اصل اور نفع دونوں میں ۲۰ ر فی صد کا شریک بن گیا؟ اگر ہوٹل بیچا جائے تو کل قیمت میں سے ۲۰ ر فی صد کا شریک زید محنت کی وجہ سے ہوگا؟ شرکاء تو اسی طرح سمجھ رہے ہیں، نیز زید نے پانچ سال تک ۲۰ ر فی صد نفع نہیں لیا ہے۔

(۲) اصل ہوٹل کے شرکاء میں سے ایک شریک نے محنت کی ذمہ داری لی ہے اور وہ بھی اوپر ذکر کی گئی صورت سے، تو اب پانچ سال کے بعد یہ ایک شریک جو اصل میں بھی شریک ہے اور محنت کا ذمہ دار بھی ہے، وہ خود وہاں پر ۶ ر گھنٹہ حاضری دے کر کام کرتا ہے، توکیا وہ تنخواہ لے سکتا ہے؟ شرکاء محنت کا حصہ بڑھانے پر راضی نہیں ہیں، اگر دوسرا کوئی مینیجر رکھا جائے تو اس کو کافی رقم اور تنخواہ دینی پڑتی ہے، تب جا کر وہ مکمل توجہ دے گا، اور یہ شریک بہ نفسِ نفیس حاضری دے کر ایک ملازم کے بہ قدر کام بھی کرتا ہے اور ذمہ داری بھی سنبھالتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (والربح في الشركة الفاسدة بقدر المال، ولا عبرة بشرط الفضل) (درمختار) (قوله والربح الخ) حاصله أن الشركة الفاسدة إما بدون مال أو به من الجانبين أو من أحدهما فحكم الأولى أن الربح فيها للعامل كما علمت، والثانية بقدر المال، ولم يذكر أن لأحدهم أجرا؛ لأنه لا أجر للشريك في العمل بالمشترك كما ذكروه في قفيز الطحان، والثالثة لرب

المال وللأخر أجر مثله. (شامی ۳/۳۸۳ کوئٹہ)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کو اپنے سرمایہ کے بہ قدر نفع ملے گا، پہلے پانچ سالوں میں بھی اور بعد کے سالوں میں بھی؛ اس لیے کہ یہ شرکت فاسدہ ہے۔

② جیسا کہ اوپر کے جواب میں بتلایا گیا کہ یہ شرکت فاسدہ ہے، اس کا حکم بھی اوپر آچکا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/رجب ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

شرکت فاسدہ کی ایک صورت

سوال: میرے والد صاحب کے ساتھ رہتے ہوئے میں نے ایک ہنر سیکھی۔ سیکھ لینے کے بعد میں نے ایک کارخانہ کی بنیاد ڈالی اس کارخانہ کو چالو کرنے کے لیے کل رأس المال تقریباً بیس ہزار روپئے لگے جس میں سے چار سے پانچ ہزار روپیہ والد صاحب نے کسی سے قرض لیا اور باقی رقم تقریباً ۱۵ سے ۱۶ ہزار بینک سے قرض لیا، تھوڑا عرصہ گذرنے کے بعد میں نے ایک ایسی چیز بنانی شروع کی مگر اس کے لیے ہمارے پاس رقم نہیں تھی تو میں نے ایک مارواڑی سے نفع میں بھاگیدار بنا کر بیس ہزار روپئے لاکر میں نے اسے کارخانہ میں لگائی۔ جب اس مارواڑی نے دیکھا کہ تین چار مہینہ ہوگئے لیکن نفع ہاتھ میں نہیں آرہا ہے تو اس نے اپنے پیسوں کا تقاضہ کیا اور کہا کہ مجھے میرے پیسے واپس دے، دو مجھے تمہارے ساتھ بھاگیداری میں نہیں رہنا ہے۔ اور ہمارے پاس پیسے تو نہیں تھے کہ ہم اس کو اس کی یہ رقم واپس کردیں۔

تو والد صاحب نے ان کے ساڑھو بھائی سے بات کی اور کچھ رقم مانگی تاکہ اس مارواڑی کا قرضہ ادا کردے، لیکن انہوں نے قرض دینے سے پہلے مجھ سے ملنا چاہا اور جب میری میرے خالو سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے پوچھا کہ یہ قرض کیسے ہوگیا؟ اور کارخانہ کی ابھی کیا نوعیت ہے تو میں نے مارواڑی والی ساری باتیں بتائیں اور کارخانہ کی نوعیت کے بارے میں بتایا کہ جو میں نے لائن شروع کی ہے اس کا مستقبل بہتر لگ رہا ہے، تو انہوں نے والد صاحب سے کہا کہ جو رقم تم مجھ سے قرض مانگ رہے ہو اگر رقم تم کو مل جائے تو تمہارا انظام ہوجائے گا تو میں نے کہا نہیں وہ رقم تو مارواڑی کو ادا کرنی پڑے گی اور کارخانہ کو آگے چلانے کے لیے اور بھی رقم کی ضرورت پڑے گی۔ تو میں نے ان کو کارخانہ کو چلانے کے لیے جو رقم بتائی تو انہوں نے کہا اگر یہ رقم بھی تم کو مل جائے تو آگے چل کر تم کو کارخانہ چلانے کے لیے کی کوئی تکلیف ہوگی؟ کیوں کہ اس کارخانہ کو آگے بڑھانے کے لیے بہت زیادہ رقم کی ضرورت پڑے گی تو تم کیوں نہیں کسی کو اپنا بھگیدار بنا لیتے۔ تب والد صاحب نے کہا ایسی حالت میں کون بھاگیدار بنے گا جب کہ کارخانہ کی حالت نازک ہے۔ تو ہمارے والد صاحب کے ساڑھو بھائی نے کہا کہ آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں آپ کے ساتھ بھاگیداری کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تو ہم سے بھاگیداری کرنے کی بات منظور کرلی اور کارخانہ کا حساب کتاب کرنے کے بعد مشین اور جو سامان تھا سب کی قیمت تقریباً پچیس سے چالیس ہزار روپیہ ہوئی اور اسی قیمت پر کارخانہ خرید لیا اور بینک اور مارواڑی کا جو قرضہ تھا وہ ادا کرنے کی ذمہ داری انہوں نے لے لی۔ اور انہوں نے مارواڑی کو بلا کر کہہ دیا کہ کارخانہ کو میں نے خرید لیا ہے، اور تمہارے پیسے ادا کرنے کی ذمہ داری میری ہے۔ اور اس کو تین چار مہینہ کے اندر

پیسے واپس دینے کا وعدہ کیا اور بینک کے تین چار مہینہ کے ہفتے پیسے نہ ہونے کی وجہ سے بھر نہیں سکے تھے وہ انہوں نے بھر دیے۔ اور باقی کی رقم انہوں نے اس کے وقت کے مطابق بھرنے کی ذمہ داری اٹھالی۔ اور اب میری اور میرے والد صاحب کی ذمہ داری مارواڑی اور بینک کے قرضہ سے ختم ہوگئی۔ اور ہم کو اس قرض سے نجات مل گئی۔ اب اس کارخانہ میں جو حصہ داری کی گئی وہ میری محنت اور ان کی رقم اور حصہ داری آدھی آدھی طے ہوئی۔ میں محنت کا مکلف اور وہ رقم لگانے کے اب تک میں والد صاحب کے ساتھ رہتا تھا اور میری عمر ۲۲ سال کی تھی اور میری شادی نہیں ہوئی تھی۔ بھاگیداری کرنے کے بعد میں اس کارخانہ میں لگ گیا اور والد صاحب جو ٹیکسی چلانے کے کاروبار میں لگے ہوئے تھے اس میں لگ گئے۔ والد صاحب کو کارخانہ کے بارے میں کوئی تجربہ تھا نہ انہوں نے کوئی محنت کی، بھاگیداری کرنے سے لے کر شادی کرنے تک میں میرے خالو کے جو میرے والد صاحب کے ساڑھو بھائی کے ساتھ رہتا تھا انہیں کے گھر پر کھانا پینا کرتا تھا۔ جب میری شادی ہوئی تو شادی کا قرضہ اسی کارخانہ سے اٹھا کر کیا گیا۔ چوں کہ والد صاحب جو ٹیکسی چلاتے تھے اس میں سے اتنی آمدنی نہیں ہوئی تھی۔ اور جب بھی گھر میں ان کو پیسوں کی ضرورت پڑتی تھی تو بہ طور قرض ساڑھو بھائی سے لے جاتے تھے۔ بھاگیداری کر کے سات آٹھ مہینہ کے بعد کام کرنے والوں کی بدمعاشی کی وجہ سے کارخانہ میں کچھ نقصان ہوا۔ اب کارخانہ کو آگے چلانے کے لیے ہمارے خالو کے پاس بھی پیسے نہیں تھے۔ تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم دونوں اپنے اپنے حصہ میں سے پانچ پانچ پیسا کم کر کے دس پیسا حصہ بیچ دیوے۔ اور جو رقم آئے اس سے کارخانہ کو آگے بڑھائے۔ جس کے لیے میں تیار ہوا تو انہوں نے شرط لگائی کہ اس

بات کا کسی سے بھی اظہار نہ کرنا۔ جب تک میں نہ کہوں خفیہ رکھنا۔ اس بات کو جاننے والا میں میرے خالو جس کو حصہ دیا گیا وہ۔ اس کے بعد کارخانہ میں ترقی ہونے لگی۔ اور تقریباً ڈھائی تین سال کے بعد جب اتنا منافع ہو گیا جو انہوں نے لگایا تھا تو انہوں نے وہ رقم نکال لی اور جب میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنی لگائی رقم کارخانہ میں نکال رہیں ہیں وہ میری سمجھ میں نہیں آتا کیوں کہ میری محنت برقرار رہی اور آپ کی رقم نکل گئی جب کہ مجھے اس عرصہ کے اندر نہ تنخواہ ملی اور نہ کوئی معاوضہ۔ تو انہوں نے مجھے ایک ہزار روپیہ مہینہ کے حساب سے تنخواہ دیا جو تقریباً تیس پینتیس ہزار روپئے ہوتی ہے۔ جس کو انہوں نے اس عرصہ میں جو والد صاحب نے قرض اٹھایا تھا وہ کاٹ لیا۔ اس کارخانہ میں دو حصہ دار وہ تھے جنہوں نے رقم لگائی تھی اور اس میں دس دس پیسہ کے حصہ دار تھے۔ مگر وہ کارخانہ کے کسی بھی کام میں حصہ نہیں لیتے تھے۔ اور نہ وہ محنت کرتے تھے۔ میں اور خالو دونوں اس کارخانہ کو سنبھالتے تھے۔ ہم دونوں نے مل کر یہ طے کیا کہ ہم اس کارخانہ سے ماہانہ بہ طور تنخواہ لیتے رہیں گے۔ کیوں کہ ہم دونوں محنت کرتے تھے اور کوئی حصہ دار محنت نہیں کرتا تھا۔ اس وقت جو اس کارخانہ کا اگریمنٹ بنایا تھا اس میں آدھا حصہ میرے نام پر تھا اور آدھا میرے خالو کے نام پر تھا۔ دوسرے کسی بھی بھاگیدار کا نام اگریمنٹ میں نہیں تھا۔ جب کارکانہ میں منافع بڑھنے لگا تو ٹیکس بچانے کی خاطر ہم نے اگریمنٹ میں بیس پیسا حصہ والد صاحب کے نام اور بیس پیسا حصہ ہمارے خالو کے لڑکے کے نام پر لکھوایا۔ اگریمنٹ بنانے کا منشا صرف ٹیکس بچانے کے لیے تھا اب اس مسئلہ کے بارے میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ اس کارکانہ میں حصہ دار کون ہوگا میں یا میرے والد صاحب؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آپ کا جو معاملہ آپ کے خالو کے ساتھ ہوا ہے وہ شرعی اعتبار سے نہ تو شرکت ہے اور نہ ہی مضاربت۔ اس لیے کہ شرکت و مضاربت دونوں میں رأس المال (سرمایہ) کا نقد ہونا شرط ہے چناں چہ شرکت و مضاربت ایسے اموال پر نہیں ہوسکتی جن کا شمار نقد میں نہیں ہے۔

ولا تصح مفاوضة و عنان بغير النقدين والفلوس النافقة والتبر والنقرة إن جرى التعامل بهما (در مختار) قوله بغير النقدين فلاتصحان بالعرض ولا بالمكيل و الموزون الخ (شامی ۳/ ۳۷۳) وشرطها(ای المضاربة) كون رأس المال من الاثمان كما مر فی الشركة (درمختار علی هامش الشامی ٤/ ٥٣٩)

کارخانہ جب آپ کے خالو نے خرید لیا تو اس کے مالک وہی ہیں۔ کارخانہ کی ملکیت پر آپ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس کارخانہ کو چلانے کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی۔ اور آپ نے اس کو قبول فرمایا تو آپ اجیر ہوئے۔ اب اس کی آمدنی میں آپ کا آدھا حصہ آپ کے لیے مقرر ہوا تو چوں کہ یہ اجرت مجہول ہونے کے ساتھ ساتھ اجیر کے عمل سے پیدا شدہ ہے اس لیے یہ عقد اجارہ بھی شرعاً فاسد ہوا۔

والاجرة فی الاجارات معتبرة بالثمن فی البياعات لان كل واحد من العقدين معاوضة المال بالمال فما يصلح ثمنا فی البياعات يصلح اجرة فی الاجارات وما لا فلا وهو ان تكون الاجرة مالا متقوما معلوما (بدائع الصنائع ٤/ ١٩٣) ومنها ان لا ينتفع الاجير بماله فان كان ينتفع به لم يجز الخ. (بدائع ٤/ ١٩٢)

اجارہ فاسدہ کا حکم یہ ہے کہ اجیر کو اجرت مثل دی جاتی ہے اس لیے صورت

مسئولہ میں آپ کو بھی آپ کے کام (کارخانہ چلانے سنبھالنے وغیرہ) کا معاوضہ اتنا ملے گا جتنا عام طور پر ایسے کام کا دیا جاتا ہے۔

وحكم الاول وهو الفاسد وجوب اجر المثل (در مختار) (قوله وجوب اجر المثل) اى اجر شخص مماثل له فى ذلك العمل والاعتبار فيه لزمان الاستيجار ومكانه من جنس الدراهم والدنانير الخ (شامی ٥/٣١)

خالو صاحب نے آپ کو جو تنخواہ دی وہ اگر اتنی تھی جو عام طور پر اس کام کے لیے ہوا کرتی ہے تو اتنی مدت کی اجرت مثل تو آپ حاصل کر چکے البتہ اس کے بعد سے لے کر اب تک یا جب تک کام کیا وہاں تک کی اسی طرح یعنی عام طور پر اس کام کے لیے جو ہوا کرتی ہے آپ لینے کے حق دار ہیں باقی کارخانہ میں حصہ دار نہ تو آپ ہیں اور نہ آپ کے والد صاحب بلکہ اس کی ملکیت خالو صاحب کی ہے البتہ بعد میں جن لوگوں نے رقم دے کر کارخانہ کا کوئی حصہ خریدا ہے اتنے حق کے وہ لوگ مالک ہیں (كما هو ظاهر) آپ کا یہ معاملہ شروع ہی سے اصول واحکام شریعت کے خلاف چلتا رہا اور درمیان میں بھی یہی صورت پیش آئی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ کوئی بھی کاروبار شروع کرنے سے پہلے ہی اس کا حکم شرعی معلوم کر لے تا کہ شریعت کی خلاف ورزی کا مرتکب نہ ہونا پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ جمادی الاخری ۱۴۱۴ھ

ہوٹل چلانے کی شرائط میں شرکت، مضاربت اور اجارہ کے امکانات

سوال: (۱) زید ایک زمین ایک ہزار روپئے میں خریدتا ہے، اس پر پانچ ہزار خرچ کر کے ایک ہوٹل تیار کرتا ہے اور بکر کو حسبِ ذیل شرائط پر چلانے کے لیے دیتا ہے:

شرط نمبر(۱): تم کو اس ہوٹل کے چلانے کے عوض ہوٹل کی ملک اور منافع میں ایک چوتھائی حصہ کا شریک بنایا جاتا ہے۔

شرط نمبر(۲): تمھارے حصہ کا نفع ہماری کل لاگت، یعنی زمین کی قیمت اور اوپر کی لاگت وصول ہونے کے بعد دیا جائے گا۔

شرط نمبر(۳): اس حصہ کے علاوہ تم کو ہر ماہ دوسو روپئے تنخواہ ملے گی جو ہماری رقم وصول ہونے کے بعد تم کو ملتی رہے گی۔

شرط نمبر(۴): اگر ہوٹل میں نقصان آیا تو اس نقصان میں بھی تم اپنے حصہ کے بقدر آج سے ہی شریک ہوں گے۔

(الف): سوال طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کا معاملہ شرعاً درست ہے؟ بالفرض اگر صحیح نہیں تو کس علت کی بنیاد پر تا کہ اس علت کو دور کرنے کی کوشش کر کے صحیح کیا جا سکے۔

(ب): بکر کے لیے حصہ اور تنخواہ دونوں لینا صحیح ہے؟

②: زید نے عمارت کرایہ پر لے کر پانچ ہزار کی رقم لگا کر ایک ہوٹل بنایا اور بکر کو حسبِ ذیل شرائط پر چلانے کے لیے دیا:

شرط نمبر(۱): تم کو اس ہوٹل کے چلانے کے عوض ہوٹل کی ملک اور منافع میں ایک چوتھائی حصہ کا شریک بنایا جاتا ہے۔

شرط نمبر(۲): آج سے ہی تم ہوٹل کے نفع نقصان دونوں میں شریک ہو۔

شرط نمبر(۳): اس حصہ کے علاوہ تم کو ہر ماہ دوسو روپئے تنخواہ ملے گی جو ہماری رقم وصول ہونے کے بعد بھی تم کو ملتی رہے گی۔

شرط نمبر(۴): تمہارے حصہ کا نفع جس کے تم پہلے ہی روز سے شریک ہو، ہماری

کل لاگت یعنی زمین کی قیمت اور اوپر کی لاگت وصول ہونے کے بعد تم کو دیا جائے گا۔

(الف): سوال طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کا معاملہ شرعاً درست ہے؟ بالفرض اگر صحیح نہیں ہے تو کس علت کی بنیاد پر تا کہ اس علت کے دور کرنے کی کوشش کر کے صحیح کیا جا سکے۔

(ب): بکر کے لیے حصہ اور تنخواہ دونوں لینا صحیح ہے؟

③ ایک سات منزلہ عمارت ہے جس کی ہر منزل کا مالک الگ ہے؛ البتہ زمین تمام منزل والوں کی مشترک ہے جس کو آج کی اصطلاح میں پاٹنر شپ کہتے ہیں، زید نے اس میں پورا گراؤنڈ فلور یعنی زمین والی عمارت پانچ ہزار میں خرید لی، اور اس پر پانچ ہزار روپئے خرچ کر کے ہوٹل تیار کیا، اور بکر کو حسبِ ذیل شرائط پر چلانے کے لیے دیتا ہے:

شرط نمبر (۱): تم کو اس ہوٹل چلانے کے عوض ہوٹل کی ملک اور منافع میں ایک چوتھائی حصہ کا شریک بنایا جاتا ہے۔

شرط نمبر (۲): تمہارے حصہ کا نفع ہماری کل لاگت یعنی زمین کی قیمت اور اوپر کی لاگت وصول ہونے کے بعد دیا جائے گا۔

شرط نمبر (۳): اس حصہ کے علاوہ تم کو ہر ماہ دوسو روپئے تنخواہ ملے گی جو ہماری رقم وصول ہونے کے بعد بھی تم کو ملتی رہے گی۔

شرط نمبر (۴): اگر ہوٹل میں نقصان آیا تو اس نقصان میں بھی تم اپنے حصہ کے بقدر آج سے ہی شریک ہوں گے۔

(الف): سوال طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کا معاملہ شرعاً درست ہے؟ بالفرض اگر صحیح نہیں ہے تو کس علت کی بنیاد پر تا کہ اس علت کو دور کرنے کی کوشش

کر کے صحیح کیا جاسکے۔

(ب): بکر کے لیے حصہ اور تنخواہ دونوں لینا صحیح ہے؟

دار الافتاء مدرسہ عربیہ دار العلوم چھاپی، ضلع: بناس کانٹھا، شمالی گجرات

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① صورتِ مسئولہ میں اولاً یہ طے ہونا چاہیے کہ ہوٹل کے مالک زید نے ہوٹل چلانے والے بکر کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے شرعاً اس کو کیا حیثیت دی جائے، اس نوع کے معاملات کو شرکت، مضاربت یا اجارہ میں سے کسی ایک صورت پر محمول کرنے کے امکانات پر غور کیا جاسکتا ہے، ہم ہر صورت پر الگ الگ کلام کریں گے۔

پہلی صورت شرکت کی ہے؛ چناں چہ اربابِ معاملہ بھی اس کو یہی عنوان دے رہے ہیں؛ لیکن شرعی حیثیت سے اس معاملہ کو شرکت قرار دینے میں کئی محذورات لازم آتے ہیں: شرکتِ عقود میں رأس المال کا از قبیلِ اثمان ہونا ضروری ہے۔ چناں چہ شرکت کے شرائط جواز پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابو بکر کاسانی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

منها: ان يكون رأس المال من الاثمان المطلقة، وهي التي لا تتعين بالتعيين في المفاوضات على كل حال، وهي الدراهم والدنانير عنانا كانت الشركة او مفاوضة عند عامة العلماء، فلا تصح الشركة فى العروض.

(بدائع الصنائع ٦/ ٥٩)

''درمختار'' میں ہے: (ولا تصح مفاوضة وعنان) ذكر فيهما المال والا فهما تقبل ووجوه (بغير النقدين والفلوس النافقة والتبر والنقرة) اي ذهب وفضة لم يضربا (ان جرى) مجرى النقود (التعامل بهما) والا فكعروض (وصحت بعرض) هو المتاع غير النقدين ويحرك قاموس

(ان باع کل منهما نصف عرضه بنصف عرض الآخر ثم عقداها) مفاوضة او عنانا، وهذه حيلة لصحتها بالعروض وهذا ان تساويا قيمة وان تفاوتاباع صاحب الاقل بقدر ما تثبت به الشركة ابن كمال فقوله بنصف عرض الآخر اتفاقی. (درمختار ۳/ ۳۷۲)

(قوله بغير النقدين) فلا تصحان بالعرض ولا بالمكيل والموزون والعدد المتقارب قبل الخلط بجنسه، واما بعده فكذلك فی ظاهر الرواية فيكون المخلوط شركة ملك وهو قول الثانی، وقال محمد شركة عقد واثر الخلاف يظهر فی استحقاق المشروط من الربح، واجمعوا انها عند اختلاف الجنس لا تنعقد نهر (شامی ۳ /۳۷۲)

صورت مسئولہ میں ہوٹل کا مکان اور دیگر تمام ساز وسامان از قبیلِ اعیان ہے؛ اس لیے مالک کے ساتھ چلانے والے کا معاملہ شرکتِ عقد کا نہیں ہوتا؛ نیز ہوٹل چلانے والے کی طرف سے بطور رأس المال (اثمان کے علاوہ بھی) کوئی چیز پیش نہیں کی گئی کہ ہم بطورِ حیلہ بھی شرکت تجویز کرسکیں، پہلی شرط کے مطابق ہوٹل کے مالک کا صرف کہہ دینا کہ: اس ہوٹل کو چلانے کے عوض ہم ہوٹل کی ملک میں تمہیں شریک کر لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ صرف اتنا کہہ دینے سے بکر ہوٹل کی ملک میں شریک نہیں بن جاتا؛ اس لیے کہ ملک کے لیے سبب ملک کا ہونا ضروری ہے، یہاں سبب ملک کیا ہے؟ بیع تو ہے نہیں؛ اس لیے کہ بکر نے کوئی ثمن لینا اپنے ذمہ منظور نہیں کیا ہے اور ایجاب وقبول بھی پایا نہیں گیا، ہبہ بھی نہیں کہہ سکتے؛ اس لیے کہ اس صورت میں ہبۃ المشاع لازم آتا ہے جو درست نہیں، ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہوٹل چلانے کی محنت کا عوض ہے، تو گویا یہ اجرت ہوئی، تو اگرچہ ہوٹل کا ایک ربع اجرت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

كل مايصلح ثمنا اي بدلا فى البيع صلح اجرة لانها ثمن المنفعة (درمختار)(قوله بدلا فى البيع) فدخل فيه الاعيان فانها تصلح بدلا فى المقايضة فتصلح اجرة (شامی ۵/ ۳)

لیکن ہم نے اس معاملہ کو شرکت مانا ہے اجارہ نہیں، دوسری شرط میں ہوٹل چلانے والے کے حصۂ نفع کو زمین کی قیمت اور اوپر کی لاگت وصول ہونے کے بعد دینا قرار پایا ہے، اگر ہم اس کو شریک مانتے ہیں تو جب سے منافع شروع ہوں اسی وقت سے حصہ بھی ملنا چاہیے جیسا کہ چوتھی شرط میں نقصان میں اول روز سے شریک قرار دیا ہے۔ تیسری شرط میں اس کے لیے تنخواہ تجویز کی گئی ہے، یہ بھی عقد شرکت کے منافی شرط ہے۔

(وتفسد باشتراط دراهم مسماة من الربح لاحدهما) لقطع الشركة كما مر(درمختار على هامش الشامی ۳ /۳۷۶)

نیز بحیثیت شریک کے وہ بھی مالک ہے اور اس کے لیے تنخواہ تجویز کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی آدمی مستاجر بھی ہے، اور اجیر بھی، حالاں کہ وہ جس چیز پر محنت کر رہا ہے اس میں اس کی بھی ملک ہے، تو اس کے لیے اجرت لینا جائز نہیں۔ ”ہدایہ“ میں ہے:

واذا كان الطعام بين رجلين فاستاجر احدهما صاحبه او حمار صاحبه على ان يحمل نصيبه فحمل الطعام كله فلا اجر له ولان مامن جزء يحمله الا وهو شريك فيه فيكون عاملا لنفسه فلا يتحقق التسليم. (ہدایہ ۳/ ۳۰۷)

دوسری صورت مضاربت کی ہے تو اس میں بھی رأس المال کا از قبیل اثمان ہونا ضروری ہے جو صورت مسئولہ میں نہیں ہے۔

واما الذي يرجع الى رأس المال فانواع: (منها) ان يكون رأس المال

من الدراهم أو الدنانير عند عامة العلماء فلا تجوز المضاربة بالعروض.
(بدائع الصنائع ٦/ ٨٢ كتاب المضاربة)

(وشرطها) امور سبعة: (كون رأس المال من الاثمان) كما مر فى الشركة (درمختار) (قوله من الاثمان) اي الدراهم والدنانير، فلو من العروض فباعها مضاربة نقودا انقلبت مضاربة واستحق المشروط كما فى الجواهر.
(شامى ٤/ ٥٣٩)

البتہ اگر مالک نے چلانے والے سے یہ کہا کہ موجودہ سامان کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے تجارت کرو تو اس کو مضاربت پر محمول کرنا درست ہوگا؛ لیکن اس صورت میں بھی ہوٹل کی ملک راس المال میں تو نہیں ہے؛ مگر منافع میں ایک چوتھائی کی شرکت کی شرط کی جاسکتی ہے، راس المال میں شرکت کو مشروط قرار دینے سے مضاربت فاسد ہوجاتی ہے۔

وفى المتن ايماء الى ان المشروط للمضارب انما يكون من الربح حتى لو شرط من راس المال او منه ومن الربح فسدت كما فى الخزانة وعليه تعريف المضاربة (تكمله شامى ٢/ ٢٢٣)

اور جس وقت سے منافع کا تحقق ہوگا اسی وقت سے ایک چوتھائی اس کو ملے گا اور چوتھی شرط کے مطابق اس پر نقصان کی ذمہ داری عائد نہیں کی جاسکتی؛ اس لیے کہ عقدِ مضاربت میں نقصان اولاً منافع پر اور پھر راس المال پر عائد ہوتا ہے۔

''درمختار'' میں ہے: وماهلك من مال المضاربة يصرف الى الربح لانه تبع فان زاد الهالك على الربح لم يضمن ولو فاسدة من عمله لانه امين (در مختار) (قوله لانه امين) علة لعدم الضمان، ويقبل قوله فى الهلاك وان لم يعلم ذلك كما يقبل فى الوديعة فتح (تكملة الشامى ٢/ ٢٤٣)

نیز تیسری شرط کے مطابق چلانے والے کے لیے ماہانہ دوسو روپیہ کی تنخواہ تجویز کرنا درست نہیں ہے، اس کا حصہ منافع میں چوتھائی سے زیادہ رکھ سکتے ہیں۔

وفی البحر: الرابع: ان یکون الربح بینهما شائعا کالنصف والثلث لا سهما معینا یقطع الشرکة، کمائة درهم او مع النصف عشرة اه ط ای لاحتمال ان لا یحصل من الربح الا مقدار ما شرط له واذا انتفى الشرکة فی الربح لا تتحقق المضاربة لانها جوزت بخلاف القیاس بالنص بطریق الشرکة فی الربح فیقتصر علی مورد النص. (تکملة الشامی ۲/ ۲۲۳،۲۲۲)

تیسری صورت اجارہ کی ہے، صورتِ مسئولہ میں اس پر محمول کرنے کی گنجائش بھی نہیں ہے؛ اس لیے کہ اجارہ میں ایسی چیز کو اجرت کے طور پر مقرر کرنا جو اجیر کے عمل سے وجود میں آتی ہو درست نہیں ہے، قفیز طحان والی صورت ہو جاتی ہے۔

''ہدایہ'' میں ہے: (ومن دفع الی حائك غزلا لینسجه بالنصف فله اجر مثله وکذا اذا استاجر حمارا یحمل طعاما بقفیز منه فالاجارة فاسدة) لانه جعل الاجر بعض ما یخرج من عمله فیصیر فی معنی قفیز الطحان، وقد نهی النبی ﷺ عنه وهو ان یستاجر ثورا لیطحن له حنطة بقفیز من دقیقه وهذا اصل کبیر یعرف به فساد کثیر من الاجارات لا سیما فی دیارنا، والمعنی فیه ان المستاجر عاجز عن تسلیم الاجر وهو بعض المنسوج او المحمول اذ حصوله بفعل الاجیر فلا یعد هو قادراً بقدرة غیره (هدایه باب الاجارة الفاسدة ۳/۳۰۵، تکملة فتح القدیر ۹ /۱۰۹،۱۰۸)

چوں کہ صورتِ مسئولہ میں منافع جو چلانے والے کے عمل سے پیدا ہوتے ہیں اس کے چوتھائی کو اجرت ٹھہرایا گیا ہے جو قفیز طحان کے حکم میں ہے؛ نیز اجارہ میں

اجیر کو اجرت کا استحقاق حاصل ہونے کی بنیاد عمل وتسلیم نفس پر ہے، مالک کو اپنے ہوٹل میں نفع ہو یا نقصان اور ہوٹل میں تجارتی نقصان کی ذمہ داری بھی اس پر نہیں ڈالی جاسکتی؛ اس لیے یہ معاملہ شرعاً درست نہیں ہے دونوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اس معاملہ کو ختم کر کے اس سے باز آجائیں۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ بکر کے لیے حصہ منافع اور تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ تو مندرجۂ بالا تفصیل سے یہ بھی واضح ہو چکا کہ جب یہ معاملہ شرعاً درست نہیں ہوا تو منافع میں حصہ لینے کی گنجائش نہیں رہی؛ اس لیے کہ منافع میں حصہ ملنا موقوف ہے شرکت یا مضاربت کے صحیح ہونے پر، اور صورتِ مسئولہ میں دونوں میں سے کوئی صورت درست نہیں بنتی۔

چناں چہ شرکت کے متعلق درمختار میں ہے:(والربح فی الشرکة الفاسدة بقدر المال، ولا عبرة بشرط الفضل) فلو كل المال لاحدهما فللآخر اجر مثله كما لو دفع دابته لرجل ليؤجرها والاجر بينهما فالشركة فاسدة والربح للمالك وللآخر اجر مثله(درمختار)

(قوله والربح الخ) حاصل ان الشركة الفاسدة اما بدون مال او به من الجانبين او من احدهما، فحكم الاولىٰ ان الربح فيها للعامل كما علمت، والثانية بقدر المال ولم يذكر ان لاحدهم اجرا لانه لا اجر للشريك فی العمل بالمشترك كما ذكروه فی قفيز الطحان، والثالثة لرب المال وللآخر اجر مثله (قوله فالشركة فاسدة) لانه فی معنی بع منافع دابتی ليكون الاجر بيننا فيكون كله لصاحب الدابة لان العاقد عقد العقد علی ملك صاحبه بامره وللعاقد اجرة مثله لانه لم يرض ان يعمل مجانا فتح (شامی ۳/ ۳۸۳)

مضاربت کے متعلق درمختار میں اوتکملہ شامی میں ہے:(وکون الربح بینهما شائعا) فلو عین قدراً فسدت (وکون نصیب کل منهما معلوماً) عند العقد ومن شرطها کون نصیب المضارب من الربح حتی لو شرط له من راس المال او منه و من الربح فسدت. (درمختار)

(فلوعین قدراً فسدت) لقطعه الشرکة فی الربح واذا فسدت فله اجر مثله لا یجاوز عن المشروط عند ابی یوسف لرضاه به اذا کان المسمی معلوماً، اما لوکان مجهولا کماهنا او لم یوجد ربح لا یقال رضی بالقدر المشروط زیادة عن حصته من الربح لانه لم یرض بها الا مع نصف الربح وهو معدوم فالمسمی غیر معلوم فیجب اجر المثل بالغاً ما بلغ، وقد یجاب بان هذا العقد لما کان فاسدا کان ما سمی فیه محظورا فقطع النظر عما هو موجب المضاربة وعول علی ماعین معه علی انه اجر مثل فی اجارة لاموجب مضاربة الخ (تکملة الشامی ۲/ ۲۲۳)

اس لیے صورتِ مسئولہ میں بکر ہر حال میں اجرتِ مثل کا حق دار ہے۔

② ③ جواب نمبر ا میں جو تفصیل مذکور ہوئی ہے وہی حکم یہاں بھی ہے، عمارت کرایہ پر لی ہو یا سات منزلہ عمارت کا گراؤنڈ فلور خریدا ہو اس سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سوال: ④ زید نے ایک زمین ہوٹل کے لیے خرید کی یا کرایہ پر لی اور اپنے تخمینہ سے اس کو پچاس ہزار کی شمار کر کے اس میں حسبِ ذیل شرائط کے ساتھ حصہ دار بنائے:

شرط نمبر(۱): ہوٹل کا نظام میں خود سنبھالوں گا۔

شرط نمبر(۲): اس نظام کے سنبھالنے کے عوض ماہانہ دو سو روپیہ/ ۲۰۰ تنخواہ لوں گا۔

شرط نمبر(۳): تنخواہ کے علاوہ سنبھالنے کے عوض میں آج ہی سے اس کی ملک وکاروبار میں ایک چوتھائی نفع نقصان کا حصہ دار رہوں گا۔

شرط نمبر(۴): اس چوتھائی حصہ کے منافع پچاس ہزار لاگت وصول ہونے کے بعد لوں گا۔

نوٹ: پچاس ہزار تخمینہ سے کم میں ہوٹل تیار ہونے پر بقیہ رقم حصہ داروں کو حسبِ حصہ واپس کردی جاتی اور پچاس ہزار سے زائد لگنے پر حصہ داروں سے حسبِ حصہ مزید رقم لی جاتی ہے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ:

(الف) اس طرح کاروبار کرنا صحیح ہے؟ بالفرض اگر صحیح نہیں ہے تو کس علت کی بنیاد پر؟ تاکہ اس علت کو دور کرنے کی کوشش کرکے صحیح کیا جاسکے۔

(ب): زید کے لیے تنخواہ اور حصہ دونوں بیک وقت لینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

④ صورت مسئولہ میں ابھی تک ہوٹل تیار نہیں ہوا ہے، اس سے پہلے ہی حصہ دار بنائے جارہے ہیں، یعنی ان کو ہوٹل کا ایک مخصوص حصہ بیچ کر ملکیت میں شریک کیا جارہا ہے اس میں جہاں مبیع معدوم ہے دوسری طرف ثمن بھی مجہول ہے۔

''تنویر الابصار'' میں ہے: بطل بيع ماليس بمال كالدم والميتة والى والبيع به والمعدوم كبيع حق التعلی (تنوير الابصار)

آگے صاحبِ درمختار فرماتے ہیں: ای علو سقط لانه معدوم ومنه بيع اصله غائب كجزور اوبعضه معدوم كورد وياسمين ورق فرصاد (درمختار)

علامہ شامی فرماتے ہیں: (قوله كورد وياسمين) فانه يخرج بالتدريج ط (شامی ٤/ ١١٢، ١١٣)

ظاہر ہے کہ جب کہ ابھی تک ہوٹل تیار ہو کر مکمل نہیں ہوا تو وہ بتدریج وجود میں آرہا ہے تو اس میں یہی علت پائی گئی؛ اس لیے یہ بیع معدوم ہونے کی وجہ سے باطل ہے، اور بیع باطل کسی حال میں مفید ملک نہیں ہے۔

حكم الفاسد انه يفيد الملك بالقبض والباطل لا يفيده اصلا (شامی ٤/ ١١١)

جب حصہ داروں کی ملک ہی ثابت نہیں ہوئی تو آگے کی شرطوں پر تفصیلی کلام کرنے کی ضرورت نہیں رہی؛ نیز جواب ۱ میں معاملہ کی اس نوعیت پر بھی کلام آچکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال: ⑤ زید نے مع شرکاء رقم خرچ کر کے ایک ہوٹل تیار کیا اور بکر کو حسبِ ذیل شرائط پر چلانے کے لیے دیا:

شرط نمبر (۱): تم کو اس ہوٹل کے چلانے کے عوض ہوٹل کی ملک اور منافع میں ایک چوتھائی حصہ کا شریک بنایا جاتا ہے۔

شرط نمبر (۲): آج سے ہی تم ہوٹل کے نفع نقصان دونوں میں شریک ہو۔

شرط نمبر (۳): تمہارے حصہ کا نفع جس کے تم پہلے ہی روز سے شریک ہو ہماری کل لاگت، یعنی زمین کی قیمت اور اوپر کی لاگت وصول ہونے کے بعد تم کو دیا جائے گا۔

صورت مذکورہ میں بکر اس ہوٹل کو بجائے خود چلانے کے عمر کو ماہانہ تنخواہ اور سالانہ

پانچ ہزار روپیہ کے معاوضہ میں چلانے پر دیتا ہے، اور نگرانی کرتا رہتا ہے، یہ سالانہ دی جانے والی رقم بکرا اپنے جیب سے دیتا ہے اور کبھی اجتماعی منافع میں سے دیتا ہے اور اجتماعی منافع میں سے دینے کی صورت میں شرکاء کو بعض مرتبہ تو اطلاع ہوتی ہے اور شرکاء خاموش رہتے ہیں، کیوں کہ رقم والے حصہ دار بولنے سے ڈرتے ہیں، کہیں ہمارا حصہ نکال نہ دیا جائے، اور بعض مرتبہ بالکل ہی اطلاع نہیں ہوتی، اور زید اجتماعی منافع میں سے وہ رقم دیتا رہتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ: (الف) اس طرح معاملہ شرعاً درست ہے؟

(ب) بکر کا عمر کو اپنے جیب سے سالانہ رقم دے کر ہوٹل چلانے دینا صحیح ہے؟

(ج) بکر عمر کو شرکاء سے چھپا کر اجتماعی منافع میں سے سالانہ پانچ ہزار دیتا ہے جب کہ اس کا حصہ تو چلانے کی ذمہ داری کا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

(د) بکر کا عمر کو شرکاء سے چھپا کر اجتماعی منافع میں سے سالانہ پانچ ہزار دینا کیسا ہے؟

(ھ) بکر عمر کو سالانہ رقم اجتماعی منافع میں سے اس طرح دیتا ہے، کہ شرکاء کو علم ہوتا ہے تو خاموش رہتے ہیں؛ لیکن دل سے ناراض رہتے ہیں، اس صورت میں بکر کا اس طرح کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

⑤ جیسا کہ جواب نمبر ا میں تفصیلی طور پر بتلایا گیا کہ زید اور بکر کے درمیان ہونے والا یہ معاملہ شرکت صحیحہ یا مضاربتِ صحیحہ یا اجارہ صحیحہ تینوں میں سے کسی پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ غیر درست اور فاسد ہے، معاملۂ فاسدہ میں شریک یا مضارب یا اجیر اگر کام کرتا ہے تو اجرت مثل کا حق دار ہوتا ہے مقررہ نفع یا تنخواہ کا نہیں۔ صورت

مسئولہ میں بکر نے کوئی کام نہیں کیا ہے؛ اس لیے وہ اجرت مثل کا بھی حق دار نہیں، رہا عمر، تو اس کے ساتھ ہوٹل کے مالکوں نے کوئی معاملہ نہیں کیا ہے؛ اس لیے عمر کی اجرت کی ذمہ داری مالکین پر عائد نہیں ہوتی؛ البتہ وہ اپنی مقررہ اجرت بکر سے وصول کر لے اور بکر پر اس کی ادائیگی اپنی طرف سے ضروری ہے ہوٹل کے منافع سے دینا اس کے لیے جائز نہیں ہے اگر اس نے منافع ہوٹل میں سے دیا ہے تو ضامن ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہوٹل کے چلانے میں دوسرا کام نہ کرنے کی شرط

سوال: (٦) زید کو پانچواں حصہ منافع میں سے دے کر ہوٹل چلانے کی ذمہ داری اس شرط پر دی گئی کہ اس ہوٹل کے علاوہ اور دوسرے کسی کاروبار کی ذمہ داری تم نہیں لے سکتے؛ لیکن اس کے قبول کرنے کے باوجود وہ دوسری ذمہ داری لیتا ہے تو یہ کیسا ہے؟ آیا مذکورہ صورت میں زید اپنے پورے حصہ کا حق دار ہوگا؟

بعض مرتبہ مالک حضرات ذمہ دار کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ شرط ذکر نہیں کرتے، کہ تم دوسری ذمہ داری نہیں لے سکتے، اور یہ ذمہ دار دوسری ذمہ داری لیتا ہے، تو شرعاً اس صورت میں ایسا کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور بعض مرتبہ ذمہ دار مالکوں سے واضح طور پر یہ بات کرتا ہے، کہ میں تمہارے ہوٹل چلانے کا ذمہ دار ہوں، چاہے میں اپنی ذات سے حاضر رہوں یا نہ رہوں، اس سے تم کو کوئی مطلب نہیں، اور پھر دوسری ذمہ داریاں لیتا ہے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید کو ہوٹل چلانے کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے، اس کا مطلب

اگر یہ ہے کہ فرنیچر اور مال وسامان واشیائے خوردنی وغیرہ کے ساتھ تیار کرکے اس کے حوالہ کیا گیا ہے، تو اس کا جواب تو تفصیل سے نمبر ا میں آچکا ہے، اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ زید کو رقم دی گئی کہ وہ اس کے ذریعہ سے ہوٹل کا کاروبار کرے، اور جو منافع ہوں گے ان میں سے پانچواں حصہ زید کا ہے، تو یہ معاملہ مضاربت کا ہے، اس معاملۂ مضاربت میں مضارب پر ایک شرط عائد کی جارہی ہے، کہ وہ صرف ان حضرات کا کاروبار کرے، اور کوئی کاروبار اس زمانہ میں نہ کرے، تو اس سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ مجھے نہیں ملا؛ البتہ ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ایک اصول وضابطہ اس باب میں ذکر کیا گیا ہے، اس سے اس کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔

الباب السادس فيما يشترط على المضارب من الشروط: الاصل ان رب المال متى شرط على المضارب شرطا فى المضاربة ان كان شرطا لرب المال فيه فائدة، فانه يصح ويجب على المضارب مراعاته والوفاء به واذا لم يف به صار مخالفا وعاملا بغير امره، وان كان شرطا لا فائدة فيه لرب المال فانه لا يصح ويجعل كالمسكوت عنه كذا فى المحيط ان خص له رب المال التصرف فى بلد بعينه او فى سلعة بعينها تتقيدبه ولم يجز له ان يتجاوز ذلك، وكذا ليس له ان يدفعه بضاعة الى من يخرجها من تلك البلدة، فان اخرج الى غير ذلك البلد فاشترىٰ ضمن وكان ذلك له وله ربحه وعليه وضيعته الخ. (فتاویٰ عالمگیری ٤/ ٢٩٧)

''درمختار'' میں ہے: لان المضاربة تقبل التقييد المفيد ولو بعد العقد ما لم يصر المال عرضا لانه حينئذ لايملك عزله فلايملك تخصيصه كما سيجيء، قيدنا بالمفيد لان غير المفيد لايعتبر اصلا كنهيه عن

بيع الحال، واما المفيد فى الجملة كسوق من مصر فان صرح بالنهي صح والا لا (فان فعل ضمن) بالمخالفة (وكان ذلك الشراء له) (درمختار)
(قوله الشراء له) وله ربحه وعليه خسرانه ولكن يتصدق بالربح عندهما وعند ابي يوسف يطيب له (شامی ۴/ ۵۴۲)

صورتِ مسئولہ میں مالکین کی طرف سے لگائی گئی یہ شرط کہ "اس کے ساتھ تم دوسرے کاروبار نہیں کر سکتے" فی الجملہ مفید ہے؛ اس لیے اس صورت میں زید پر ضروری ہے کہ اس شرط کی پابندی کے ساتھ کاروبار کرے؛ لیکن اگر اس نے شرط کی پابندی نہیں کی تو اس کا حکم یہ ہے کہ زید اس رقم کا جو اس کو ہوٹل چلانے کے لیے دی گئی تھی ضامن ہے، چناں چہ وہ اتنی رقم مالکین کو ادا کرے، اور جو کچھ خریدا اور کاروبار کیا وہ سب زید کا ہے، اس میں نفع ہوا تو اس کا (سب کا) مالک بھی وہ ہے، اور نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے؛ البتہ اس کو چاہیے کہ اس منافع کو صدقہ کر دے، یہ طرفین (امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ) کا مسلک ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے اس منافع سے انتفاع درست ہے، اگر مالکین نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی تو اس صورت میں زید نے جس طرح ان حضرات کے ساتھ عقد مضاربت کیا ہے اسی طرح دیگر حضرات سے بھی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ دونوں کاروبار الگ الگ چلائے دونوں کو مخلوط نہیں کر سکتا، ہاں اگر دونوں عقد مضاربت کے مالکین حضرات نے اختیارِ کلی دیتے ہوئے اس کو اپنی صواب دید کے مطابق ہوٹل کا کاروبار چلانے کا مجاز بنا دیا ہے، تو اس صورت میں مخلوط بھی کر سکتا ہے۔

ونوع لا يملكه بمطلق العقد ويملكه اذا قيل له اعمل برأيك،

وهو ما يحتمل ان يلحق فيلحق به عند وجود الدلالة، وذلك مثل دفع المال مضاربة او شركة الى غيره وخلط مال المضاربة بماله او بمال غيره (عالمگيرى ٤ /٢٩٢، شامى ٤ /٥٤١)

ہوٹل چلانے کا یہ معاملہ اگر بطریق مضاربت ہے، تو یہ صورت جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مشترکہ تجارت سے ہبہ کرنا، کارخانہ، پلاٹس اور زیورات بنانا

سوال: بکر کا اپنے بھائی سے ۱۹۸۲ء میں مشترکہ کاروبار کا معاہدہ ہوا تھا، ان دونوں کے مشترکہ کاروبار سے کاروبار کیا جائے گا، اور جب بھی تقسیم ہوگی ۹ / بھائیوں میں مساوی طور سے تقسیم ہوگی، یعنی میرے دو بیٹے اور میرے بھائی کے ۷ / بیٹے، اس وقت میرے نصف حصے میں دو بیٹے، اور میرے بھائی کے نصف حصے میں ۷ / بیٹے، اس طرح تمام املاک ۹ / بھائیوں میں تقسیم ہوگی، حقیقۃً اس وقت میرا نقصان تھا پھر بھی میرے بھتیجوں کے کہنے پر میں نے اس معاہدے کو تسلیم کرلیا، مفتی اسمٰعیل نے اس بات کی تصدیق میرے دو بیٹوں کی موجودگی میں میری بیوی سے (جس وقت وہ انڈیا آئی تھی) کی تھی؛ لیکن اب میرے دو بھتیجے اس معاہدے سے انکار کر رہے ہیں، اور مشترکہ کاروبار سے جو کمائی ہوئی اس سے ۱۰ / کارخانے اور دیگر پلاٹس خریدے، جو اپنی بیوی اور بیٹوں کے نام کرکے اسے اپنی ذاتی ملکیت بتا رہے ہیں۔

نوٹ: ۱۹۸۲ء سے اس مشترکہ کاروبار میں میرے دو بیٹے بھی برابر کے شریک ہیں۔

① مشترکہ کاروبار سے بنائے ہوئے تمام کارخانے، پلاٹس اور زیورات کس کے ہیں؟

② کیا اکیلا فریق دوسرے فریق کی اجازت کے بغیر کوئی کارخانہ اپنے بیٹے کو ہبہ کرسکتا ہے جب کہ کاروبار مشترکہ ہو؟

③ کیا گمراہ کن احوال بیان کرکے نیز حقائق کی پردہ پوشی کرکے فتویٰ منگانا جائز ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب دیجیے۔

نوٹ: ابراھیم اور عبدالعزیز آپس میں اس مضمون پر متفق ہیں۔

(الجواب): حامداً و مصلیاً و مسلماً

① مشترکہ کاروبار کی کمائی سے بنائے گئے کارخانے، پلاٹس اور زیورات اصل کاروبار کی طرح سب کی مشترکہ ملکیت سمجھے جائیں گے۔

② مشترکہ چیز کے مالکین میں سے کوئی ایک وہ پوری چیز دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر ہبہ نہیں کرسکتا، البتہ اگر وہ قابلِ تقسیم ہے تو تقسیم کرکے اپنا حصہ الگ کرواکر بطورِ ہبہ قبضہ کے ساتھ دوسرے کو دے سکتا ہے۔

③ غلط حقائق پیش کرکے فتویٰ لینا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

شرکاء کا منافع سے دوسری دوکان خریدنا

(سوال): چند شرکاء نے مل کر ایک دوکان شروع کی اس میں جو منافع حاصل

ہوئے ہیں وہ ایک ذمہ دار کے پاس جمع رہتے ہیں، سال دو سال کے بعد وہ ذمہ دار اپنے شرکاء سے کہتا ہے کہ دو لاکھ روپئے کی رقم منافع سے جمع ہوئی ہے، میرا ارادہ ہے کہ اس سے ہم دوسری دوکان خرید لیں، اس پر سب رضا مند ہو گئے، اور جس شریک کا جتنا حصہ پہلی دوکان میں تھا اسی حساب سے دوسری دوکان میں بھی حصہ رکھ کر دوسری دوکان خرید لی، شرعاً یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ صورت شرعاً درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

منافع سے خریدی گئی دوکان کے منافع میں کمی و بیشی

سوال: چند شرکاء کی ایک دوکان ہے، اس میں حاصل شدہ نفع کی رقم ذمہ دار کے پاس جمع رہتی ہے، کچھ مدت کے بعد وہ ذمہ دار کہتا ہے کہ اپنی دوکان میں اتنا نفع ہوا ہے جس کی اتنی رقم میرے پاس جمع ہے، میری رائے ہے کہ اس سے ہم دوسری دوکان خرید لیں؛ لیکن حصے پہلی دوکان کی طرح نہ رہیں گے، بلکہ کم و بیش ہوں گے، اور رقم سب اس میں لگ جائے گی کچھ واپس نہ ملے گی، سوال یہ ہے کہ جب منافع کی جو رقم اس نئی دوکان کے خریدنے میں صرف کی جارہی ہے، اس میں ہر حصہ دار کا متعین حصہ ہے، تو اس دوسری دوکان میں حصہ میں کم و بیش کرنا درست ہے، بعض شرکاء ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں، جو دل سے اس بات پر رضا مند نہیں ہوتے؛ لیکن ڈرتے ہیں کہ اگر اس ذمہ دار کی مرضی کے خلاف کچھ کہا تو ہم کو شریک نہ کیا جائے گا؛

اس لیے مصلحۃً خاموش رہتے ہیں، یا صراحۃً دل کی بات کے خلاف اپنی خوشی ظاہر کرتے ہیں، لہٰذا اس طرح کی شرکت سے نئی دوکان خریدنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حصے کم وبیش ہونے کا مطلب اگر یہ ہے کہ ملکیت میں تو حصے بقدرِ مال ہوں؛ لیکن منافع میں کم وبیش ہوں، تو اگر تمام شرکاء پر عمل کی شرط رکھی گئی ہے، یا جس کے لیے منافع میں زیادہ حصہ تجویز کیا گیا ہے اس پر عمل کی شرط رکھی گئی ہے، تو درست ہے، اور اگر وہ شخص جس کا منافع میں زیادہ حصہ تجویز کیا گیا ہے، اس پر کوئی عمل شرط نہیں کیا گیا، یا اس کا مشروط عمل، دیگر شریک کے مقابلہ میں کم ہے، تو یہ درست نہیں ہے۔

(قوله ومع التفاضل فی المال دون الربح) ای بان یکون لاحدهما الف وللآخر الفان مثلاً، واشترطا التساوی فی الربح وقوله وعکسه ای بان یتساوی المالان ویتفاضلا فی الربح لکن هذا مقید بان یشترط الاکثر للعامل منهما او لاکثرهما عملاً اما لو شرطاه للقاعد او لاقلهما عملاً فلا یجوز کما فی البحر عن الزیلعی و الکمال قلت والظاهران هذا محمول علی ما اذا کان العمل مشروطا علی احدهما (شامی ۳/ ۳۷۳) والتفصیل فیه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پالنے کے لیے دی گئی بکری میں شرکت کا حیلہ

سوال: مسئلہ کی صورت یہ ہے، مثلاً: زید بکر کو ایک بکری پالنے کے لیے دیتا ہے دراں حالیکہ بکری کی قیمت بھی اسی وقت دوسو روپیہ متعین کر دیتا ہے، اور اس میں شرط

یہ ہوتی ہے کہ اس میں جو بھی منافع ہوگا اس منافع میں زید اور بکر نصف نصف حصہ دار ہوں گے، اب چند ایام کے بعد بکری بچہ دیتی ہے، اب اس وقت بکری کی قیمت پانچ سو روپیہ ہو جاتی ہے، اب بکری کی اصل قیمت دو سو روپیہ زید کو دے کر تین سو روپیہ میں نصف نصف زید اور بکر تقسیم کرتے ہیں، یہ تقسیم کرنا کیسا ہے جائز ہے یا نہیں؟

اور اسی طرح (مذکورہ بالا) شرط پر بکری وغیرہ کو پالنے کے لیے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر نا جائز ہے تو اس کے جائز ہونے کے لیے کوئی حیلہ ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ طریقہ درست نہیں ہے؛ البتہ نصف بکری زید بکر کو فروخت کردے اور قیمت معاف کردے تو وہ نصف کا شریک ہو جائے گا، نصف بکری اس کی ہوگی، اور دودھ، بکری، بچے سب نصفا نصفی ہوں گے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۲۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شرکاء کی اجازت کے بغیر منافع میں تصرف درست نہیں

سوال: ہوٹل میں حاصل شدہ منافع جو ہزاروں کی رقم ہوتی ہے ذمہ دار شخص کے پاس رہتی ہے، وہ ذمہ دار اس کو فوراً تقسیم نہیں کرتا اور جب تک تقسیم نہیں کرتا تو اس رقم کو اپنے تصرف میں لاتا ہے، کبھی اس تصرف کی اجازت شرکاء سے لیتا ہے اور کبھی بلا اجازت کرتا ہے تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟

نوٹ: شرکاء کے درمیان پہلے سے تقسیم کا وقت مقرر ہوتا ہے اور تصرف کرنے والا (ذمہ دار) مقررہ وقت پر وہ رقم پیش بھی کر دیتا ہے، یعنی تقسیم سے پہلے یہ

تصرف کرتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ذمہ دار یعنی ہوٹل چلانے والے کی حیثیت اجیر کی ہے یا مضارب کی، دونوں صورتوں میں وہ منافع والی رقم کو بلا اجازتِ شرکاء اپنے تصرف میں نہیں لاسکتا؛ اس لیے کہ وہ رقم اس کے پاس امانت ہے۔ کماهو مصرح فی کتب الحنفية.فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شرکاء میں سے کسی کا انتقال ہو تو بقیہ شرکاء کیا کریں؟

سوال: چار شرکاء میں سے ایک شریک کا انتقال ہو گیا اب......

(الف) اس کے حصہ کو وارثینِ مرحوم کی طرف کس طرح منتقل کیا جائے۔

(ب) اگر حیات شرکاء مرحوم کا حصہ شرکت سے نکالنا چاہتے ہیں تو شرعاً ایسا کر سکتے ہیں؟ اس کی شکل کیا ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرکاء میں سے ایک کے انتقال سے اس کے ساتھ جو شرکت عقد تھی وہ ختم ہو چکی، موجود شرکاء کی شرکت باقی ہے۔

(وتبطل الشركة) ای شركة (بموت احدهما) علم الآخر اولا لأنه عزل حكمي (درمختار) (قوله ای شركة العقد) اما شركة الملك فلاتبطل فلو كانوا ثلاثة فمات احدهم حتى انفسخت فی حقه لا تنفسخ فی حق

الباقين (شامی ٣/ ٣٨٤)

جب مرنے والے شریک کے حق میں شرکت خود بخود ختم ہو چکی تو اب بقیہ شرکاء کے لیے ضروری ہو گیا کہ جب تک اس کا حصہ الگ نہ کرلیں اپنی تجارت آگے نہ بڑھائیں اس کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا ہو گا جو کتب فقہ میں کتاب القسمۃ میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مرحوم شریک کے حصے میں تصرف کرنا

سوال: ایک مشترک ہوٹل کا ذمہ دار زید ہے، جس کے اصل شرکاء میں سے بعض کا انتقال ہونے کی وجہ سے نابالغ اولاد حصہ دار ہوئے ہیں، زید ہوٹل میں سے مہمانوں کو کھلاتا ہے، اللہ چندہ دیتا ہے، نفلی قربانی کرتا ہے، تو زید کے لیے شرعاً یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جس شریک کا انتقال ہو گیا اس کی شرکت موت کی وجہ سے ختم ہو چکی۔

(وتبطل الشركة) اى شركة العقد (بموت احدهما) علم الآخراو لا (درمختار) (قوله اى شركة العقد) اما شركة الملك فلا تبطل، وقول الدرر وتبطل الشركة مطلقاً فالاطلاق فيه بالنظر للمفاوضة والعنان ط قلت: والمراد ان شركة الملك لا تبطل اى لا يبطل الاشتراك فيها بل يبقى المال مشتركا بين الحى وورثة الميت كما كان والا فلا، يخفى ان شركة الميت مع الحى بطلت بموته تامل (شامی ٣/ ٣٨٤)

اب جو تصرفات زید نے کیے ہیں اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہوٹل چلانے والے کا چندہ دینا یا مہمانوں کو مفت کھلانا

سوال: ہوٹل کا ذمہ دار شخص ہوٹل میں مہمانوں کو مفت کھانا کھلاتا ہے اور چندہ والوں کو اللہ کے مد سے چندہ دیتا ہے، مذکورہ چیزیں کبھی شرکاء کی اجازت سے دیتا ہے اور کبھی بلا اجازت، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرکاء کی اجازت سے ہے تو درست ہے، اور اگر بلا اجازت ہے تو وہ خود ذمہ دار ہے یعنی اس پر ضمان واجب ہے۔

والاصل ان التصرفات فی المضاربة ثلاثة اقسام: قسم هو من باب المضاربة وتوابعها فيملكه من غيران يقول له اعمل ما بدا لك كالتوكيل بالبيع والشراء الخ(شامی ٤/ ٥٤١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/محرام الحرام ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مشترک رقم سے چندہ دینا درست نہیں ہے

سوال: زید کا کاروبار ایک غیر مسلم ہندو کے ساتھ شرکت میں ہے، دونوں اپنے مذہب کے لیے چندہ لینے آنے والوں کو مشترک رقم میں سے ایک دوسرے کی

رضامندی کی وجہ سے چندہ دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اس طرح مسلمان کا اپنی کمائی غیروں کے مذہب میں استعمال کے لیے دینا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست نہیں، دونوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے حساب میں سے دیں۔ (امداد الفتاویٰ ۱۲۹/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سودی قرض لینے والے کے ساتھ عقدِ شرکت

سوال: دو آدمیوں نے مشترکہ کاروبار کیا، جن میں سے ایک حصہ دار نے اپنی حلال کمائی لگائی، اور دوسرے نے بینک سے سود پر رقم لے کر کاروبار میں لگائی، اس حصہ دار میں شریک اول کے لیے جس نے اپنی حلال کمائی کاروبار میں لگائی، کمائی درست ہے یا نہیں؟ نیز اس طرح کے شریک کے ساتھ شریکِ اول کے لیے حصہ داری کرنا درست ہے یا نہیں جب کہ دونوں مسلم ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس نے اپنی حلال کمائی کاروبار میں لگائی، اس کے لیے اپنے حصہ کے منافع درست ہیں؛ لیکن اس قسم کی شرکت سے احتراز لازم ہے۔

كما يفهم من الدرالمختار وحاشية رد المحتار للعلامة الشامي تحت قول الدر (و) انما (طاب للبائع ما ربح) في الثمن الى ان قال الحرمة تتعدد

مع العلم بها الخ (الدر المختار على هامش الشامى ٤ /١٤٦،١٤٤) وتحت قوله: والبيوع الفاسدة فكلها من الربا، فيجب رد عين الربا لو قائما (٤/ ١٩٧،١٩٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: زید کا ایک دوست غیر مسلم مسمی رمیش ہے، زید اپنے دوست رمیش کے ساتھ شرکت میں کاروبار کرنا چاہتا ہے؛ لیکن رمیش کے پاس رقم نہیں ہے؛ اس لیے وہ بینک سے سودی قرض پر رقم لاکر لگاتا ہے، زید کے لیے یہ حصہ داری جائز ہے، یعنی غیر مسلم سود پر رقم لاکر مسلمان کے ساتھ شرکت میں کاروبار کرنا چاہے تو زید مسلم کے لیے یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس کا بھی وہی حکم ہے؛ البتہ اس میں شناعت کم ہوگی۔

لان مسئلة خطاب الكفار بفروع الشريعة مختلف فيه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک بڑے خاندان کی مشترکہ جائداد کی تقسیم

سوال: ایک ماں باپ کی چار اولادیں ہیں: (١) غلام رسول (٢) علی رضا (٣) منظور احمد (٤) ایوب احمد۔ یہ چاروں بھائی مشترکہ طور پر رہتے ہیں، رہائش اور کھانا پینا ایک ساتھ ہے، آبائی پیشہ زراعت ہے، اس کے علاوہ چاروں بھائی مختلف

کاموں میں لگے ہیں۔

① علی رضا پہلے سلائی (ٹیلرنگ) کا کام کرتے تھے، اور گھر میں مالک وہی تھے، لین دین ہر طرح کا انہیں کے ذمہ تھا۔

② غلام رسول بڑے بھائی ہیں وہ ڈرائیوری کا کام کرتے تھے، اس کے علاوہ دو بھائی منظور احمد وایوب احمد تعلیم حاصل کررہے تھے، ایوب احمد نے کچھ دنوں بعد تعلیمی سلسلہ ختم کردیا، اور منظور احمد کا تعلیمی سلسلہ جاری رہا، اور انہوں نے علی گڑھ سے ایم کام (M.COM) کیا، اور ایوب احمد آبائی پیشہ (زراعت) میں لگ گئے، کچھ دنوں بعد علی رضا ٹیلرنگ کے کام میں مسقط چلے گئے، اور وہ مدت تک مسقط میں تھے، اور غلام رسول ۷۷/۳/۱۰ کو دبئی گئے اور وہ ۸۴/۱/۱۵ تک ڈرائیوری کے کام میں دبئی رہے اس دوران بمبئی میں دو دکانیں خریدی گئیں، جن میں سے ایک دکان چھ لاکھ کی بک گئی ہے، اور ایک موجود ہے، منظور احمد ۱۹۸۰ء میں سعودی عرب گئے، اور اپنے دو بھائیوں (علی رضا وغلام رسول جو بالترتیب مسقط ودبئی چھوڑ کر گھر آچکے تھے) کو سعودی عرب بلالیا، اور منظور احمد نے اپنے بیوی بچوں کو بھی سعودی بلالیا، وہاں سعودی میں تینوں بھائی کمانے اور مشترکہ طور پر گھر پر چھوٹے بھائی ایوب احمد کو روپیہ بھیجنے لگے، یہ سلسلہ چلتا رہا، اور باہم کوئی نااتفاقی نہیں ہوئی، اور سارے معاملات مشترکہ نظام کے تحت چلتے رہے، کچھ دنوں بعد تینوں پردیسی بھائیوں: ① علی رضا ② غلام رسول ③ منظور احمد نے آپس میں یہ طے کیا کہ سعودی عرب کی آمدنی اور کمائی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، لہذا علی رضا کو انڈیا وطن بھیج دیا جائے، وہاں وہ ہمارے تعاون سے کوئی مشترکہ کاروبار شروع کریں، چناں چہ مذکورہ پروگرام کے مطابق علی رضا ہندوستان

آ کر سورت گئے، اور کافی جدوجہد کے بعد سورت میں نواب باڑی میں انہوں نے ڈیڑھ لاکھ کی پگڑی پر نواب سے ایک دکان خرید لی، اور تارواڑی سورت میں رہائش کے لیے ایک مکان خریدا اور رہنے لگے، دکان پر علی رضا اور چھوٹے بھائی ایوب احمد کام کرنے لگے، کچھ دنوں بعد ایک اور مکان نواب باڑی کے سامنے مسجد میں ڈیڑھ لاکھ کی پگڑی پر خریدا گیا، جو ایوب احمد کے نام ہے اور آج بھی ہے، یہ جائیداد خریدنے کے بعد علی رضا نے اپنے چھوٹے لڑکے شفیق احمد کو سورت بلالیا، جو مشترکہ کاروبار میں لگ کر محنت کرنے لگا۔

چاروں بھائیوں کی اولاد کی تفصیل:

① غلام رسول کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، دونوں کی شادیاں مشترکہ ملکیت سے ہوئی۔

② علی رضا کے چار اولادیں ہیں، تین لڑکے اور ایک لڑکی، ان کے دو لڑکوں شکیل احمد جس نے بی اے تک تعلیم حاصل کی ہے، اور شفیق احمد جو سورت کے کاروبار میں شریک ہے، ان دونوں کی شادیاں ہوچکی ہیں، مشترکہ ملکیت سے، علی رضا کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی ابھی چھوٹے ہیں، غیر شادی شدہ ہیں۔

③ منظور احمد کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں کل چار اولادیں ہیں، جن میں ایک لڑکی کی مشترکہ ملکیت سے شادی ہوچکی ہے، بقیہ دو لڑکے اور ایک لڑکی ابھی زیرِ تعلیم ہیں۔

④ ایوب احمد کے سات لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، جس میں سے صرف ایک کی مشترکہ ملکیت سے شادی ہوئی ہے، بقیہ چھ لڑکے اور تین لڑکیاں غیر شادی شدہ ہیں۔

غلام رسول کا ایک لڑکا اور علی رضا کا ایک لڑکا دونوں ہم عمر ہیں، دونوں الٰہ آباد

میں ایک ساتھ پڑھتے تھے، انٹر تک پڑھنے کے بعد غلام رسول کا لڑکا تعلیم ترک کر کے سعودی عرب چلا گیا، اور اپنے والد و چچا کے ساتھ مشترکہ کاروبار میں لگ گیا، اس کے بعد علی رضا کا لڑکا بھی دو سال مزید الٰہ آباد تعلیم حاصل کرنے کے بعد سورت آ گیا، اور مشترکہ کاروبار میں شریک ہو گیا۔

ایوب احمد کے لڑکے شہنواز کو بھی غلام رسول و منظور نے سعودی عرب بلا لیا، وہ بھی تین سال تک وہاں مشترکہ کاروبار میں مصروف رہا۔

اسی طرح ۹۷/۱۲/۳۰ تک سبھی امور و معاملات مشترکہ تھے، اور سب بھائیوں اور ان کی اولادوں نے مل جل کر محنت کی اور کام کیا، یہ الگ بات ہے کہ کسی بھائی اور اس کی اولاد نے کم محنت کی کسی نے زیادہ کی، جیسا کہ عموماً مشترکہ خاندانی نظام میں ہوتا ہے۔

۳۰/دسمبر ۱۹۹۷ء کو جب ہمارے یہاں تقسیم (بٹوارہ) ہوئی تو تمام جائیداد میں شفیق احمد ولد علی رضا کو مساوی حصہ دیا گیا اور دلیل یہ دی گئی کہ چوں کہ وہ سورت میں بہت دنوں سے اپنے باپ کے ساتھ محنت میں شریک ہے اس لیے ان کا حق بنتا ہے، اور ستم بالائے ستم یہ کہ وہ جائیدادیں جو سورت میں شفیق احمد کے آنے اور شریک محنت ہونے سے پہلے خریدی گئی تھیں، اس میں بھی اس کو حصہ دیا گیا، مثلاً سورت میں شفیق احمد سے پہلے اسی ہزار کا ایک مکان ڈیڑھ لاکھ کی ایک دکان اور ڈیڑھ لاکھ کا ایک مکان خریدا گیا تھا بعد میں اسی ہزار والا مکان تین لاکھ میں بیچ کر شفیق احمد (بھتیجہ) کے نام ایک فلیٹ خریدا گیا۔

بمبئی میں ایک دکان چھ لاکھ میں بیچی گئی اس پیسہ سے بارہ لوم لگایا گیا، اس میں بھی مذکورہ بھتیجہ کا حصہ لگا دیا گیا، (۱۲ لوم کو بارہ لاکھ کی ملکیت مان کر بھتیجہ کا حصہ لگا)۔

تو از راہِ کرم مفتی صاحب یہ بتائیں کہ شرعاً کیا بھتیجہ کا حصہ لگانا صحیح ہے، اور اگر ایک بھتیجہ کا حصہ لگتا ہے تو کیا دوسرے بھتیجوں کا حصہ نہیں لگے گا، جنہوں نے کم یا زیادہ اپنی بساط بھر مشترکہ کاروبار میں محنت کی ہے۔

اور کیا یہ صحیح ہوگا کہ مذکورہ بھتیجہ شفیق احمد ولد علی رضا کو اس جائیداد میں بھی حصہ ملے گا جو اس کے کاروبار میں شریک ہونے سے پہلے خالص چاروں بھائیوں کی محنت کی کمائی ہے، اور جس سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ جس کی تفصیل میں نے اوپر بیان کی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی واضح فرمادیں کہ مشترکہ ملکیت کے زمانہ میں جو چیزیں گھر میں گرہستی کی بنائی جاتی ہیں، مثلاً کباٹ، پلنگ، رضائی، فرنیچر، ٹیلی فون ۳/عدد وغیرہ اس کی تقسیم کیسے ہو؟

اور جو دکان بھائی کے ذمہ ہے اس میں بہت سی کمپنیوں کی ایجنسیاں ہیں، جس میں انہوں نے ڈپازٹ (زرِضمانت جمع کیا ہے) تو کیا اس زرِضمانت کی تقسیم نہ ہوگی، کمپنیوں کا اصول ہے کہ وہ سال میں مال کی خریداری کے حساب سے کمیشن دیتی ہیں، اس کا بٹوارہ کیسے کیا جائے۔

نوٹ: غلام رسول بڑے بھائی کا ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۷ء تک بینک آف بڑودہ میں ایک اکاؤنٹ تھا، جس کی پاس بک چھوٹے بھای ایوب احمد کے پاس تھی۔ وہی اس میں پیسہ جمع کرتے اور نکالتے تھے، غلام رسول کھاتہ کھلنے کے سال ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۷ء تک نہ اس بینک میں گئے نہ حساب کتاب کی تفصیل صحیح طور پر انہیں معلوم تھی۔ ۳۰/دسمبر ۱۹۹۷ء کو بٹوارہ کے تقریباً چار ماہ بعد غلام رسول کے مانگنے پر ایوب احمد نے جب پاس بک غلام رسول کو دیا تو اس میں سے ۲۵/اپریل ۱۹۸۸ء سے اپریل ۱۹۹۷ء

تک کوئی پیسہ نہیں نکالا گیا تھا، اور اس میں ایک لاکھ چورانوے ہزار (۱۹۴۰۰۰) موجود تھا، اس بارہ میں ایوب احمد کے علاوہ دوسرے دو بھائی کو علم نہیں تھا، اب جاننے کے بعد تمام بھائیوں کا کہنا ہے کہ اس میں بھی سب کو حصہ دیا جائے جب کہ دوسرے بھائیوں نے اپنے بینک بیلنس کی پوزیشن صاف نہیں کی ہے، اور نہ اس کا بٹوارہ کیا ہے، تو کیا تنہا غلام رسول کے بینک بیلنس کی تقسیم شرعاً منصفانہ ہوگی؟ شرعی حکم کیا ہے؟ وضاحت کے ساتھ بیان فرما کر ممنون فرمائیں اور ہمارے خلجان کو دور فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق اگرچہ شرکتِ عقد کا تحقق نہیں ہوتا ہے، لیکن جب یہ چاروں بھائی مشترکہ کاروبار کرتے رہے تو اب بٹوارہ میں چاروں کو مساوی حصہ ملے گا، علی رضا کا بیٹا شفیق احمد چوں کہ باپ علی رضا کے ساتھ ان کی عیالداری میں کام کرتا رہا، اس لیے اس کی الگ حیثیت شمار نہ ہوگی، بلکہ وہ اپنے باپ علی رضا کے تابع اور اس کا معین ومددگار شمار ہوگا، اس لیے اس مشترک جائیداد میں اس کو الگ سے مساوی حصہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

كذا لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال فهو بينهم سويةً ولو اختلفوا في العمل والرأى اهـ وقدمنا أن هذا ليس شركة مفاوضة ما لم يصرحا بلفظها أو بمقتضياتها مع استيفاء شروطها ثم هذا في غير الابن مع أبيه لما في القنية الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له.

يقع كثيرا فى الفلاحين و نحوهم أن أحدهم يموت فتقوم أولاده على تركته بلا قسمة ويعملون فيها من حرث و زراعة و بيع وشراء واستدانة

ونحو ذلك، وتارة يكون كبيرهم هو الذي يتولى مهماتهم ويعملون عنده بأمره وكل ذلك على وجه الاطلاق (إلى أن قال) فإذا كان سعيهم واحدا ولم يتميز ما حصله كل واحد منهم بعمله يكون ما جمعوه مشتركاً بينهم بالسوية وإن اختلفوا في العمل والرأى كثرةً وصواباً الخ (شامی۳/۳۷۰)

جو چیزیں مشترکہ کاروبار سے خریدی گئیں وہ بھی مشترک شمار ہوں گی، ان کی قیمت لگا کر تقسیم کا عمل کیا جائے۔

زرِضمانت جب واپس ملے گا اس وقت اس کی تقسیم کی جائے گی، دکان بھائی کے ذمہ ہونے کا مطلب اگر یہ ہے کہ ان کے حصہ میں گئی ہے تو اس دکان کی خریداری پر ملنے والے کمیشن کے حق دار وہ ہیں۔

غلام رسول کے اکاؤنٹ میں جمع رقم مشترکہ کاروبار سے حاصل شدہ ہے، اس کی بھی تقسیم کی جائے، اگر دوسرے بھائیوں کے بھی اسی طرح کے اکاؤنٹ ہیں، اور ان میں مشترکہ کاروبار سے حاصل شدہ رقم ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ بھی اس کا اظہار کریں اور اس کی بھی تقسیم کریں ورنہ خیانت کے مرتکب کہلائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سہکاری منڈلی اور دودھ کی بیع وغیرہ کے مسائل

سودی کاروبار کرنے والی سہکاری منڈلی میں شرکت

سوال: آج کل دیہاتوں میں بہت سے لوگ تھوڑی تھوڑی رقم جمع کر کے

کاروبار کے لیے ایک مشترکہ کمیٹی اجتماعی پیمانے پر بناتے ہیں اس کو سہکاری منڈلی کہتے ہیں، یہ منڈلی اہلِ دیہات کی کاشت وغیرہ کی ضروری اشیاء کی تجارت کرتی ہے؛ نیز سود پر نقد روپئے بھی قرض دیتی ہے، زراعت کا مال، سامان ادھار بھی مل جاتا ہے، (جس پر سود بھی دینا ہوتا ہے) سال کے ختم پر حساب کر کے نفع کی رقم ممبران کو تقسیم کر دی جاتی ہے، سود میں حاصل شدہ رقم بھی نفع ہی میں شمار کی جاتی ہے، اس رقم کا جو ممبران (شیئرز ہولڈر) میں تقسیم کی جاتی ہے ڈیویڈنڈ نام رکھتے ہیں، جواب طلب امر یہ ہے کہ اس میں حصہ لینا شرعاً کیسا ہے، اس کا ممبر بننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب یہ کمپنی لوگوں کو سود پر نقد روپئے قرض دیتی ہے، اور ادھار فروخت ہونے والے سامانِ زراعت پر بھی سود لیتی ہے، تو اس میں شرکت نہ کی جائے۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دودھ سہکاری منڈلی میں شرکت

سوال: گاؤں کے کچھ لوگ مل کر ایک کمپنی بناتے ہیں، جس کو سرکار میں رجسٹر بھی کرا لیتے ہیں، اس کو دودھ سہکاری منڈلی کہتے ہیں، اور دودھ کی خرید وفروخت کا حسبِ ذیل طریقہ پر کاروبار کرتے ہیں:

دیہات والوں سے دودھ خریدتے ہیں اور ضلع کی بڑی ڈیری کو بیچ دیتے ہیں اس بیع میں حاصل شدہ نفع کی رقم کو بینک میں جمع کر دیا جاتا ہے، بینک اس میں حسبِ

ضابطہ سود بھی جمع کرتی رہتی ہے، اور سال کے ختم پر حاصل شدہ نفع اس پر حاصل شدہ سود کی رقم کو ممبران میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، اسی میں سے کچھ رقم منڈلی کے ہاتھ دودھ بیچنے والے غیر ممبر لوگوں کو بھی دیا جاتا ہے جس کا نام بھاؤ کی زیادتی رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ:

(الف) اس طرح کا کاروبار کرنا مسلمانوں کے لیے درست ہے؟

(ب) اس کے ممبر بننے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(ج) اس منڈلی کے ہاتھ دودھ بیچنا جس کے کاروبار کی تفصیل کی گئی ہے شرعاً کیسا ہے؟

(د) اگر منڈلی کے ہاتھ دودھ فروخت کیا تو بھاؤ کی زیادتی کے نام دی گئی مذکور الصدر رقم کا لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس کمپنی کا کاروبار سود کا نہیں ہے؛ البتہ اس نے جو رقم بینک میں جمع کرائی، اور اس پر بینک کی طرف سے سود ملا، اس کی جتنی مقدار ممبر کے حصہ میں آئی ممبر کو چاہیے کہ اس کا صدقہ کر دے۔

(الف، ب) جب یہ کاروبار سودی نہیں ہے تو درست ہے، اور اس کی ممبری بھی درست ہے۔

(ج) اس کے ہاتھ دودھ بیچنا درست ہے۔

(د) کمپنی کے مالکان اپنی خوشی اور مرضی سے یہ رقم دے رہے ہیں تو لینا درست

ہے، یہ ان کی طرف سے انعام وعطیہ سمجھا جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دودھ کے فیٹ پر قیمت کا دارومدار

سوال: آج کل دودھ کی بیع عموماً اس طرح پر ہوتی ہے کہ خریدار جو عام طور پر سہکاری منڈلی ہوتی ہے، دودھ کے مالک لیٹر کے حساب سے ناپ کر، اس طرح سے نرخ مقرر کر کے دودھ لیتے ہیں کہ ہم تمہارے دودھ کو آلات کے ذریعہ سے جانچیں گے جس دودھ میں چربی کا حصہ (فیٹ) جتنا زیادہ ہوگا اس کا فی لیٹر بھاؤ اتنا ہی زیادہ ہوگا، مثلاً: اگر چھ فیٹ کا دودھ ہے تو فی لیٹر تین روپئے، اور سات فیٹ کا دودھ ہے تو فی لیٹر چار روپئے کے حساب سے، اسی طرح اگر چار فیٹ کا دودھ ہے تو دو روپئے فی لیٹر بھاؤ گنا جائے گا، بعد میں کبھی تو اس خریدار کے پاس دودھ موجود ہوتا ہے اسی وقت آلات سے دودھ کے فیٹ معلوم کر لیے جاتے ہیں، اور کبھی یہ خریدار ہر ایک کے دودھ کی مقدار ممتاز طریقہ سے الگ الگ فیٹ معلوم کرنے کے لیے رکھ کر بقیہ دودھ بڑی منڈلی کو بیچ دیتا ہے، اور وہ خرید کر لے کر چلے بھی جاتے ہیں، اس کے بعد اس دودھ کے فیٹ معلوم کیے جاتے ہیں، مذکورہ طریقہ پر بیع کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس مجلس میں دودھ کی فروخت ہو رہی ہے، اسی مجلس میں بذریعۂ آلات دودھ کے فیٹ معلوم کر کے اس کی قیمت متعین کر دی جاتی ہے تو یہ معاملہ شرعاً درست ہے،

ورنہ قیمت کی جہالت کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کوآپریٹیو سوسائٹیاں کسانوں کی وکیل ہیں

سوال: اس وقت کھیتی کا عام رواج تو گنّے کا ہے یا پھر کیلے کا، اس کے فروخت کا طریقہ یہ ہے کہ تاجر کیلے کو کاٹ کر لے جاتا ہے اور پھر سوسائٹی کی طرف سے جو قیمت طے ہو وہ ادا کی جاتی ہے، قیمت کی ادائیگی کا یہی طریقہ ہمارے یہاں مروج ہے چاہے کیلے کسی کمپنی کو دیے جائے یا پھر پرائیویٹ، آیا اس طرح کی بیع مفضی الی الفساد تو نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے یہاں ''کوآپریٹیو سوسائٹیاں'' جو بنائی جاتی ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ چند کسان (ایک گاؤں یا تحصیل یا ضلع وغیرہ کے) مل کر ایک ادارہ قائم کرتے ہیں اور تمام ممبران اپنی کھیتی کی پیداوار (گنّا، کپاس، کیلے وغیرہ) ایک جگہ جمع کرتے ہیں، اور گنّے وغیرہ سے اس کا رس نکال کر اس کی شکر تیار کرتے ہیں اور آخر میں وہ شکر فروخت کی جاتی ہے اور گنّے کی کٹائی سے لے کر شکر فروخت ہونے تک کے مختلف مراحل میں جو مصارف ہوئے وہ تمام مصارف وضع کر کے بقیہ رقم ہر ایک کو اس کے گنّے کی مقدار کے بموجب تقسیم کردی جاتی ہے، اس طرح کسان کو اپنی پیداوار کا معقول معاوضہ ملتا ہے، اور کسان تاجروں کے استحصال سے محفوظ رہتا ہے، اب گنے کی کٹائی سے شکر فروخت ہونے تک کا زمانہ طویل ہوتا ہے، اس درمیان کسان کو اپنی ضروریات کے

لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کو اس کے مال کے بقدر رقم علی الحساب دی جاتی ہے، آخر میں جب شکر فروخت ہوتی ہے اس کو قیمت طے کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس وقت ہر ایک کے حصہ میں اس کے مال کے بقدر جو رقم آتی ہے اس میں سے درمیان میں لی گئی رقم کاٹ لی جاتی ہے، اس لیے یہاں ثمن مجہول نہیں ہے اور یہ معاملہ درست ہے۔ ''سوسائٹیاں'' خود کسانوں کے بنائے ہوئے ادارے ہیں، اور ان کے کارندے کسانوں کے وکیل ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سہکاری منڈلی میں شرکت اور سہکاری ڈیری کا حکم

سوال: اجتماعی معاشی ترقی کے لیے باہم تعاون کا ایک طریقہ یہ ہے، کہ بہت سے لوگ اپنی اپنی رقم جمع کر کے ممبران میں سے منتخب ایک کمیٹی بناتے ہیں اس کو ہمارے علاقہ میں سہکاری منڈلی کہتے ہیں، یہ سہکاری منڈلی لوگوں کو بینک کے مانند سودی قرض بھی دیتی ہے، تجارت وغیرہ بھی کرتی ہے؛ لہٰذا کاشت کار اپنی مختلف اغراض کے لیے اور خود کاشت کے لیے بھی اس منڈلی سے قرض لیتا ہے، منڈلی جب کاشت کے لیے قرض دیتی ہے تو اس کے لیے کچھ شرائط بھی ہوتے ہیں مثلاً (۱) سود دینا ہوگا۔ (۲) فصل کا بیمہ کروانا ہوگا وغیرہ۔ بیمہ کی حقیقت یہ ہے کہ بیمہ کمپنی والے فصل کی حفاظت کی ذمہ داری اس طرح پر لیتے ہیں کہ کاشت کار کو ایک مقررہ رقم بالاقساط ''ہفتہ وار'' ایک مدت تک بیمہ کمپنی والوں کو دینا ہوتی ہے، اور بیمہ کمپنی والے اس لی ہوئی رقم کے عوض اس بات کی ذمہ داری لیتے ہیں کہ آسمانی یا زمینی کسی بھی بلا سے اگر کاشت ضائع ہو

تو بیمہ کمپنی والے کاشت کار کو مقرر رقم دیں گے، عموماً اس مقرر رقم کی مقدار کاشت کار کی ادا کی ہوئی رقم سے زیادہ ہوتی ہے، سوال طلب امر یہ ہے کہ............

(الف) کاشت کار کے لیے اس طرح منڈلی سے قرض لینا صحیح ہے؟

(ب) اگر اس طرح قرض لے لیا اور فصل ضائع ہوگئی تو بیمہ کمپنی سے اپنی ادا کردہ رقم کی مقدار سے زیادہ رقم لینا درست ہے؟

(ج) بالفرض اگر بیمہ کمپنی والے کاشت کار کی جمع کردہ رقم سے کم مقدار رقم دیں تو لینا صحیح ہے؟

(د) اس طرح کی منڈلی قائم کرنا یا اس کا ممبر بننا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(الف) جائز نہیں۔

(ب، ج) جتنی رقم ادا کی ہے اتنی مقدار یا اس سے کم وصول کر سکتا ہے، زائد نہیں۔

(د) جب اس میں معاملات سود پر مبنی ہیں تو اس کا قیام اور اس میں شرکت دونوں ممنوع ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سہکاری منڈلی سے سودی قرض لینا حرام ہے

سوال: بعض لوگ سہکاری منڈلی سے جانور کے لیے لون لیتے ہیں یعنی سودی قرض جو سہکاری منڈلی مقروض سے مع سود قسط وار وصول کرتی ہے، اس طرح لون لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سہکاری منڈلی سے غیر سودی قرض لینا

سوال: سہکاری منڈلی جانور خریدنے کے لیے بعض مرتبہ بلا سود قرض دیتی ہے، تو اس طرح سہکاری منڈلی سے بلا سود قرض لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

قرض میں دی جانے والی رقم اگر شرکاء کے سرمایہ کی ہے، تو بوقتِ ضرورت گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شیئرز کے مسائل

کمپنی کے شیئرز خریدنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین، شرعِ متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں جسے شیئر مارکیٹ کا کاروبار کہا جاتا ہے، اور جس کا طریقہ مندرجۂ ذیل ہے:

کوئی بھی کاروبار کرنے کے لیے بائع و مشتری، خرید و فروخت کرنے والے کو نفع و نقصان دونوں کا ذمہ دار بننا پڑتا ہے، بعینہ یہی صورت شیئرز ''حصص'' کے خرید و

فروخت کرنے والے کی ہوتی ہے، کسی بھی کمپنی کا شیئر دار جس طرح نفع حاصل کرتا ہے ویسے ہی کبھی نقصان بھی برداشت کرتا ہے، ہم یہاں آگے چل کر شیئر کی شکلوں سے بھی آگاہ کریں گے، یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ شیئر مارکیٹ دو طرح کے ہوتے ہیں:

① پرائمری مارکیٹ۔ ② سکنڈری مارکیٹ۔

① پرائمری مارکیٹ وہ ہے جس میں نئی کمپنیاں اور موجودہ کمپنیاں عوام کو براہِ راست شیئر الاٹ کرتی ہیں۔

② سکنڈری مارکیٹ یعنی ساتھ ہی موجودہ کمپنیوں کے شیئرز کی خرید و فروخت اسٹاک اکسچینج (جو ایک مرکز ہے اس) کی معرفت سے کیا جا سکتا ہے۔

شیئر مارکیٹ میں ایک فریق پیسہ لگاتا ہے تو دوسرے فریق کی محنت ہوتی ہے، اور نفع ہوتا ہے تو دونوں فریق آپس میں تقسیم کرتے ہیں، اور اگر نقصان ہوتا ہے تو دونوں برداشت کرتے ہیں۔

شیئرز کے کاروبار بڑے اعلیٰ پیمانہ کے ہوتے ہیں، ان کے بڑے منصوبے ہوتے ہیں، کسی بھی بڑے پروجیکٹ کو چلانے کے لیے سب سے پہلے بڑی رقومات کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے لیے زیادہ معاونین کی ضرورت ہے جو عقلی و مالی طور پر اس کے مدد و معاون ہوں۔ مثال کے طور پر پانچ آدمی مل کر ایک پروجیکٹ چلانے کے لیے آگے بڑھے آپس میں صلاح و مشورہ کیا کہ ہمیں ایک ٹیپ رکارڈ بنانے کا کارخانہ ڈالنا چاہیے، حساب کیا تو اس میں کل صرفہ ۱۰/ کروڑ لگ رہا ہے جو ایک بڑی رقم ہے ان لوگوں نے بڑی جد و جہد کی، دوستوں سے، احباب سے، کچھ ادھر ادھر سے کر کرا کر بڑی مشکل سے ایک کروڑ روپے جمع کر پائے کمپنی کھولنے میں سامان تیار

کرنے میں ۱۰/ کروڑ کی لاگت لگ رہی ہے، ابھی نو کروڑ اور چاہیے کیوں کہ ایک کروڑ سے تو ان کی کمپنی نہیں چلے گی، پروجیکٹ تیار نہیں ہو پائیں گے، اب یہ پانچ آدمی جو بورڈ آف ڈائریکٹر کہلائیں گے جو اس کمپنی کے بانی کہلائیں گے یہ لوگ حکومت کی اجازت سے بنی اقتصادی تنظیمیں ہیں، جیسے: آئی ڈی بی آئی، آئی سی آئی سی آئی، آئی سی ایف سی، ایس سی آئی، سی آئی، ان کے پاس پہنچیں گے اور ان سے رابطہ قائم کریں گے ان سے کہیں گے کہ صاحب ہم ایک پروجیکٹ چلانا چاہتے ہیں ہمیں نو کروڑ روپیوں کی ضرورت ہے ہم ایک ٹیپ رکارڈ بنانے کی کمپنی ڈالنا چاہتے ہیں اس میں آپ ہماری مدد کیجیے یا تو نو کروڑ ہمیں قرض دیں یا آپ بھی کمپنی میں ہمارے ساتھ حصہ دار بن جائیں نفع ونقصان دونوں میں شریک رہیں، اگر نفع ہوگا تو نفع میں شرکت آپ کی ہوگی، اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تو ہمارے ساتھ ساتھ آپ کو نقصان برداشت کرنا پڑے گا، یہ بات فائنس کمپنیوں سے ہوگی جو حکومت کی اجازت سے عمل میں آئی ہیں۔ اب وہ اقتصادی تنظیم ان پانچ آدمیوں کے حالات کا تنقیدی جائزہ لے گی کہ یہ لوگ اتنا بڑا پروجیکٹ چلانا چاہتے ہیں، ان میں اس کی صلاحیت ہے بھی کہ نہیں؟ یہ آگے چل کر اپنے مہم میں کامیاب ہو بھی سکتے ہیں کہ نہیں؟ ان کے ماضی میں کیا حالات رہے ہیں، مستقبل میں کامیابی کے آثار ہیں بھی کہ نہیں؟ ان ساری باتوں کا جائزہ لیں گے موازنہ کریں گے اگر وہ مطمئن ہو گئے، تب پیسے دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے، یا تو قرض کی شکل میں دیں یا ان لوگوں سے شیئر خریدیں؛ لیکن وہ قرض دیں یا شیئر خریدیں وہ نو کروڑ روپے نہیں دیں گے، بہت زیادہ سے زیادہ تعاون کر سکتے ہیں تو چار کروڑ روپے دینے کو تیار ہوں گے، یا دو کروڑ قرض دیں اور دو کروڑ کا شیئر خرید لیں

یا بہت کریں گے تو تین کروڑ قرض دیدیں، ایک کروڑ کا شیئر خریدلیں، یہ ناممکن بات ہے کہ پورا کا پورا نو کروڑ قرض دے دیں، اس طرح سے کر کے پانچ کروڑ جمع ہو گئے ایک کروڑ ڈائرکٹروں کے پاس سے اور چار کروڑ کمپنیوں سے، اب بھی پانچ کروڑ کی مزید ضرورت ہے کیوں کہ یہ جمع شدہ رقم اس پروجیکٹ کی بنیادی چیزوں میں ہی صرف ہو جائے گی، کچھ تعمیر میں خرچ ہو جائے گی اور کچھ مشینوں اور اس کے پارٹس خریدنے میں صرف ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ اگر یہ پیسہ ان سب چیزوں میں صرف کر دیا جاتا ہے تب بھی یہ لوگ اصل مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ ٹیپ رکارڈ تیار کرنے کے لیے کچے مال کی ضرورت ہے اس میں اور ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جس کے نہ ہونے سے یہ ٹیپ رکارڈ کلی طور پر تیار نہ ہو سکے گا، اب ان سے جو انتظام ہونا تھا وہ ہو گیا، جو مدد ملنی تھی مل گئی پھر بھی ان کا پروجیکٹ تیار نہیں ہو رہا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ یہ لوگ کہیں اور سے پیسے کا انتظام کریں تب حکومت کی اجازت سے بنی ایجنسی سیبی (SEBI) کے پاس جا کر اپنا معاملہ پیش کریں گے کہ: صاحب ہمیں باقی ماندہ پانچ کروڑ روپے عوام سے لینے کی اجازت دی جائے، سیبی (SEBI) ان کو اجازت دے دے گی کہ آپ اپنا پروجیکٹ چلانے کے لیے عوام سے مدد لے سکتے ہیں، اب اس کے لیے طریقۂ کار یہ ہوگا کہ یہ لوگ عوام کو اپنی کمپنی کا حصہ دار بنائیں گے اور ان کو شیئر دیں گے، اگر ۱۰/ روپے کا ایک شیئر ہے (شیئر کے معنی حصہ کے) تو پچاس لاکھ شیئرز بازار میں جاری کر دیئے جائیں گے، اس کا بذریعۂ اخبار اعلان کر دیا جائے گا، ۱۰ کے حساب سے پچاس لاکھ شیئرز کے پانچ کروڑ جمع ہو جائیں گے، فارم جاری کر دیا جائے گا، بینکوں کے نام دے دیے جائیں گے، وقت متعین کر دیا جائے گا کہ

تین روز کے اندر فلاں فلاں بینکوں میں اپنے اپنے پیسے جمع کرادیں جن کو شیئر خریدنا ہے، شیئر کے فارم پر بینکوں کے نام ہوں گے، اور طے شدہ تاریخیں ہوں گی ساتھ میں یہ بھی اعلان ہوجائے گا کہ مقررہ وقت سے قبل یا بعد میں کوئی فارم قابل قبول نہ ہوگا، فارم کے ساتھ ہی اس کے پروسپیکٹر ہوں گے، یعنی کس طرح کا پروجیکٹ ہے کون لوگ اس کے ڈائرکٹر ہیں، ان کے مؤسسین کی کیا اہمیت ہے؟ یہ کمپنی کیا بنا رہی ہے، اس کے آگے کیا امکانات ہیں؟ کیوں کہ ہندوستان کے لوگ جب اس میں پیسے لگائیں گے تو اس کی پوری جان کاری چاہیں گے، بہت سوچ سمجھ کر اس میں قدم بڑھائیں گے، اس بارے میں جاننے والوں سے معلوم کریں گے یہاں تک کہ مطمئن ہوجائیں، شیئر دار یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ ان ڈائرکٹروں کی ماضی میں کیا کارگزاریاں رہی ہیں، اگر پہلے کوئی اور اشیاء بنانے کا کام کرتے تھے تو اب اس بڑے پروجیکٹ میں کامیاب ہوسکتے ہیں؛ اس لیے ان سے منافع کی امید کی جاسکتی ہے، شیئر خریدنے والا یہ بھی دیکھے گا کہ اگر یہ منافع بخش کمپنی چلانے جارہے ہیں تو اس کا منافع صحیح طور پر تقسیم کرسکتے ہیں کہ نہیں، وہ ہمارے ساتھ کیسا سلوک کریں گے؟ جب ان سب باتوں کی صحیح طور پر تصدیق ہوجائے گی، یعنی سب سے پہلے ان کی حیثیت، ان کا کیریکٹر، ان کے معاملات، ان کے ماضی حال کے حالات دیکھیں گے۔

دوسری چیز یہ دیکھی جائے گی کہ یہ جو چیز بنارہے ہیں اس کی مارکیٹ میں وقعت ہے؟ بازار میں اس کی مانگ ہے کہ نہیں، پھر اس کا تناسب کیا ہے؟ بازار میں کتنے کی ضرورت ہے اور کتنا بنارہے ہیں، پھر اس چیز کی باہر ملکوں میں کیا وقعت ہے، وہاں کتنی مانگ ہے؟ کیوں کہ جب یہ باہر ملکوں میں جائے گا تو اس کے زیادہ منافع کے امکانات ہیں،

ایک یہ کہ ایکسپورٹ والے مال پر ٹیکس بھی نہیں ہے، ایسی چیزوں میں زیادہ منافع کے امکانات ہیں، ایک امپورٹ سبسٹیٹیوٹ کہتے ہیں، یعنی جو چیز پہلے باہر بنا کرتی تھی اور ہندوستان میں آکر فروخت ہوتی تھی اب وہ ہندوستان میں بننے لگی اور یہاں بن کر یہیں فروخت ہوگی، یعنی پہلے وہ چیز ۱۰۰/ ڈالر میں آئی تھی جو یہاں تین ہزار میں پڑتی ہے، اب یہاں وہ چیز ایک ہزار میں نکل رہی ہے جو پندرہ سو کی بکے گی، دو ہزار کی بکے گی تو اس میں ہزار، پانچ سو کا فائدہ ہونے کا امکان ہے، اور چوں کہ پہلے سے کم میں مل رہی ہے تو اس میں زیادہ مارجن ہے، یہ سب کھلنے والی کمپنی کی مفید شکلیں ہیں۔

اور تیسرا یہ کہ ہندوستان میں بن کر ہندوستان میں ہی فروخت ہو تو اب دیکھا جائے گا کہ اس چیز کی کل ضرورت کتنی ہے اور کونسی کمپنیاں ہیں جو اسے تیار کر رہی ہیں، اور کس مقدار میں بنا رہی ہیں۔

فرض کیجیے کہ معلوم کرنے پر ہم نے تخمینہ نکالا کہ کل کمپنیاں مل کر ۷۰/ لاکھ پونٹ تیار کر رہی ہیں، اور مارکیٹ میں ضرورت ہے ایک کروڑ کی، اس کا مطلب ہے کہ ۳۰/ لاکھ پونٹ کی اور ضرورت ہے، تو اس میں فائدہ ہے اور اگر اس کے برخلاف ہے تو اس میں پیسہ لگانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، تو انویسٹر (جو پیسہ لگا رہا ہے) یہ سب چیزیں دیکھے گا اور یہ بھی دیکھے گا کہ آگے یہ کمپنی کتنا منافع دے سکتی ہے، اس منافع کے حساب سے آدمی طے کرے گا اور پھر اس کے بعد کسی فیصلہ پر پہنچے گا۔ کمپنی نے اپنی پوری جان کاری فارم کے ساتھ دے دی ہے، اپنا پروسپیکٹس دے دیا ہے اب اس کے بعد انویسٹر فیصلہ کن قدم آگے بڑھائے گا چوں کہ اس کے مؤسسین صحیح ہیں، اس کے ڈائرکٹرس بھی صحیح ہیں، کل ملا کر یہ پروجیکٹ قابل اطمینان ہے کمپنی کے سارے احوال

لوگوں پر پھیل گئے کہ یہ کمپنی جو چیز تیار کرے گی وہ مارکیٹ میں فروخت ہو جائے گی، اور منافع اچھا ہوگا اور کسی طرح کا کوئی خدشہ لاحق نہ ہوگا، اب ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے سرمایہ دار حضرات اس کی طرف متوجہ ہوں اور سپلائی کر دیں۔ مقررہ مدت میں متعین شدہ بنکوں میں جو ہندوستان میں تقریباً ۳۰، ۳۵ ہیں، اپنے پیسے جمع کرنے شروع کر دیں۔ فارم تو بہت زیادہ چھپوا دیئے؛ مگر ان کو ضرورت تھی صرف پانچ کروڑ کی لوگوں نے دیکھا کہ یہ کمپنی بہت اچھی ہے، اس سے منافع کے امکانات زیادہ ہیں، کثیر تعداد میں لوگوں نے اپنی رقمیں جمع کرا دیں، اور جب سارے بنکوں کا حساب کیا گیا تو پانچ کروڑ کے بجائے پچاس کروڑ آگئے، ضرورت ہے صرف پانچ کروڑ کی، اب تو عجیب معاملہ ہو گیا ہے پہلے پیسے ہی نہیں تھے اب پیسے ہی پیسے ہو گئے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم سارے پیسوں کا پروجیکٹ تیار کر دیں، پروجیکٹ تو دس کروڑ کا ہی رہے گا، باقی رقم ہم انویسٹر کو معذرت کے ساتھ واپس کر دیں گے، اور بذریعۂ ڈرافٹ چیک ان کے پاس رقمیں بھیج دی جائیں گی، اب جن لوگوں کا فارم اور سرمایہ روک لیا گیا ہے وہ کمپنی کے شیئر ہولڈر کہلائیں گے کیوں کہ انھوں نے ۱۰، ۱۰ روپے کے سو شیئر خرید لیے ہیں، یعنی ایک ہزار کا شیئر خرید لیا ہے یہ لوگ کمپنی کے حصہ دار ہو گئے کمپنی میں ان کا حصہ ہو گیا اور وہ اپنے حصہ کے کما حقہ مالک بن گئے، انھیں یہ بھی حق ہے کہ یہ اپنا شیئر کسی دوسرے آدمی کو فروخت کر دیں یا اس کو برقرار رکھیں کیوں کہ شیئرز اِن کی ملکیت میں آگئے ہیں انھیں اپنے شیئرز کی خرید وفروخت میں کمپنی کی طرف سے کلی طور پر اجازت ہے۔

مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے: آپ یوں سمجھیں کہ اپلائی کرنے والوں

میں عمر اور بکر بھی تھے، عمر کی اپلائی منظور ہوگئی اور بکر کی درخواست رد کردی گئی وغیرہ وغیرہ، اب بکر نے دیکھا کہ یہ کمپنی بہت اچھی ہے آگے چل کر اس کے منافع کے امکانات بہت زیادہ ہیں، جن کی اپلائی منظور کرلی گئی ہے انھیں منافع بہت ہوگا، تو ہم کیوں نہ عمر کے شیئرز خریدلیں، بکر صاحب عمر صاحب کے پاس پہنچے کہ صاحب آپ نے جو ۱۰/ روپے کے حساب سے ۱۰۰/ شیئر ایک ہزار میں خریدے ہیں، آپ ہمیں ۱۲/ روپے میں دیدیں دو روپے منافع کے ساتھ، اب چوں کہ اس کمپنی کے بارے میں عمر صاحب کو جان کاری تھی کہ آگے چل کر اس سے زیادہ منافع ہاتھ آسکتا ہے؛ اس لیے انھوں نے صاف انکار کردیا کہ نہیں صاحب، ہم اپنا شیئر دو روپے منافع پر بھی دینے کو تیار نہیں ہیں، ایک تیسرے صاحب زید کو معلوم ہوا کہ عمر کی اپلائی منظور ہوگئی وہ آئے اور کہنے لگے کہ: صاحب ہمیں اپنا شیئر ۱۵/ روپے کے حساب سے دیدیجیے: مگر عمر صاحب اپنا شیئر ابھی بھی نہیں بیچتے ہیں، عمر صاحب کے بارے میں ایک چوتھے شخص خالد کو معلوم ہوا وہ آکر بولے کہ: عمر صاحب آپ اپنا حصہ ہمیں ۲۵/ روپے کے حساب سے فروخت کردیں عمر صاحب نے دیکھا کہ چند دنوں میں ۱۵/ سو کا منافع حاصل ہو رہا ہے، لاؤ بیچ ڈالوں، اور عمر صاحب اپنا شیئرز (حصص) فروخت کردیتے ہیں، ابھی کمپنی کا پروجیکٹ شاید شروع بھی نہیں ہوا ہوگا اور شیئر کا منافع ابھی سے ملنا شروع ہوگیا، توجہ طلب امر یہ ہے کہ بائع اپنی مملوکہ شئ کو فروخت کرسکتا ہے چوں کہ کمپنی سے ملے ہوئے شیئرز پر اس کا حق ہے وہ اس کا مالک ہے؛ اس لیے اس میں کلی طور پر تصرف جائز ہے، یہاں تک کہ ایک شیئر دار کو اتنا حق بھی حاصل ہے کہ اگر اس کی اکثریت ہم خیال ہے تو کمپنی کے ڈائرکٹر کو بھی بدل سکتے ہیں، پس اس طرح شیئر مارکیٹ میں نفع ہوتا ہے۔

اس کے برعکس دوسری صورت یہ ہے کہ عمر کو بعد میں پتہ چلا کہ یہ کمپنی آگے چل کر فیل ہوسکتی ہے یا منافع کے امکانات زیادہ نہیں ہیں اس کو آگے کی توقعات بہت کم ہیں، تو اس نے بکر سے کہا کہ: صاحب ہمارے شیئرز ۱۱/ روپے میں لے لیں، میں فروخت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ کمپنی کے بارے میں بکر صاحب کو بھی معلومات تھیں کہ یہ کمپنی آگے چل کر کوئی خاص ترقی نہیں کرے گی، زیادہ منافع نہیں مل سکتا، اگر ہے بھی تو بہت کم ہے، بکر صاحب نے کہا کہ: میں ۹/ روپے میں آپ کا شیئر خرید سکتا ہوں، یہاں ایک روپیہ کے حساب سے ۱۰۰/ روپے کا نقصان عمر صاحب کو ہو رہا ہے؛ اس لیے ان سے اپنا شیئر فروخت نہ کر سکے، خالد صاحب کے پاس گئے اور اپنا شیئر فروخت کرنے کی بات کی تو خالد صاحب نے کہا کہ میں ۹/۵۰ (نو روپیے پچاس پیسے) میں آپ کے شیئر خرید سکتا ہوں، اور عمر صاحب نے پچاس پیسے کے نقصان سے ان کے ہاتھ فروخت کر دیئے، اس طرح سے عمر صاحب کو شیئر مارکیٹ کی دنیا میں ۵۰/ روپے کا نقصان ہوا، تو شیئر مارکیٹ میں نفع ہوتا ہے اور نقصان بھی۔ جہاں نفع ہوتا ہے وہیں آئے دن نقصان بھی برداشت کرنا پڑتا ہے؛ لہٰذا شیئر دار نفع و نقصان دونوں کا مالک ہوتا ہے۔

سکنڈری مارکیٹ:

ہم بتا چکے ہیں کہ پرائمری مارکیٹ میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی ہوتا ہے، اور یہ کیسے ہوتا ہے یہ بھی بتا چکے ہیں؛ نیز آپ ان کی مختلف شکلوں کو ذہن نشین کر چکے ہیں۔ ہم اس کو تمثیلی طور پر بھی آگے بتائیں گے کہ شیئر دار آپس میں اپنے شیئر کی خرید و فروخت کیسے کرتے ہیں، اور وہاں ایک صورت میں عمر کو پندرہ سو کا منافع ہوا تھا، اور دوسری صورت میں عمر صاحب کو پچاس روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا تھا۔

یہ سب صورتیں اس وقت ممکن ہیں جب کہ بائع اور مشتری ایک دوسرے سے متعارف ہوں؛ لیکن سکنڈری مارکیٹ میں بسا اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کمپنی نے پچاس لاکھ کا شیئر الاٹ کر دیا، اور پورے ہندوستان میں اس کی تشہیر ہوگئی اور ہندوستان کے مختلف مقامات کے باشندوں نے خرید لیا، تو اب اس صورت میں شیئر ہولڈر کے بارے میں جانکاری غیر ممکن ہے یہاں تک کہ زید، عمر، بکر کسی کو بھی پتہ نہیں کہ اس کمپنی کے شیئر کن کن لوگوں نے خریدے ہیں، تو اس چیز کو ریگولیٹ کرنے کے لیے، اس کا نظم وانتظام کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے اسٹاک اکسچینج کا قیام عمل میں آیا، وہاں کچھ لوگوں کو حکومت نے لائسنس دیا، جنھیں کارڈ کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ انویسٹر کی جانب سے کاروبار کر سکتے ہیں، یعنی اسٹاک اکسچینج میں جا کر ہر آدمی کاروبار نہیں کرسکتا کیوں کہ یہ پتہ نہیں لگ سکتا ہے کہ عمر صاحب کا جو شیئر آیا ہے یہ انھیں کی ملکیت ہے یا کوئی دوسرا اس کا مالک ہے، جہاں ۸۰ / ۹۰ کروڑ کی آبادی ہے وہاں بلا واسطہ ایک دوسرے کو پہچاننا بہت مشکل ہے، تو اس کا طریقۂ کار حکومت نے یہ نکالا ہے کہ اسٹاک اکسچینج میں جو کارڈ ہولڈرز ہیں، جو لائسنس ہولڈر ہیں وہاں کی زبان میں انھیں بروکر کہا جاتا ہے، اگر کسی صاحب کے پاس کوئی شیئر ہے اور وہ فروخت کرنا چاہتے ہیں تو انھیں ان بروکرز سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ فرض کیجیے ہمارے نام کوئی شیئر ہے اور ہم بمبئی اسٹاک اکسچینج کی معرفت فروخت کرنا چاہتے ہیں تو اب وہاں کے جو بروکرز ہیں ان سے تعلق کرنا ہوگا کہ صاحب ہمارے شیئر فروخت کرا دیں، مثلاً ہمارے پاس ریلائنس کمپنی کے ۱۰۰/ شیئر ہیں، ہم اس کو فروخت کرنا چاہتے ہیں، یہ بات ہم بروکر سے کہیں گے، وہ بروکر ہم سے واقف ہوگا، ہمارے پچھلے بیک گراونڈ

سے جان کاری رکھتا ہوگا، اس کو یہ بات معلوم ہوگی کہ اس شیئر کے مالک یہی ہو سکتے ہیں تب وہ جا کے آگے کام کرے گا، اسٹاک اکسچینج کا جہاں کاروبار ہوتا ہے اسے ٹریڈنگ رنگ کہا جاتا ہے، وہاں کا وقت متعین ہے اس متعین وقت میں اس رنگ میں پہنچے گا، اور بروکر یہ کوشش کرے گا کہ ریلائنس کے شیئر کو فروخت کردے، اسی طرح ممکن ہے مدراس کے کسی صاحب نے بروکر سے کہا ہو کہ ہمارے لیے ریلائنس کے ۱۰۰/ شیئر خرید دیجیے، تو اس کا بروکر بھی اس رنگ کے اندر موجود ہوگا، اور دونوں آپس میں سودا کرلیں گے، ہمارا بروکر ہماری جانب سے کاروبار کرے گا، اور مدراس کا بروکر ان کی جانب سے کاروبار کرے گا۔ فرض کریں کہ ہمارے بروکر نے ۲۷۰/ روپے میں ہمارا ریلائنس کا شیئر فروخت کردیا اور دوسرے بروکر نے خرید لیا، ہم اپنے بروکر کے ذریعہ اپنے سرٹیفکیٹ اسٹاک اکسچینج میں پہنچادیں گے، اور دوسرا بروکر اسی اسٹاک اکسچینج کی معرفت سرٹیفکیٹ حاصل کرے گا، اسٹاک اکسچینج اس بروکر سے پیسے لے کر ہمارے بروکر کو دے دے گا، اس طرح ہمارا بروکر شیئر کے پیسے لے کر ہم تک پہونچادے گا اور دوسرا بروکر شیئرز لے کر دوسرے ہولڈر تک پہنچادے گا، اس طرح یہ کاروبار مکمل ہوجائے گا، اس صورت میں بھی نفع ونقصان ہوسکتا ہے۔

مثلاً خالد نے جس کمپنی کا شیئر ۲۵/ روپیے میں خریدا تھا، اور اخبار کے ذریعہ یا کسی بھی ذرائع ابلاغ سے پتہ چلا کہ حکومت نے اس کمپنی کے ٹیکس میں کمی کردی ہے ٹیکس پہلے بیس فیصد تھا اب دس فیصد کردیا ہے، ٹیکس کی کمی سے منافع کے امکانات زیادہ بڑھ جاتے ہیں، اب اس کمپنی کے شیئر کے خریدار بڑھ جائیں گے، یعنی ۲۵/ کا شیئر ۳۰/ میں بکے گا، ۳۵/ میں بکے گا، خریدار زیادہ ہوجائیں گے اور فروخت

کرنے والے کم ہوں گے؛ لہذا خالد صاحب نے اپنے علاقہ کے بروکر سے کہا کہ صاحب ہمارا شیئر فروخت کرادیں، اور خالد کا شیئر ۳۵/ روپے میں کسی بروکر نے خرید لیا ہے اس طرح خالد کو ۱۰/ روپے منافع کے حساب سے ۱۰۰ شیئر میں ایک ہزار کا منافع ہوگیا، تو یہ صورت نفع کی ہے، اور اس کے برعکس اخبارات کے ذریعہ پتہ چلا کہ اس کمپنی کے مقابلہ میں کوئی اور بڑی کمپنی آرہی ہے جس کے پروجیکٹ بڑے ہیں اور زیادہ مقدار میں مال تیار کرے گی لہذا اس میں فائدہ کے امکانات زیادہ ہیں، اب اس کمپنی کے جو شیئر دار ہیں وہ اپنے شیئر فروخت کرنا شروع کردیں گے، اس صورت میں فروخت کرنے والے زیادہ ہوں گے اور خریدنے والے کم، اس لحاظ سے اس کمپنی کے شیئر کی قیمت گھٹ جائے گی۔ مثال کے طور پر جس کے شیئر ۲۵/ روپے کے تھے، اب ۲۰/ روپے کے ہوجائیں گے، اور خالد بھی اپنے شیئرز کو اپنے بروکر کے ذریعہ اسٹاک اکسچینج کی معرفت ۲۰/ روپے میں فروخت کردے، اس لحاظ سے پانچ روپیے فی شیئر کے حساب سے سو شیئر میں پانچ سو روپئے کا نقصان ہوجائے گا، تو اسٹاک اکسچینج کی معرفت کاروبار میں بھی نفع ونقصان ہوتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کے کاروبار میں جس کو شیئر مارکیٹ کہا جاتا ہے شامل ہونا کیسا ہے؟ اس طرح کے کاروبار کر سکتے ہیں کہ نہیں؟

ازراہِ کرم مدلل جواب مرحمت فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی کمپنی کے شیئرز ابتداء میں جاری ہورہے ہوں اس وقت ان کو ایک شرط کے ساتھ لینا جائز ہے، وہ یہ کہ وہ کمپنی کوئی حرام کاروبار شروع نہ کررہی ہو؛ اس لیے اگر

کسی حرام کاروبار کے لیے وہ کمپنی قائم کی جارہی ہے تو اس کمپنی کے شیئرز لینا کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ کمپنی جب مکمل طور پر قائم ہو چکی اور ایک مرتبہ اس کمپنی کے تمام شیئرز سبسکرائب ہو گئے اس کے بعد جب اس کمپنی کے شیئرز کا اسٹاک مارکیٹ میں لین دین ہوگا وہ حقیقی معنی میں شیئرز کی خرید وفروخت ہے؛ اس لیے جو آدمی اسٹاک مارکیٹ سے شیئرز خریدنا چاہتا ہے اس کے لیے یہ سودا چار شرائط کے ساتھ درست ہوگا۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کمپنی حرام کاروبار میں ملوث نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کمپنی کے تمام اثاثے اور املاک سیال اثاثوں یعنی نقد رقم کی شکل میں نہ ہوں، بلکہ اس کمپنی نے منجمد اثاثے حاصل کر لیے ہوں، مثلاً: بلڈنگ بنالی ہو، یا زمین خرید لی ہو، لہٰذا اگر اس کمپنی کا کوئی فکسڈ اثاثہ وجود میں نہیں آیا تو اس صورت میں اس کمپنی کے شیئرز کو اس کی لکھی ہوئی قیمت (فیکس ویلیو) سے کم یا زیادہ میں فروخت کرنا جائز نہیں بلکہ برابر سرابر خریدنا ضروری ہے؛ اس لیے کہ جتنے لوگوں نے اس کمپنی میں اشتراک کیا ہے ان کی اشتراک کردہ رقم سے ابھی تک کوئی سامان نہیں خریدا گیا اور نہ اس سے کوئی بلڈنگ بنائی گئی، نہ کوئی مشین خریدی گئی اور نہ ہی کوئی اور اثاثہ وجود میں آیا، بلکہ ابھی تک وہ تمام پیسے نقد کی صورت میں ہیں، تو اس صورت میں دس روپے کا شیئر دس روپے ہی کی نمائندگی کر رہا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے دس روپئے کا نوٹ دس روپئے کی نمائندگی کرتا ہے، لہٰذا جب دس روپے کا شیئر دس روپے ہی کی نمائندگی کر رہا ہے تو اس صورت میں اس کو گیارہ روپے میں یا نو روپے میں خریدنا یا فروخت کرنا جائز نہیں؛ لیکن اگر کمپنی کے کچھ اثاثے منجمد شکل میں ہیں تو اس صورت میں دس روپے کے اس شیئر کو کمی یا زیادتی پر فروخت کرنا جائز ہے؛ لیکن اگر کسی وقت

نقد رقم اور واجب الوصول قرضہ دس روپیے سے زیادہ ہوجائے تو اس صورت میں دونوں مجموعی مقدار سے کچھ زیادہ میں وہ شیئر فروخت ہوسکتا ہے اس سے کم میں نہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ شیئر ہولڈر اس کمپنی کے اندر سودی کاروبار کے خلاف آواز ضرور اٹھائے اگر چہ اس کی آواز مسترد ہوجائے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جب منافع تقسیم ہو تو وہ شخص آمدنی کی تفصیلات سے یہ معلوم کرلے کہ آمدنی کا کتنا فیصد حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے، تو اب یہ شخص اپنے نفع میں سے اتنی مقدار بلانیت ثواب صدقہ کردے۔ (اس سلسلہ میں کچھ تفصیلات امداد الفتاوی، فقہی مقالات وغیرہ میں موجود ہے) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

بینک اور کارخانہ کے شیئر لینا

(سوال): بینک کے شیئر لینا کیسا ہے؟ اور کارخانہ سے جو شیئر حاصل کیے جاتے ہیں ان کا حکم کیا ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کے شیئر لینے کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ''امداد الفتاوی'' میں تحریر فرماتے ہیں: واقعات اور احکام میں غور کرنے سے حقیقت اس معاملہ میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ ایسے بینک میں روپیہ جمع کرتے ہیں وہ اس دکان دار کے شریک، یعنی بینک کے حصہ دار نہیں بلکہ اس دکان دار کو قرض دیتے ہیں اور وہ اس قرض پر سود دیتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۴۸۷)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سود ملتا ہے جو شریعت میں حرام ہے لہٰذا بینک سے شیئر لینا جائز نہیں۔

کارخانہ کے شیئر لینے کے بارے میں ''امداد الفتاویٰ'' میں ہے کہ: ''حقیقت اس معاملہ کی شرکت ہے یعنی متعدد حصہ دار اپنا سرمایہ جمع کر کے تجارت کرتے ہیں اور جو اس سے نفع ہوتا ہے وہ باہم تقسیم کرتے ہیں۔ الخ۔ اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں ان حصہ داروں کے وکیل ہیں۔ اھ'' (امداد الفتاوی ۳/ ۴۹۰)

اس لیے اگر وہ کمپنی جائز کاروبار کرتی ہے تو اس کارخانے کا شیئر لینا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی کاروبار کرنے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا

سوال: ① بڑی بڑی کمپنیوں کے شیئرز (حصے) لوگ خریدتے ہیں، کمپنی کاروبار کرتی ہے اور حکومت سے لون بھی لیتی ہے جس کا سود بھی ادا کرتی ہے، بعض دفعہ کمپنی خود بھی دوسروں کو سود پر رقم قرض دیتی ہے، تو کیا ایسی کمپنیوں سے شیئرز لینا شرعاً درست ہے؟

② ایک کمپنی ایسی ہے جو کاروبار کرتی ہے؛ لیکن سود پر رقم قرض نہیں دیتی؛ البتہ سال بھر ہر ماہ جو نفع حاصل ہوتا ہے اس کو بینک میں جمع کر دیتی ہے، سال کے ختم پر وہ رقم جس میں سود بھی شامل ہوتا ہے حصہ داروں کو تقسیم کر دی جاتی ہے، تو ایسی کمپنی کے ممبر بننا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② جن کمپنیوں کا ذریعۂ آمدنی ہی سود ہے یعنی اس کا منافعہ سود ہی سے حاصل ہوتا ہے تو ایسی کمپنیوں کے حصص خریدنا درست نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کا ذریعۂ آمدنی سود نہیں ہے؛ بلکہ پیداوار یا اجرت ہے؛ لیکن اس میں کچھ معاملات سودی بھی ہوجاتے ہیں، تو اس کے منافع میں حرمت نہ ہوگی، جب کہ کمپنی قائم کرنے والے کافر ہوں؛ البتہ کفار کی کمپنیوں میں شرکت خود مکروہ ہے، جیسا کہ مبسوط کے قول سے معلوم ہوا۔ اگر مسلمانوں کی کمپنیاں بھی سودی لین دین کرتی ہوں جیسا کہ آج کل غالب یہی ہے، تو کفار کی کمپنیوں کی شرکت، مسلم کمپنیوں کی شرکت سے اہون ہے۔ (ماخوذ از امداد الفتاویٰ ۴۹۷/۳) والبسط فیه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شیئرز کی خرید وفروخت کرنا

سوال: شیر بازاری میں شرکت درست ہے یا نہیں؟ عرف میں یہ بھی تجارت گردانا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز اشیاء بنانے والی کمپنی (مثلاً کپڑا، بجلی، موٹر) کے شیر خریدنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ شوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

لمیٹیڈ کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت

سوال: آج کل جو بھی لمیٹیڈ کمپنی خواہ وہ صنعتی ہو تجارتی ہو یا کاروباری ہو، اور ساتھ ہی وہ جائز چیزیں بناتی ہو یا خرید وفروخت کرتی ہو، تو اس کے شیئرز کی خرید وفروخت کس حد تک جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز اشیاء بنانے والی اور جائز اشیاء کی تجارت کرنے والی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی لین میں ملوث جائز اشیاء بنانے والی کمپنی کے شیئر

سوال: یہ یاد رہے کہ لمیٹیڈ کمپنی بینک سے سودی لین دین بھی کرتی ہے اور ساتھ عوام کے بھی روپے شیئرز کے ذریعہ حاصل کرتی ہے، اور خود کمپنی سرمایہ بھی اس میں ہوتا ہے تو اس طرح کی capital والی کمپنی جس میں سودی لین دین کم وبیش وجود میں آجاتا ہو تو اس کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو ایسے خرید وفروخت سے ہونے والی آمدنی میں کچھ کراہت بھی ہو سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شیئر ہولڈر کمپنی کے ذمہ داران کو مطلع کر دے کہ وہ سودی معاملہ نہ کریں، اس

طرح وہ اپنے آپ کو اس کی ذمہ داری سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سودی قرض لینے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا

سوال: ایک کمپنی ایک کروڑ روپئے کے سرمایہ سے کارخانہ چلاتی ہے، جس میں بیس یا پچیس لاکھ کے شیئرز نکالتی ہے، اور باقی روپیہ بینک سے قرض لیتی ہے، شیئر والوں کی رقم چند سالوں میں دس گنی ہوجاتی ہے، یہ رقم لینا صاحب شیئر کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اور خود استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کارخانہ کی پیداوار جائز اشیاء کی ہے، اور وہ کمپنی سود لیتی نہیں ہے تو صاحب شیئرز کے لیے اس رقم کا استعمال درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کمپنی کے شیئرز خریدنا

سوال: کچھ کمپنی کے شیئر (share) ملتے ہیں، خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ کمپنی خود سودی قرض بینک سے لیتی ہو، سود کا لین دین ہوتا ہے، ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے میں قباحت ہے؟ نیز ایسے خرید کے دام اچھے ملنے پر فروخت کرنا یہ تجارت کیسی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز اشیاء بنانے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا اور خریدنے کے بعد منافع لے کر فروخت کرنا جائز ہے، اور ناجائز اشیاء (مثلاً شراب، ٹی وی وغیرہ) بنانے والی کمپنی یا سود لے کر کمائی کرنے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا جائز نہیں ہے، کمپنی نے حکومت سے سودی قرض لیا ہے، اس میں اس کے ذمہ داروں کو سود ادا کرنا ہوتا ہے، اس میں اگر شیئر ہولڈر، ذمہ داران کمپنی کو یہ بتلادیں کہ آپ ایسا نہ کریں (اگرچہ وہ اس پر عمل کرنے والے نہیں ہیں) تو اس کی ذمہ داری سے شیئر ہولڈر بری ہو جائے گا، اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ قدیم کمپنیاں جن کو اب سودی قرض لینا نہیں پڑتا، ان کے شیئر خریدنے پر اکتفاء کرے۔ (کما یستفاد من امداد الفتاوی ۳/۴۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الاولی ۱۴۱۲ھ

کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت

سوال: (۱) کوئی بھی کمپنی جو حلال کام کرتی ہے اس کا شیئرز خریدنا اور بیچنا جب کہ اس کمپنی کے نقصان اور نفع میں ہم برابر کے شریک ہیں، کیسا ہے؟

(۲) اگر کسی نے سونا و چاندی خرید کر پورا پیسہ ادا کر دیا، اور کاغذ پر دستخط بھی کر دیا، تو کیا وہ شخص کمپیوٹر کے ذریعہ خرید کر کاغذی حق حاصل کرنے کے بعد عین سونا و چاندی کو قبضہ کئے بغیر فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟ کیا حقیقی قبضہ ضروری ہے؟

(۳) تانبا، پیتل، المونیم، گڑ، شکر اور ہلدی؛ وغیرہ خرید کر پورا پیسہ دیکر کاغذی حق بذریعہ کمپیوٹر لیکر خریدنا اور بیچنا یا تجارت کرنا کیسا ہے؟ جب کہ وہ نفع اور نقصان میں

برابر شریک ہیں؛ نیز اشیاء منقولہ کی خرید وفروخت قبضہ کیے بغیر درست ہے یا نہیں؟ کیا اس میں بھی حقیقی قبضہ ضروری ہے یا حکمی قبضہ کافی ہے؟ اسی کاروبار کے بارے میں لوگوں کو مشورہ دینا کہ کون شیئر کہاں خریدنا ہے اور کہاں فروخت کرنا ہے تا کہ فائدہ ہو شرعاً کیا حکم ہے؟

④ معلوم ہوا کہ ہر شیئر کمپنی کو بطور سیکورٹی گورنمنٹ میں رقم جمع کروانی پڑتی ہے، اور اس پر سود بھی ملتا ہے تو کیا رقم جمع کرنا اور سود لینا درست ہے یا نہیں؟

⑤ میں نے شیئر کے کاروبار کے لیے اپنا ویب سائٹ تیار کروایا ہے، اخباروں میں اس کا اشتہار آتا ہے، اس وجہ سے لوگ مجھ سے رابطہ قائم کر کے مشورہ لیتے ہیں اور اس کا مجھے معاوضہ ملتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① اگر کمپنی کا اصل کاروبار حلال ہے؛ مگر اس کے ساتھ ضمنی طور پر سودی لین دین بھی کرتی ہے، مثلاً بینک میں پیسہ رکھ کر سود بھی حاصل کرتی ہے، اور اسے حلال نفع میں شامل کرتی ہے (آج کل شاید ہی کوئی کمپنی اس سے محفوظ ہو) تو ایسی کمپنی نے ابتداءً جو شیئرز جاری کیے انہیں دو شرطوں سے خریدنا جائز ہے:

[ا] شیئرز خرید کر اس کمپنی کا حصہ دار (شیئر ہولڈر) چوں کہ اس سودی معاملہ میں کمپنی کا معاون ومددگار بن رہا ہے، اور اس کا پیسہ بھی اس گناہ میں استعمال ہو رہا ہے، لہٰذا اس پر واجب ہے کہ اپنی استطاعت کے بقدر اس کمپنی کے شرکاء کے سالانہ اجلاس میں سود کے خلاف آواز ضرور اٹھائے یا کم از کم ہر مرتبہ کے اجلاس میں ایک بار اس بات کا اظہار ضرور کرے کہ وہ اس سودی معاملہ پر راضی نہیں، یا ای میل کے ذریعہ سے کمپنی

کو خط لکھا کرے کہ کمپنی سودی لین دین یکسر ختم کردے، اگر چہ اس کی رائے اور آواز پر کان نہ دھرا جائے؛ مگر یہ اپنا فرض ادا کرتا رہے۔

[۲] شیئرز ہولڈر کمپنی کے ویب سائٹ پر انکم اسٹیٹمینٹ کے ذریعہ یہ جاننے کی کوشش کرے کہ اس کمپنی نے کل نفع میں سے کتنے فیصد سود کی مد میں حاصل کیا ہے؟ چناں چہ شیئر ہولڈر نفع وصول کرنے کے بعد اپنے حصہ کے تناسب سے اپنے نفع میں سے سودی نفع کے بقدر رقم فقراء پر بلا نیت ثواب صدقہ کردے، اگر سودی نفع کی مقدار کے بارے میں تحقیق و جستجو کے باوجود بھی علم نہ ہو سکے، تو اندازہ سے رائے قائم کرے اور جتنی مقدار کا گمان غالب ہو، وہ صدقہ کردے۔

یہ شرائط تو اس شخص کے بارے میں تھیں جو کمپنی کی طرف سے جاری کردہ شیئرز اس سے براہ راست لے کر گھر بیٹھے نفع حاصل کرنا چاہتا ہو؛ البتہ جب کمپنی ایک مرتبہ تمام شیئرز جاری کردے، اور اب کوئی شخص ان کی خرید و فروخت کے ذریعہ نفع کمانا چاہتا ہے تو اس کاروبار کے جواز کے لیے مزید تین شرطیں ہیں:

[۱] کمپنی نے شیئرز کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقم سے کچھ خام مال یا عمارت وغیرہ خرید لی ہو، یعنی کمپنی کے کچھ منجمد اثاثے وجود میں آچکے ہوں، کل اثاثے محض نقد (کرنسی) کی صورت میں نہ ہوں، بصورت دیگر شیئرز کی اصل قیمت پر خرید و فروخت تو جائز ہوگی، کمی بیشی پر نہیں؛ نیز شیئرز کی قیمت پر قبضہ بھی اس مجلس میں ضروری ہوگا، ادھار پر معاملہ جائز نہ ہوگا۔

[۲] شیئرز سرٹیفکٹ پر قبضہ ہو چکا ہو یا کسی بھی طرح یقینی طور پر شیئرز ہولڈر کی بقدر حصص ملکیت کمپنی میں ثابت ہو چکی ہو، جس کی علامت یہ ہے کہ کمپنی کو اگر بالفرض

نقصان ہوا تو اس نقصان کا ضمان قانوناً شیئرز ہولڈر پر بھی آتا ہو، چناں چہ شیئرز پر حقیقۃً قبضہ کے بغیر یا یقینی طور پر ملکیت ثابت ہوئے بغیر انہیں آگے بیچنا جائز نہیں۔

بعض حضرات کا شیئرز کی خرید و فروخت سے متعلق پورے معاملہ میں در حقیقت خریدنا اور بیچنا بالکل مقصود ہی نہیں ہوتا، ان کے پیش نظر سرٹیفکٹ وصول کرنا ہوتا ہی نہیں، اور نہ ہی یہ حضرات سرٹیفکٹ وصول کرتے ہیں؛ بلکہ محض زبانی کلامی اس پوری کارروائی سے مقصد انتہاء اور نتیجہ کے اعتبار سے فرق برابر کرنا ہوتا ہے، تو یہ صورت بھی جوا اور سٹہ بازی ہونے کی وجہ سے بالکل حرام ہے۔

[۳] سپاٹ سیل کرے، شارٹ سیل، فارورڈ اور فیوچر سیل اور ہیجنگ جائز نہیں۔

(جدید معاملات کے شرعی احکام ۱/۱۰۶ تا ۱۰۸)

②③ سونا، چاندی، تانبا، پیتل، المونیم، گڑ، شکر اور ہلدی وغیرہ اشیائے منقولہ میں سے ہیں، اس لیے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو بیچنا درست نہیں۔

القاعدة أنه اذا اشترى شخص منقولاً؛ فانه يشترط ليصح بيعه اياه، ان يكون قبضه، فان لم يكن قبضه فلا يصح بيعه اياه، ودليل ذلك:

(۱) ماروى ان النبي ﷺ نهى عن بيع مالم يقبض، والنهى يوجب فساد المنهى عنه

(۲) ولانه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه، لانه اذا هلك المعقود عليه قبل القبض يبطل البيع الاول، فينفسخ الثانى، لانه بناه على الاول، وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع فيه غرر.(احكام المعاملات المالية فى المذهب الحنفى ۲۹۱،۲۹۰)

ومن اشترى شيأ فلا يجوزله ان يبيعه قبل ان يقبضه………… والكلام

فی بیع المبیع قبل القبض فی فصول: احدھافی الطعام، فانّہ لیس لمشتری الطعام ان یبیعہ قبل ان یقبضہ؛ لما روی ان النبی ﷺ نھی عن بیع الطعام قبل ان یقبض، وکذلك ماسوی الطعام من المنقولات لا یجوز بیعہ قبل القبض عندنا (المبسوط للسرخسی ۱۳/۹،۱۰)

قبضہ خود کرے یا اپنے وکیل کے ذریعہ سے کرے تو بھی معتبر ہے؛ البتہ آپ نے اپنے سوال میں حکمی قبضہ کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس سے آپ کی مراد کیا ہے؟ جب تک وہ واضح نہ ہو جائے، جواب مشکل ہے۔

جس صورت میں قبضہ کیے بغیر فروخت کرنے کی وجہ سے بیع درست نہیں ہوتی، اس صورت میں ایسی بیوعات کے سلسلہ میں تعاون کرنا بھی درست نہیں۔

④ اس کا جواب نمبر ۱ میں آچکا ہے۔

⑤ جائز شیئروں کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں لوگوں کو مشورہ دینا اور اس پر معاوضہ حاصل کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کتاب المضاربت

معاملۂ مضاربت اور اجارہ میں خلط ملط

سوال: ایک صاحب کی ایک دکان ہے، اس نے ایک صاحب کو منافع میں حصہ دیا کہ سب کچھ رقم وخرچ میرا، تم محنت کرو اور تجارت کرو، منافع میں پچاس فیصد تمھارا حصہ ہے، اور ماہانہ اتنی تنخواہ ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟ اور اگر حصہ دے رقم میں، یعنی محنت کرنے والے کو کہے کہ میں تمھیں حصہ دکان میں دوں گا تو کیا جواز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب اس کو منافع میں حصہ دیا تو اب تنخواہ مقرر کرنا درست نہیں ہے، اگر تنخواہ مقرر کرنا ہے تو صرف تنخواہ ہی رکھے، اس لیے کہ منافع میں حصہ مقرر کرنے کی صورت میں معاملہ مضاربت کا ہے، اور تنخواہ مقرر کرنے کی صورت میں معاملہ اجارہ کا ہے، دونوں کو خلط کرنا درست نہیں ہے، کوئی ایک صورت تجویز ہونی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سونے میں عقدِ مضاربت

سوال: میں ایک شخص باہر ملک سے ہندوستان کے شخص کو سونا بغرض تجارت بھیج رہا ہوں، اس شرط پر کہ دونوں نفع میں برابر کے شریک رہیں گے، بالفرض اگر راستہ میں کچھ نقصان ہو جائے، تو بھیجنے والا اس کا ذمہ دار ہے، کیا یہ تجارت صحیح ہے؟ اور ایسا پیسہ کیا مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بھیجنے والے کا مال اور جس کو بھیجا ہے اس کی صرف محنت ہے، مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسا معاملہ جس میں ایک جانب سے مال ہو اور دوسری جانب سے محنت ہو، اس کو فقہی اصطلاح میں ''مضاربت'' کہتے ہیں۔

المضاربة: عقد يقع على الشركة بمال من أحد الجانبين، ومراده الشركة في الربح، وهو يستحق بالمال من أحد الجانبين، والعمل من الجانب الآخر الخ (هدايه ٣ /٢٤١)

مضاربت کے صحیح ہونے کے چند شرائط ہیں: جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ راس المال اثمان کے قبیل سے ہو۔

وشرطها أمور سبعة: كون راس المال من الاثمان كما مر في الشركة (درمختار) قوله من الاثمان أي الدراهم والدنانير (شامی ٤ /٥٣٩)

ہدایہ میں ہے: ولا تصح إلا بالمال الذي تصح به الشركة الخ (٣ /٢٤٢)

سونے اور چاندی کے ٹکڑے (بسکٹ) اگر دراہم ودنانیر کی طرح رائج ہوں، تو وہ عقد مضاربت میں راس المال بن سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔

ولا يجوز الشركة بما سوىٰ ذلك إلا أن يتعامل الناس بالتبر والنقرة الخ (هدايه ٢/ ٦٢٨)

چوں کہ دورِ حاضر میں سونے چاندی کے ٹکڑوں کا بطورِ دراہم ودنانیر رواج نہیں ہے، اس لیے ان میں راس المال مضاربت کی شرط نہیں پائی جاتی، اس لیے ان میں مضاربت درست نہیں ہوگی۔

ہدایہ میں ہے: إلا أن الأول أصح؛ لأنها وإن خلقت للتجارة في

الأصل لكن الثمنية تختص بالضرب المخصوص الخ (۲/ ۶۲۸)

بنابریں یہ معاملہ درست نہیں ہے؛ البتہ اگر سونے کا مالک دوسرے آدمی کو اپنا ملازم رکھ لے، اس کے بعد اس سے یہ کام لے، تو درست ہے، اس صورت میں اس کی تنخواہ مقرر کرنا ہوگا، کام کرنے والا اس مقرر تنخواہ کا حق دار ہوگا؛ لیکن اگر یہ کام سرکاری قانون کے خلاف ہے اور اس کے ارتکاب میں اپنی عزت کو داؤ پر لگانا ہے اور ایسا کام جس میں آبرو داؤ پر لگتی ہو، اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، اس لیے کہ عزت وآبرو کی حفاظت بھی مسلمان کا فریضہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عقدِ مضاربت میں رب المال کے لیے سیل پر نفع کا دارومدار

سوال: عابد کا ایک پرنٹنگ پریس ہے، اسی سے اس کا کاروبار چل رہا ہے؛ چوں کہ عابد کو اپنا پریس کاروبار جاری رکھنے کے لیے مزید روپیوں کی ضرورت درپیش ہے، جس سے وہ بذاتِ خود مجبور ہے؛ چناں چہ اس نے اپنے ایک دوست محمود سے ذکر کرتے ہوئے کہا کہ چوں کہ تم صاحبِ حیثیت ہو؛ اس لیے بہتر ہوگا کہ تم مجھے ۵/ لاکھ روپئے دیدو؛ تاکہ میں انہیں اپنے کاروبار میں لگادوں، اس سے تمہارا بھی بھلا ہوگا؛ بایں طور کہ ہر ماہ جتنا مال کا سیل ہوگا اس سیل میں سے چار فیصد میں (عابد) تمہیں (محمود) دوں گا۔

معلوم ہو کہ سیل کی مقدار مقرر نہیں ہے، کبھی بڑھتی ہے اور گھٹ جاتی ہے، اسی حساب سے محمود کے حصے میں کمی بیشی ہوتی رہے گی؛ لیکن سیل چار فیصد رہے گا، اور یہ

بھی معلوم رہے کہ شرحِ منافع بہ نسبت سیل کے یکساں نہیں ہے، یعنی یہ کہ منافع کبھی دس فیصد سیل کا اور کبھی پندرہ فیصد سیل کا ہوگا اور کبھی دو فیصد بھی ہوسکتا ہے۔

مذکورہ بالا صورت میں محمود کو اپنے پانچ لاکھ روپیوں پر سیل کے اعتبار سے، یعنی بیع پر چار فیصد پرینٹنگ پریس کے مالک عابد سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

معلوم رہے کہ نقصان کا احتمال اس کاروبار میں بہت کم ہے؛ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ طرفین یعنی عابد اور محمود سودی کاروبار کے قطعاً قائل نہیں ہیں، اس خوف سے کہ مذکورہ بالا باہمی معاملہ خدانخواستہ کہیں سودی انداز کا نہ ہو، اس لیے مؤدبانہ درخواست ہے کہ جلد جواب سے نوازیں، بڑی عنایت ونوازش ہوگی، اور کاروباری حضرات کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگا؛ کیوں کہ یہی خواہش ہے کہ حلال روزی نصیب ہو اور حرام سے ممکن طور پر اجتناب واحتراز۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں عابد ومحمود کے درمیان جو معاملہ ہوا اس کو مضاربت پر محمول کیا جاسکتا ہے؛ لیکن محمود کے لیے جو مقدار متعین کی گئی اس کی بنیاد نفع پر نہیں؛ بلکہ سیل پر ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ سیل ہونے کے باوجود نفع حاصل نہ ہو، (یا محمود کے لیے مقرر کی گئی مقدار سے کم ہوا) پھر بھی محمود کو چار فیصد ملے گا، اور یہ درست نہیں ہے؛ نیز اگر نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری مضارب (عابد) پر عائد ہو رہی ہے؛ حالاں کہ مضاربت میں اگر نقصان ہو تو وہ اولاً نفع (پہلے سے موجود ہو تو اس) میں سے وضع ہوتا ہے، اور پھر رأس المال میں سے، مضارب پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؛ جب کہ صورتِ مسئولہ میں رقم دینے والے (محمود) پر کسی حال میں نقصان کی ذمہ داری نہیں آرہی ہے،

یہ وہی سرمایہ دارانہ ذہن ہے جو دورِ حاضر میں عام ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا، بنظرِ انصاف غور فرمائیں کہ رقم دینے والا جو رقم دے رہا ہے دو حال سے خالی نہیں:

(الف): کیا اس رقم سے مستقرض کی اعانت مقصود ہے؟

(ب): یا اس کے منافع میں شرکت مقصود ہے؟ اگر پہلی صورت ہے تو اس کو چاہیے کہ مستقرض سے صرف اپنا مال (قرض دی ہوئی رقم) وصول کرے، اس سے زیادہ نہ لے، اور اگر دوسری صورت مقصود ہے تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ تجارت کے خطرات میں بھی اس کے ساتھ شریک رہے، اور جب نفع ہو تب ہی لے، یہاں تو رقم دینے والا اسیل میں سے ایک مقررہ مقدار وصول کرتا ہے، اور خود ہر قسم کے خطرہ سے محفوظ ہے، یہی تو سود ہے، رہی یہ بات کہ اس کاروبار میں نقصان کا احتمال کم ہے، اس سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ کم سہی؛ لیکن احتمال تو موجود ہے، بصورتِ نقصان رب المال تو محفوظ ہی رہا، اس لیے یہ صورت جائز نہیں؛ ہاں اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ محمود عابد کو یہ کہہ کر رقم دے کہ اس رقم سے کاروبار کرو، جو نفع ہو اس میں ہم نصفا نصف ہوں گے، یا میرا ایک تہائی تمھارا دو تہائی رہے گا، الحاصل اس رقم سے ہونے والے منافعہ میں کچھ فیصد محمود کا اور کچھ فیصد عابد کے لیے طے کیا گیا تب یہ عقد درست ہے۔ (بدائع الصنائع، تکملہ فتح الملہم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

مضاربت کی ایک صورت

سوال: ایک تاجر کی دکان کے بازو میں ایک دکان فروخت ہو رہی تھی، تاجر نے اپنے متعلقین میں سے زید کو کہا کہ آپ کے پاس روپے کی سہولت ہو تو یہ جگہ خرید لو،

دکان چلانے کی ذمہ داری میری رہے گی (یعنی کاروبار کرنے کی)، تاجر کے کہنے پر زید نے دکان خرید لی اور چابی تاجر کے حوالہ کر دی ہے، اور کہا ہے کہ آپ اس میں جو کاروبار کرنا چاہیں وہ کر سکتے ہیں، ہم کو کوئی اعتراض نہیں ہے، دکان میں جو بھی کاروبار کرانا چاہو کرا سکتے ہو، اس کی ساری رقم زید ادا کرے گا افتتاح تک، دکان سنبھالنے کی ذمہ داری کے عوض میں تاجر کو نفع کے روپے میں سے تیس فیصد اور زید کو ستر فی صد ملے گا، یہ زبانی طے ہوا ہے، یہ بات کا خلاصہ نہیں ہوا ہے کہ نقصان کس کے ذمہ رہے گا؟ اگر تاجر صرف منافع میں ہی شریک رہنا چاہے اور نقصان میں نہیں تو شرعاً یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ایک آدمی کا روپیہ اور دوسرے کی محنت؛ اور نفع میں دونوں شریک؛ اس نوع کی تجارت کو شرعاً مضاربت کہا جاتا ہے، اس میں بصورتِ منافعہ دونوں طے شدہ حصوں کے مطابق نفع میں شریک رہیں گے؛ لیکن نقصان کی صورت میں ذمہ داری صرف صاحب مال (یعنی زید) پر عائد ہوتی ہے، تاجر پر اگر نقصان میں شرکت کی شرط لگائی تو یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/صفر ۱۸ھ۱۴ھ

کاروبار میں سے تنخواہ کی رقم وضع کرنا

سوال: ایک صاحب کاروبار کرتے ہیں، کارخانہ چلاتے ہیں، ان کا کاروبار سیزن کا ہے، اپنے سرمایہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کو رقمیں لے کر شریک کرتے ہیں، سیزن ختم ہونے پر حساب کر کے منافع تقسیم کرتے ہیں، بندہ سے انہوں نے اس سلسلہ

کا تذکرہ کیا اور منافع کی تقسیم اور اندازہ بتایا، بندہ نے 11-5-94 کو پچاس ہزار روپیہ دیا، انہوں نے دو ڈھائی مہینے میں ۴۱۵۰/ منافع دیا، پھر دوبارہ اگلے سال کے لیے اور پچاس ملا کر ایک لاکھ پورا کیا، دوسرا سال کا منافع 11-7-95 کو ۱۳۲۴۰/ روپیہ دیا جو انہوں نے اندازہ ہر سال کا بتایا اس سے کم تھا، اس مرتبہ منافع کم ہوا انہوں نے بتایا، بندہ نے اور رشتہ داروں سے رقمیں لے کر ان کو دی، وہ کہا کرتے تھے کہ اور انتظام ہو تو گنجائش ہے، تقریباً پانچ لاکھ پانچ ہزار رقم لگی، 1995-96 میں انہوں نے حساب کر کے بہت تھوڑا منافع بتایا، پھر 1996-97 کا حساب کر کے پچھلے سال نفع کی بجائے نقصان بتلایا اور اس سال کا منافع بالکل نہ کے برابر بتلا کر ''اب ہم کاروبار بند کرتے ہیں'' کہہ کر گذشتہ سال کا نقصان وصول کر کے پانچ لاکھ پانچ ہزار کے بجائے ۴۹۹۵۵۰/ کا حساب کا پرچہ دے کر جماعت میں چلے گئے، رقم بھی نہیں لوٹائی، حساب کے پرچے میں انہوں نے جو حساب پیش کیا اس میں نقصان والے سال انہوں نے ڈھائی لاکھ روپیہ تنخواہ کے نام سے اٹھایا، اور آخر سال ڈیڑھ لاکھ روپیہ تنخواہ کے نام سے اٹھایا، اور سارے شریکوں سے نقصان وصول کیا، کیا اس طرح شرکت والے کاروبار میں اس طرح تنخواہ کے نام سے شریکوں کے علم کے بغیر اٹھانا جائز ہے؟ اور حساب ختم کر کے رقم بھی نہیں لوٹائی، اور جو لوٹائی وہ بھی دو قسطوں میں تقریباً تین ماہ بعد، اس تاخیر کی وجہ سے بندہ کو کافی نقصان ہوا، اب آپ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس معاملے میں ہم کیا کریں؟ اور اس شخص کو ہماری رقم لوٹانا چاہیے اور جو تنخواہ کے نام پر رقم لی ہے وہ تمام شریکوں کو ان کی رقموں کے اعتبار سے ادا کرنا چاہیے، معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال تنخواہ کے نام سے اٹھاتے ہوں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ نے رقم مضاربت پر دی تھی یعنی جو تجارت یا کاروبار وہ کریں گے اس میں رقم آپ کی اور محنت ان کی ہوگی تو اس صورت میں منافعہ میں ان کو جو حصہ مل رہا ہے وہ ان کی محنت کا معاوضہ ہے وہ اپنی محنت پر بطور معاوضہ تنخواہ نہیں لے سکتے ہیں، اس لیے انہوں نے جو حساب والے پرچہ میں تنخواہ کی مد میں جو رقم لگائی ہے وہ خود انہوں نے لی ہے تو ان کو ایسا کرنے کا حق نہیں تھا، اور اگر تنخواہ کے مد میں لگائی ہوئی رقم خود انہوں نے نہیں لی ہے بلکہ اس کاروبار میں جن کاریگروں اور مزدوروں کو کام پر لگایا ان کو ادا کی ہے تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

شامی میں ہے: (قوله والاستيجار) اى استيجار العمال للاعمال والمنازل لحفظ الأموال والسفن والدواب (٤/ ٤٨٥)

کاروبار میں جو نقصان ہوا پہلے اس کو منافع سے وضع کیا جائے اور اس کے بعد بھی نقصان بچ رہتا ہے تو وہ رأس المال یعنی جو پونجی لگائی گئی تھی اس میں سے وضع کیا جاوے گا۔

وما هلك من مال المضاربة يصرف إلى الربح؛ لأنه تبع، فإن زاد الهالك على الربح لم يضمن (در مختار ٤/ ٥٤٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹ / ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ہوٹل کے مشترک منافع سے بخشش دینا

سوال: زید کو شرکاء نے اپنا ہوٹل اس طرح چلانے کے لیے دیا کہ تم کو منافع میں سے چلانے کا خمس، یعنی پانچواں حصہ دیں گے، زید نے اس ہوٹل کو چلانے کے لیے

بکر کو ملازم رکھا، بکر اپنی نگرانی میں ہوٹل چلاتا ہے، اور زید کا اس کی ذمہ داری میں ہاتھ بٹاتا ہے، بکر کی ماہانہ تنخواہ جس کی مقدار اس قسم کے ملازمین کے عام معیار کی ہے؛ لیکن زید بکر کو سالانہ اس کی حسن کارکردگی کے انعام کے عنوان سے ہوٹل کے مشترک منافع سے ایک رقم بخشش کرتا ہے جب کہ عام طور پر زید کے مانند ذمہ داری لینے والے لوگ انعامی رقم مشترک منافع کی رقم سے نہیں دیا کرتے، بلکہ اپنی ذاتی منافع کی رقم سے دیتے ہیں، جس کی اطلاع بعض مرتبہ شرکاء کو زید کرتا ہے، اور بعض مرتبہ اطلاع بھی نہیں کرتا، اطلاع کرنے کی صورت میں بعض مرتبہ شرکاء رضامند ہوتے ہیں، اور بعض مرتبہ مجبوری کے درجہ میں رضامند ہونا پڑتا ہے، ان صورتوں میں زید کا مشترک منافع میں سے بخشش دینا کیسا ہے؟ بالخصوص شرکاء کی عدمِ رضامندی کی صورت میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر زید کو مالکین نے بطورِ عقد مضاربت ہوٹل کا کاروبار سپرد کیا ہے تو اس صورت میں زید اس کاروبار کے لیے کسی کو ملازم رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔

ويملك (اى المضارب) الايداع والرهن والارتهان والاجارة والاستيجار (درمختار) (قوله الاستيجار) اى استيجار العمال والاعمال والمنازل لحفظ الاموال والسفن والدواب (شامی ٤/ ٥٤١)

البتہ اس صورت میں زید ملازم کو اس کے کام کی وہ اجرت جو عموماً اس قسم کے ملازمین کو دی جاتی ہے، دے سکتا ہے، اس سے زائد رقم جو انعام کے نام سے دی جاتی ہے، مال مضاربت میں سے نہیں دے سکتا، اسی طرح مشترکہ منافع میں سے بھی بلا اجازت ورضامندی شرکاء نہیں دے سکتا، اگر دیا تو وہ خود اس کا ضامن ہے، شرکاء کی وہ اجازت

جو بلا رضامندی دل ہو وہ معتبر نہیں ہے۔ لقوله علیه السلام: لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفسه (مسند للامام احمد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک مضارب کو زائد رقم دے کر معزول کرنا اور دوسرے کو ملازم بنا دینا

سوال: (۱) زید اور عمر دونوں نے مل کر ایک دکان خریدی، اور اس میں تقریباً پندرہ شرکاء کو کم وبیش حصوں کے ساتھ شریک کیا، پھر سب نے مل کر زید کو ذمہ دار بنا دیا۔

اب کچھ عرصہ کے بعد عمر چوری کرنے میں پکڑا گیا، زید نے اپنے شرکاء میں جو زیادہ حصوں کے مالک تھے، ان سے مشورہ لے کر (معمولاً اس سے پہلے بھی دکان کے متعلق اہم کام میں جن سے مشورہ کیا کرتا تھا) عمر کو نکال دیا، اب عمر یہ کہتا ہے کہ میرے حصہ کی رقم پانچ لاکھ روپئے ہیں، اب آپ مجھے ساڑھے سات لاکھ (ڈھائی لاکھ زیادہ) دوگے تو ہی میں نکلوں گا، ورنہ میں نہیں نکلوں گا اس لیے کہ میں نے بھی دکان میں محنت کی ہے، اب عمر کے نہ نکلنے پر اور زیادہ چوری اور خسارے کا پختہ یقین ہے، تو زید نے زیادہ رقم مشورہ سے دے کر اسے نکال دیا (اس لیے کہ عمر نے دکان جمانے میں کافی محنت بھی کی تھی)۔

اب سوال یہ ہے کہ از روئے شرع زیادہ دی ہوئی رقم کے نقصان پر تمام شرکاء حصہ دار ہوں گے یا نہیں؟ زیادہ شرکاء کا کہنا ہے کہ اچھا ہوا نکال دیا، جب کہ بعض کا کہنا ہے کہ یہ نقصان ہمیں نہیں ملنا چاہیے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

صورت مسئولہ میں اگر مستقبل میں عمر کی خیانت کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا غالب گمان، بلکہ یقین ہو، اور قانونی اعتبار سے عمر کو شرکت سے الگ کرنا اس کی رضا مندی کے بغیر ممکن نہیں، اور عمر نے علیحدگی کے لیے اپنی رضا مندی کو مزید ڈھائی لاکھ وصول کرنے پر موقوف رکھا ہے، اس لیے بدرجۂ مجبوری دکان کو مستقبل میں پیش آنے والے نقصان سے بچانے کے لیے زید نے عمر کو ڈھائی لاکھ روپئے مزید دے کر اس کو الگ کیا ہے، تو یہ رقم تمام شرکاء پر بقدر حصص تقسیم ہوگی گویا کہ یہ تمام نقصان تمام کو بھگتنا ہوگا؛ البتہ عمر کے حق میں یہ رقم لینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

درمختار میں ہے: وفی الإختیار دفع المضارب شیئا للعاشر لیکف عنه ضمن، لانه لیس من امور التجارة لکن صرح فی مجمع الفتاوی بعدم الضمان فی زماننا، قال وکذا الوصی لانهمایقصدان الاصلاح (درمختار)

علامہ شامیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(قوله:لکن صرح فی مجمع الفتاوی) نقل فی المنح عنه مانصه، قال الشیخ الامام الاجل وکان شیخنا یقول: الجواب فی زماننا بخلاف هذا ولاضمان علی المضارب فیما یعطی من مال المضاربة لسلطان طمع فیه وقصدأخذه بطریق الغصب، وکذا الوصی اذا صانع فی مال الیتیم لأنهما یقصد ان الاصلاح بهذه المصانعة، فلو لم یفعل أخذ المصانع جمیع المال فدفع البعض لإحراز مابقی من جملة الحفظ فی زماننا، والامین فیمایرجع الی الحفظ لایکون ضامنا فأما فی زمانهم فکانت القوة لسلاطین العدل انتهی مختصرا ویؤخذمن هذا انه اذا دفع من مال

نفسه يكون متبرعاً فيضيع عليه مادفع الا اذا أشهد عند الدفع انه يرجع ويحرر، قال الرحمتى لا يضمن فى زماننا لغلبة أهل الظلم والرشوة اذا كانت لدفع الضرر عن نفسه، وعن رب المال كانت جائزة للدافع ماذونا فيها عادة من المالك وان حرمت على الآخذ انتهى (قوله لانهما يقصدان الاصلاح) أى فى هذه الرشوة فدفع البعض لاحراز ما بقى من جملة الحفظ والأمين فيما يرجع للحفظ لايكون ضامنا منح (تكملة رد المحتار مع الدر المختار ٢/ ٢٥٤،٢٥٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٦/ صفر المظفر ١٤٣٠ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مضارب کو معاملۂ مضاربت سے معزول کر کے ملازم بنانا

سوال: (٢) صورت مسئولہ میں ایک بات اور پوچھنی ہے، وہ یہ ہے کہ: زید کاروبار میں پہلے مضارب تھا، جب چوری کا واقعہ ہوا، اس وقت سب شرکاء نے مل کر اسے ملازم بنا دیا تھا، تو اس صورت میں شرعاً کوئی فرق ہوگا؟

(٣) سب شرکاء نے مل کر زید کو مضارب بنایا تھا اب کاروبار چالو ہونے کی ہی حالت میں سب نے مل کر زبانی طور پر زید کو مضاربت سے ختم کر کے ملازم بنا دیا، تو اس طریقہ سے مضاربت ختم ہو سکتی ہے؟ اب اگر ختم نہیں ہوئی تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(٢) کاروبار کو مستقبل میں پیش آنے والے نقصان سے بچانے کے لیے زید نے عمر کو جو رقم دی، وہ تمام شرکاء کو بقدر حصص تقسیم ہونے کی بنیاد مضارب کی امین والی حیثیت

ہے، جیسا کہ پہلے دیے گئے جواب میں منقول عبارتوں میں اس کی صراحت ہے، زید کو اگر بحیثیت ملازم کاروبار کا ذمہ دار بنایا گیا ہے، اس صورت میں بھی اس کی حیثیت اجیر خاص ہونے کی وجہ سے امین ہی کی ہے، اس لیے حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

③ اگر ارباب اموال مضارب کو دوران مضاربت معزول کرنا چاہیں، تو کرسکتے ہیں؛ لیکن جب تک مضارب کو اپنے معزول ہونے کا علم نہیں ہوگا، وہاں تک وہ مضارب ہی رہے گا، اور اس کا عمل مضاربت میں شمار ہوگا۔

فان عزل رب المال ولم يعلم بعزله حتى اشترى وباع فتصرفه جائز، وان علم بعزله والمال عروض فله ان يبيعها ولايمنعه العزل من ذلك.
(هدايه ۲/ ۲۵۰،۲۴۹)

لیکن اب کاروبار چالو نہیں رکھا جاسکتا، بلکہ مضاربت کا حساب کرکے اسے اس طرح ختم کیا جائے گا کہ مضاربت کے تمام سامان کو بیچ کر سرمایہ نقد کی صورت میں لایا جائے گا، مضاربت کے جو قرضے اور وصول کرنے کی رقوم لوگوں کے ذمہ ہیں وہ وصول کیے جائیں گے، اور یہ کام مضارب کرے گا۔

واذا افترقا وفى المال ديون وقدربح المضارب فيه، أجبره الحاكم على اقتضاء الديون. (هدايه ۳ /۲۵۰)

نیز مضارب اور ارباب اموال نے کاروبار کے دوران جو نفع علی الحساب وصول کیا تھا، اسے بھی شمار کیا جائے گا، اور جب کل سرمایہ حاصل ہوجائے گا، تو اس میں سے ارباب اموال کا رأس المال الگ کیا جائے گا، بقیہ رقم نفع کہلائے گی، اور یہ نفع مضارب اور ارباب اموال میں مقرر شرط کے مطابق تقسیم ہوگا، اگر کچھ بھی رقم باقی نہ بچی تو مضارب کو کچھ نہ ملے گا، اور اگر رأس المال کی رقم بھی پوری نہ ہوئی، تو کاروبار کے دوران

دونوں نے جو علی الحساب نفع وصول کیا تھا، وہ واپس لے کر رأس المال میں ملایا جائے گا، اور اگر رأس المال کی مقدار مکمل ہو کر کچھ رقم باقی بچ گئی، تو اس کو نفع قرار دے کر حسب شرط تقسیم کرلیا جائے گا، ورنہ مضارب کو کچھ نہیں ملے گا۔

وماهلك من مال المضاربة فهومن الربح دون رأس المال، فان زاد الهالك على الربح فلاضمان على المضارب، وان كانايقتسمان الربح والمضاربة بحالها ثم هلك المال بعضه أوكله ترادا الربح حتى يستوفى رب المال رأس المال، واذا استوفى رأس المال فان فضل شئ كان بينهما، وان نقص فلاضمان على المضارب لمابينا. (هدايه ۳ /۲۵۱،۲۵۰)

اور جب تک کہ یہ پورا عمل مکمل نہ ہو، وہاں تک اس کاروبار کے حق میں حکماً عقد مضاربت باقی رہے گا، اس لیے کاروبار کو چالو رکھتے ہوئے اس کو ملازم بنا دینا درست نہیں، بلکہ جس روز اس کی مضاربت ختم کی گئی اور اس کو باخبر بھی کر دیا گیا اسی وقت سے چالو کاروبار کو سمیٹنا ضروری ہے؛ تا کہ ختم شدہ مضاربت کا حساب کتاب درست ہو۔

وان علم بعزله والمال عروض فله ان يبيعها و لايمنعه العزل من ذلك ......وعلى هذا موت رب المال فى بيع العروض ونحوها (هدايه ۳ /۲۵۰)

اور حاشیہ ہدایہ میں ہے: قوله وعلى هذا اشارة الى قوله لايمنعه العزل من ذلك يعنى لاينعزل المضارب بالعزل الحكمى اذا كان المال عروضا بل يبيعها بعدم العزل كمالاينعزل بالعزل القصدى فى تلك الصورة، لان عدم عمل العزل فيهالئلا يلزم ابطال حق المضارب ولاتفاوت فى ذلك بين ذينك العزلين (حاشية ۳ /۲۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ — الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مضارب کے پاس رب المال کی رقم امانت ہے

سوال: فی زماننا مالکِ رقم (کیپٹیل پارٹنر) اکثر کسی بھی فرد یا فریق پر اعتماد کرتے ہوئے تجارت کے لیے رقم مہیا کرتا ہے، تو وہ فرد یا فریق اپنا محنتانہ وصول کرتے ہیں؛ لیکن مالکِ رقم کے نفع کے بارے میں ذرا بھی نہیں سوچتے؛ بلکہ یوں کہتے ہیں: مضاربت میں تو نقصان مالکِ رقم کا ہی ہوتا ہے، چناں چہ آج کل تجارت کے شعبے میں اکثر ایسے حالات پیش آرہے ہیں کہ مالکِ رقم کو نفع ملنا تو در کنار، اس کی اصل رقم کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، اگر چہ منافع اخراجات کی مد کثیر ہونے کے سبب مخفی رہتے ہیں، یعنی مطلق خسارہ نہیں ہوتا؛ لیکن پھر بھی بعض واقعات میں نصف رقم، بعض میں ایک تہائی اور بعض میں صرف چوتھائی رقم اس فرد یا فریق سے وصول ہو پاتی ہے، اور بعض اوقات میں پوری پوری رقم ہی ڈوب گئی۔

اب جناب مفتی صاحب کے سامنے یہ معاملہ پیش ہے کہ: شرعاً مضاربت کی کونسی صورت میں پورا نقصان مالکِ رقم کا ہوتا ہے؟ اور محنت کرنے والے فرد یا فریق پر نقصان کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؟

دوسرا معاملہ آں جناب کی خدمت میں پیش ہے کہ: شرعاً مضاربت کی ایسی صورتیں تحریر فرمائیں جن سے مالکِ رقم کی رقم محفوظ رہے اور وہ منافع سے باقاعدہ مستفید ہوتا رہے۔ اگر ان صورتوں کو مثالوں سے واضح فرماویں تو احسان بالائے احسان ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مضارب کے پاس رب المال کی رقم امانت سمجھی جاتی ہے، اور عقدِ مضاربت کا

پورا مدار امانت و دیانت پر ہے، بہ قول آپ کے: جب مضارب کو رأس المال کی حفاظت کی کوئی پرواہ نہیں رہتی تو پھر امانت کہاں رہی! بلکہ اگر مضارب کی طرف سے کسی کوتاہی کا صدور ہو جائے تو اس پر ضمان واجب ہوتا ہے۔

مضاربت کا باب بڑا وسیع ہے؛ اس لیے آپ اس کے جس جز کے متعلق دریافت کرنا چاہیں اس کی تعیین فرما کر پوچھ لیں۔

دوسری بات یہ یاد رہے کہ: عقدِ مضاربت میں مضارِب الگ سے اپنا محنتانہ وصول نہیں کر سکتا؛ بلکہ منافع میں اس کے لیے جو حصہ مقرر کیا گیا ہے وہی اس کا محنتانہ ہے، اگر منافع کم ہوں گے تو لازمی طور پر اس کا محنتانہ بھی کم ہو جائے گا؛ اس لیے آپ کا یہ لکھنا کہ: وہ اپنا محنتانہ لے کر مطمئن ہو جاتا ہے اور منافع کی پرواہ نہیں کرتا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/۸/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

غیر مسلم کے ساتھ عقدِ مضاربت کرنا

سوال: اگر کسی مسلمان نے غیر مسلم کو اپنی رقم دی اور کہا کہ تو تجارت کر، اور جو کچھ نفع ہو اس نفع میں پچھتر پیسے مسلم کے اور پچیس پیسے غیر مسلم کے، تو ایسی تجارت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ معاملہ اصطلاحِ فقہاء میں مضاربت کہلاتا ہے، اگر دیگر شرائط مضاربت پائی

جاتی ہوں تو درست ہے؛ البتہ غیر مسلم کے ساتھ یہ معاملہ کرنا کراہت سے خالی نہیں؛ اس لیے کہ وہ حرام وحلال میں تمیز نہیں کرتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

كتاب الوكالة

وکیل بالشراء کا مؤکل مدیون پر ظلم در ظلم کرنا

سوال: محمد مرشد نے اپنے ماموں زاد نانا سے یہ کہا کہ مجھے آپ ایک پاورلوم مشین دلادیں، تو ہم بھی اچھی طرح سے روزی روٹی حاصل کرسکیں، اس وقت مرشد کے نانا نے یہ کہا کہ تم اگر اپنا گھر اپنے والد سے میرے بندھک کرادو، اس کے عوض مشین میں جو بھی رقم لگے گی، میں دے دوں گا، تم سب بھائی بہن مل جل کر کام کروگے اور دھیرے دھیرے مشین کی رقم وصول دیتے رہوگے، مرشد نے یہ الفاظ اپنے باپ محمد علی جان کو بتائے، وہ تیار ہوگئے؛ لہٰذا علی جان اور مرشد نانا حبیب الرحمن سے گفت وشنید کے بعد یہ طے ہوا کہ مشین تم اپنے سے دیکھ بھال کرلوگے، میں صرف مشین میں جتنی رقم لگے گی، دے دوں گا، بدلے میں تم اپنا گھر میرے نام بندھک کے طور پر لکھ دو؛ تاکہ کل آئندہ دن تمھارا لڑکا کسی طرح کی عیاری نہ کرسکے اور ان کے دل میں چور ہو کہ وہ پیسہ جلد وصول دینے کی کوشش کرے، محمد علی جان نے حاجی حبیب الرحمن کی ساری باتوں اور شرائطوں کو منظور کرلیا اور گھر لکھنے پر تیار ہوگئے اور کچہری جاکر حاجی صاحب کو اپنے گھر کا قبالہ دے دیا اور ان کے یقین پر ان کے بنائے ہوئے کاغذات پر دستخط کردیئے، اس وقت محمد علی جان کو اس بات کا علم نہ ہوسکا کہ کاغذات پر کیا الفاظ تحریر کئے گئے ہیں؛ چوں کہ انہیں حاجی صاحب پر یقین واعتماد تھا اور قریبی رشتہ داری بھی تھی، لیکن دستخط کرنے کے بعد حاجی صاحب نے کچہری میں بتایا کہ مبلغ دو ہزار روپئے کا قبالہ شرطیہ کرآیا ہوں، جس کی مدت سات سال ہے اور ساتھ ہی مشین تلاش کرنے کی ہدایت دی، دس بارہ دنوں بعد ایک مشین مرشد نے دیکھا اور حاجی صاحب

سے کہا کہ فلاں جگہ مشین ہے، جس کی قیمت پانچ ہزار روپئے ہے اور انہیں پسند بھی ہے اور یہی مشین کو خریدنا ہے؛ لہذا حاجی صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے، کل سویرے مشین خرید لیا جائے گا، لہذا دوسری صبح مرشد اپنے بھائیوں مع حاجی صاحب کے مشین والے کے گھر پہونچ گئے، بیل گاڑی بھی ساتھ لے گئے تھے، واضح رہے کہ مشین والے کو حاجی صاحب نے کتنی رقم دی یا اس مشین کی بابت خرید و فروخت کی کوئی دستاویز محمد مرشد یا محمد علی جان کو نہ ملا، دو ماہ کی مدت تک میں مشین چالو ہوگئی، اس درمیان محمد مرشد نے حاجی صاحب سے حسب ضرورت خورہ کر کے تقریباً دو ہزار روپئے لیے، تب حاجی حبیب الرحمن نے محمد مرشد سے کہا کہ تمھارے سر کل ملا کر میرے سات ہزار روپئے قرض ہو گئے ہیں، حاجی صاحب نے دانستہ طور پر کہا کہ فی ہزار پچیس روپئے کے حساب سے ایک سو پچہتر روپئے ماہانہ بنتا ہے، سو ہم لیں گے، مرشد نے عاجزی کی، تو ایک سو پچاس روپئے ماہانہ پر بات طے ہوئی اور اسی وقت حاجی صاحب نے ایک کاغذ مشین کے کرایہ کا لکھ کر مرشد کو دیا اور کہا کہ اپنے باپ سے دستخط کرا دو، لہذا مرشد نے دستخط کروائے اور کہا کہ یہ رقم مشین کا کرایہ رہے گی، ہوسکتا ہے ایسا نہ کرنے سے یہ رقم سود میں شمار ہو جاوے، اس دور میں حاجی صاحب بھی مشین پر مشین لے کر کپڑا تیار کرواتے تھے، یہی کاروبار اس کا ابھی بھی ہے؛ لہذا مرشد نے بھی اسی شکل کو اختیار کیا اور حاجی صاحب سے سوت وغیرہ لے کر کام کرنے لگا؛ مگر مرشد نے فائدہ نہ دیکھ کر بار بار کوشش کی کہ یہی کام مہاجن سے سوت لے کر کیا جائے، لیکن حاجی صاحب نے کاروباری چکڈن میں مرشد کو ایک ہزار روپئے مزید قرض دار بنا دیا، ایک دن مرشد دوسرے کے مہاض سے سوت لے آیا، اس نے کاروبار کو

دوسرے سرے سے چلانا چاہا، حاجی صاحب کو خبر ہوئی اور آدھمکے، غصے سے لال سے ہوتے ہوئے صاف لفظوں میں یہ بات کہی کہ تم دوسرے کا کام نہیں کر سکتے، چوں کہ یہ لوم میرا ہے، یہ لوم میں نے اپنے نام خریدا ہے اور تمہیں صرف کرایہ پر دیا ہے، تمھیں کام بھی صرف میرا ہی کرنا ہوگا، مرشد اور ان کے گھر والے غم کھا گئے اور پھر حاجی صاحب کے یہی کام کو جاری رکھا، حاجی صاحب ہر ماہ پابندی کے ساتھ مرشد کے حساب میں سے کرائے کی رقم نقد ایک سو پچاس روپئے کاٹ لیا کرتے تھے، مرشد پھر بھی اس کوشش میں لگا رہا کہ کسی طرح اس چکڈن سے آزاد ہو جاویں، جس کا تذکرہ مرشد حاجی صاحب سے برابر کرتا رہا، تب حاجی صاحب نے مشورہ دیا کہ تمھارے گھر کے بغل میں جو تھوڑی سی زمین خالی پڑی ہے، وہ میرے نام کر دو تو اس کے بدلے میں میں کچھ رقم دے دوں گا، تم بازار سے یہی سوت وغیرہ لے کر نقدی کے طور پر میرے اپنے کاروبار کو چلاؤ، پھر مرشد نے یہ بات اپنے والد محمد علی جان کو بتائی، علی جان کی ایک بار پھر حاجی صاحب سے گفت وشنید ہوئی، حاجی صاحب نے برجستہ یہ جملہ کہا تھا کہ تمھارا ایک انچ زمین ہم نہیں لیں گے، گھر تو میرے نام کر ہی چکے ہو، اس کی مدت سات سال کی ہے اور ساڑھے تین سال کا وقت گزر چکا ہے، اس زمین کو بھی میرے نام لکھ دو، کچھ رقم دے دوں گا نقدی کے طور پر، ہر کام کر و اور اسی مدت میں پیسے وصول کرنے کی کوشش کرو؛ لہذا محمد علی جان نے کچہری جا کر اس کاغذات پر بھی دستخط کر دیے، پھر بھی دلاسہ دیتے ہوئے حاجی صاحب نے کہا کہ تمھاری زمین سے مجھے کسی طرح کی کوئی لالچ نہیں اور اس وقت سوت اور تھوڑی رقم ملا کر کل تقریبا ایک ہزار چھ سو روپئے حاجی صاحب نے مرشد کو دیئے، دو ماہ کے بعد حاجی صاحب

آئے اور مشین کا کرایہ طلب کیا، مرشد نے مہلت مانگی کہ ایک ہفتہ کے بعد کرایہ دے دوں گا، اس پر حاجی صاحب فحش کلامی پر اتر آئے، اور غصے میں آکر یہ کہہ دیا کہ میرا لوم (مشین) بند کردو، مرشد کو بھی غصہ لگا، اس نے مشین کو جھنجھوڑ کر چھوڑ دیا، اس وقت سے تقریباً ۶ / سال مشین یونہی بند پڑی رہی اور حاجی صاحب بھی پھر کبھی کرایہ لینے دوبارہ نہیں آئے، لیکن محلے کے لوگوں کے پوچھنے پر حاجی صاحب نے یہ الفاظ کہہ دیے کہ مرشد کے یہاں میرا روپیہ دودھ نہیں گھی پی رہا ہے، پھر تقریباً ۶ / برس بعد پھر حاجی صاحب اس مشین کو دیکھنے پہنچے، اور خاص اسی وقت محلے کے ایک شخص نے حاجی صاحب سے پوچھ لیا کہ کیا یہ مشین بیچنے کا؟ حاجی صاحب نے فوراً کہا، ہاں! پوچھنے پر قیمت دس ہزار روپئے کہہ دیئے، اس شخص نے منظور کرلیا، اور حاجی صاحب نے مرشد کو کہا کہ مشین اس شخص کو اکھاڑ کر دے دو، مرشد نے مشین اکھاڑ کر اس شخص کے حوالے کر دیا، دو سال بعد پھر مرشد نے پانچ ہزار روپئے اپنے ساتھ لے کر حاجی حبیب الرحمن کے گھر جا کر مؤدبانہ انداز میں کہا کہ میں پانچ ہزار روپئے لایا ہوں، آپ میرا حساب دیکھ کر مجھے بتائیں کہ کیا ہے؟ تا کہ آپس میں لین دین رفع دفع ہو جائے؛ مگر اس نے حساب نہ دکھایا اور نہ ہی رقم طلب کی، صرف یہ کہہ کر ٹال گئے کہ تم حساب کیا دیکھو گے، تمھارے اوپر بہت پیسہ ہو گیا، بارہ سال کا تو مجھے صرف کرایہ کی رقم چاہیے، مرشد لوٹ آئے، پھر تقریباً ایک سال بعد مرشد اس کی ماں اور بھائیوں کے ساتھ نقد دس ہزار روپئے لے کر پھر حاجی صاحب کے پاس گئے اور مرشد کی ماں نے حاجی صاحب کے پیر پکڑ کر التجاء کی اور کہا کہ ماموں! یہ میرے بچے اتنی سی رقم لائے ہیں، انہیں لے لیجئے اور میرے مکان، کاغذات وغیرہ اسے رفع دفع کردیں، یہ سب بھی تو آپ ہی

کے بچے ہیں، یہ لوگ کہاں بھٹکیں گے، مگر حالات برعکس ہوئے، ترس کھانے کے بجائے حاجی صاحب نے مرشد کی ماں کو بڑی بری طرح پھٹکارا اور کھلے الفاظ میں مندرجۂ ذیل الفاظ برجستہ طور پر کہے ''وہ زمین میری ہے اور وہ گھر بھی میرا ہے، اب اگر تم اس گھر اور زمین کو لوٹانا چاہتے ہو، تو اس گھر اور زمین کی کل قیمت ستر ہزار روپئے دینا ہوگا'' یہ الفاظ سن کر مرشد اور ان کی والدہ اپنے گھر واپس آ گئے، ساری باتیں درج کر دی گئی ہیں اور مفتیان شرع متین سے پر زور گزارش ہے کہ ان باتوں کو اچھی طرح مطالعہ کرتے ہوئے جواب از بحوالۂ کتب دیں گے، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں مالکِ مشین سے خریداری کا جو معاملہ ہوا، اس میں حاجی حبیب الرحمن کی حیثیت وکیل بالشراء کی ہے، انھوں نے اس مشین کی جو قیمت ادا کی، وہ رقم ان کا محمد مرشد اور اس کے والد پر دین ہے، جس کی وصولیابی کا ان (حاجی) کو حق ہے۔

وفي الدرر من الوكالة للوكيل بالشراء الرجوع بالثمن على آمره، إذا فعل ما أمر به، سواء دفعه أي الثمن إلى بائعه أو لا اھ (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ۱/ ۳۶۷)

لیکن اس معاملہ کے بعد مشین پر ملکیت حاجی حبیب الرحمن کی نہیں؛ بلکہ محمد مرشد اور اس کے والد کی ثابت ہوئی۔

والملك يثبت للمؤكل ابتداء في الأصح (درمختار مع الشامي ٤ /٤٤٧)

حاجی حبیب الرحمن کا محمد مرشد سے یہ کہنا کہ کل ملا کر میرے سات ہزار روپیہ قرض ہو گئے ہیں، یہ خود ان کی طرف سے صحیح اقرار ہے کہ مشین کی قیمت جو حاجی نے ادا کی ہے، وہ محمد مرشد کی طرف سے ادا کی ہے؛ نیز اس سے پہلے جو باتیں اور معاملات ہوئے،

وہ بھی اس کے واضح قرائن ہیں، حاجی کا محمد مرشد کے مکان کو بندھک رکھنا، یہ بھی اسی کا ایک قرینہ ہے، اس لیے اس کے بعد حاجی حبیب الرحمن کا محمد مرشد کے پاس سے مشین کے کرایہ کے نام سے ماہانہ ڈیڑھ سو روپیہ وصول کرنا صریح سود ہے، جو حرام ہے، کرایہ کا نام دینے سے حکم بدلتا نہیں ہے، حاجی کے لیے ضروری ہے کہ کرایہ کے نام سے جتنی رقم اب تک وصول کی ہے، وہ محمد مرشد کو واپس کرے۔

(قوله فيجب رد عين الربا لو قائما، لا رد ضمانه الخ) يعني أنما يجب رد ضمانه لو استهلكه (شامی ٤ /١٩٧)

ایک مدت کے بعد حاجی حبیب الرحمن کا اسی مشین کے متعلق یہ دعویٰ کہ یہ مشین میری ہے، تمہیں صرف کرایہ پر دیا ہے، درست نہیں اور نہ تو حاجی حبیب الرحمن کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ مشین کسی کے ہاتھ فروخت کرے؛ لیکن اس کے باوجود حاجی نے محلہ کے ایک آدمی کو دس ہزار میں مشین فروخت کی، ان کا یہ تصرف فضولی کے تصرف کے حکم میں ہے، اگر محمد مرشد نے اس بیع کو بغیر جبر و اکراہ کے منظور کرلیا ہے، تو بیع درست ہوگئی۔

وقف بيع مال الغير لو الغير بالغا عاقلا فلو صغيرا أو مجنونا لم ينعقد أصلا الخ (شامي مع درمختار ٤ /١٥٢)

اور دس ہزار کی رقم کا مالک محمد مرشد ہے، حاجی حبیب الرحمن کے لیے ان دس ہزار کو وصول کرکے اپنے پاس رکھ لینا جائز نہیں تھا؛ بلکہ حرام ہے، اب جب کہ وہ رقم حاجی حبیب الرحمن نے خود رکھ لی، تو وہ محمد مرشد کا حاجی کے اوپر دین ہے، جس کی ادائیگی حاجی پر ضروری ہے، اب صورت حال یہ ہوگئی کہ حاجی کا کچھ دین محمد مرشد کے اوپر تھا، یعنی پانچ ہزار مشین کی رقم، دو ہزار اس کے علاوہ، ایک ہزار اس کے بعد اور ایک ہزار

چھ سو بالکل آخری (جو زمین بندھک دے کر لیے تھے) کل ملا کر یہ رقم نو ہزار چھ سو روپئے ہوئی، اس کے بالمقابل محمد مرشد کا کچھ دین حاجی حبیب الرحمن کے ذمہ ہے، یعنی دس ہزار جو حاجی نے مشین خریدنے والے محلہ کے آدمی سے وصول کر کے خود رکھ لیے، جو محمد مرشد کا حق تھا اور مشین کے کرایہ کے نام سے اب تک جتنی رقم حاجی عبدالرحمٰن نے محمد مرشد سے وصول کی ہے، وہ بھی حاجی کے ذمہ محمد مرشد کا دین ہے، دونوں کا حساب کرنے سے نتیجہ میں محمد مرشد کا حق حاجی حبیب الرحمن پر نکلتا ہے، اس لیے کہ حاجی حبیب الرحمن کی کل رقم جو محمد مرشد پر ہے، جس کی مقدار نو ہزار چھ سو ہوتی ہے، وہ تو مشین کی دوسری مرتبہ فروخت میں حاصل شدہ دین میں سے ہی وصول ہو جاتی ہے اور چار سو روپئے پھر بھی محمد مرشد کا حق باقی رہتا ہے، اور کرایہ کے نام سے اب تک جتنی رقم محمد مرشد سے حاجی حبیب الرحمن نے وصول کی ہے، ان سب کا لوٹانا حاجی حبیب الرحمن پر لازم ہے؛ نیز اب حاجی حبیب الرحمن کے لیے محمد مرشد کی زمین اور مکان کو بندھک کے نام سے اپنے پاس روکے رکھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں؛ بلکہ صریح ظلم ہے، حاجی حبیب الرحمن پر لازم ہے کہ پہلی فرصت میں مکان اور زمین محمد مرشد اور اس کے والد کے حوالہ کرے، (اور والد نہ ہوں تو دیگر ورثاء ان کے قائم مقام ہیں) اگر تاخیر یا ٹال مٹول کریں گے، تو سخت گنہ گار ہوں گے اور ظالم وغاصب شمار ہوں گے۔

باقی رہا حبیب الرحمن کا ستر ہزار کا مطالبہ تو یہ ظلم در ظلم ہے: ﴿فسیعلم الذين ظلموا أي منقلب ينقلبون﴾ حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من أخذ شبرا من الأرض ظلما فإنه يطوقه يوم القيٰمة من سبع أرضين" (مشکوٰۃ: ۲۵۴)

یعنی جو آدمی کسی کی ایک بالشت زمین بھی رکھ لے گا، تو اس کو قیامت کے روز سات

زمین کا طوق پہنایا جائے گا۔ (اعاذنا اللہ منہا) جماعتِ مسلمین کو بھی چاہیے کہ ظالم سے مظلوم کا حق دلانے میں مظلوم کی بھرپور مدد کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

وکیل مؤکل کے خلاف تصرف کا خود ذمہ دار ہے

سوال: ہمارے والد صاحب نے جو کاروبار ہمیں سونپا ہے، وہ ایسا ہے کہ سب کام ورکروں یعنی نوکروں سے لیا جاتا ہے اور ان سے پالیسی رکھنا پڑتا ہے، ایسا نہیں کرتے تو کام رک جاتا ہے، اور کاروبار میں خلل ہوتا ہے، اور دیتے ہیں تو والد صاحب وہ رقم واپس ہم کو دینے سے انکار کرتے ہیں، تو میں کیا کروں؟ ایسے ورکروں کو دی ہوئی رقم کاروبار سے وصول کرسکتا ہوں؟ آپ اس کے متعلق شرعی رو سے وضاحت کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

والد صاحب کی طرف سے آپ جو کاروبار کررہے ہیں، اس میں آپ ان کے وکیل ہیں، اور وکیل کو اسی تصرف کا اختیار ہوتا ہے جس کی مؤکل اس کو اجازت دے، اس لیے جب والد صاحب کی طرف سے ورکروں کو دینے کی اجازت نہیں ہے، اور آپ نے دی تو اس کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی، آپ کاروبار میں سے وہ رقم وصول نہیں کرسکتے۔ (ہدایہ ۲/۲۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

کارڈرائیور کا تاجر سے پارٹس خریدنا اور مالک کا قیمت ادا کرنا

سوال: زید ٹریکٹر وغیرہ کے پارٹس (پرزوں) کا تاجر ہے عمر اس سے کہتا ہے کہ میری موٹر فلاں نمبر کی بکر ڈرائیور چلاتا ہے اگر کبھی وہ پارٹس وغیرہ لینے آئے تو دے دینا قیمت میں ادا کروں گا، اتفاق سے چند دن کے بعد عمر کی موٹر خراب ہوئی بکر ڈرائیور اس کو میکینک کے پاس لے گیا، میکینک نے کہا فلاں فلاں اشیاء کی ضرورت ہے، بکر زید کی دوکان سے وہ اشیاء خرید لایا، عمر نے چند روز کے بعد زید سے معلوم کیا کہ بکر کتنی قیمت کا سامان لے گیا، زید نے بتایا کہ ایک ہزار ایک روپیہ کا، عمر نے وہ قیمت ادا کردی، سوال یہ ہے کہ اس طرح معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب بکر وہ اشیاء لینے آوے اس وقت اس کو ان اشیاء کی قیمت بتلا دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

كتاب المزارعة

ایک کی زمین دوسرے کا بیج کھاد

سوال: زید نے اپنی زمین بکر کو اس طرح کاشت کے لیے دی کہ پانی، کھاد، بیج سب کچھ بکر کے ذمہ رہے گا اور زید کو اس کی زمین کے عوض پیداوار کا ایک تہائی حصہ دیا جائے گا یہ معاملہ شرعاً صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔

ومنها: ان تكون الارض من جانب، والباقى كله من جانب، وهذا ايضاً جائز لان العامل يصير مستأجراً للارض لاغير، ببعض الخارج الذى هو نماء ملكه وهو البذر. (بدائع الصنائع ٦ /١٧٩)

اگر مزارع بلا شرط اپنی خوشی سے یہ امور انجام دیتا ہے تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صاحب زمین کا بیج، کھاد اور عامل کی محنت

سوال: صاحبِ زمین زید نے بکر سے اس طرح معاملہ کیا کہ بیج، کھاد، زمین سب کچھ زید کے ذمہ رہے گا، بکر کی تو صرف محنت ہوگی اور بکر کو محنت کے عوض پانچواں یا چھٹا حصہ طے شدہ دیا جائے گا شرعاً اس طرح معاملہ کرنا کیسا ہے؟

نوٹ: اس صورت میں زید بکر سے کھیتی کے کام کے علاوہ مثلاً جانوروں کی نگرانی، گھاس کاٹنا وغیرہ جیسے کام بھی کراتا ہے، اور کھیتی کے کام میں زید خود بھی بکر کا ساتھ دیتا ہے، اور یہ بات بہ طیب خاطر عرف عام کی وجہ سے کی جاتی ہے، شریعت کی

رو سے یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ ان تكون الارض والبذر والبقر والآلة من جانب والعمل من جانب، وهذا جائز؛ لان صاحب الارض يصير مستأجرا للعامل لاغير، ليعمل له فی ارضه ببعض الخارج الذی هو نماء ملكه وهو البذر (بدائع الصنائع ٦ /١٧٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صاحبِ زمین اور عامل کی شرکت بیج وغیرہ میں

سوال: زید صاحب زمین ہے، بکر سے اس نے اس طرح معاملہ کیا کہ تیری صرف محنت، اور بیج، کھاد، پانی وغیرہ سب میں ہم دونوں کا آدھا آدھا حصہ اور پیداوار میں سے بھی ہر ایک کا آدھا آدھا حصہ، زید صاحبِ زمین کا بکر سے اس طرح کل اخراجات میں بکر کو آدھے حصہ کا ذمہ دار ٹھہرا کر پیداوار میں آدھے حصہ کا شریک کرنا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ صورت درست نہیں ہے۔

ومنها: ان يشترط فی عقد المزارعة ان يكون بعض البذر من قبل احدهما والبعض من قبل الآخر وهذا لا يجوز، لان كل واحد منهما يصير مستأجرا صاحبه فی قدر بذره فيجتمع استيجار الأرض والعمل من جانب واحد وانه مفسد (بدائع الصنائع ٦/ ١٨٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ١٠/ ربیع الثانی ١٤٠٩ھ　　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک کی زمین دوسرے کا پانی تیسرے کی محنت

سوال : زید کا پانی، بکر کی زمین، عمر کی محنت، پیداوار میں سب برابر کے شریک شرعاً یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ درست نہیں ہے۔

ومنها: ان یشترك جماعة من احدهم الارض ومن الآخر البقر ومن الآخر البذر ومن الرابع العمل، وهذا لا یجوز ایضاً لما مر وفی عین هذا ورد الخبر بالفساد الخ (بدائع الصنائع ٦/١٧٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صاحبِ زمین کا سب کچھ دوسرے کا پانی کے عوض پیداوار لینا

سوال : زید صاحبِ زمین خود محنت کرتا ہے اور کھاد، بیج وغیرہ کے اخراجات بھی خود ہی اٹھاتا ہے؛ البتہ پانی بکر سے لیتا ہے اور پانی کے عوض پیداوار کا معین حصہ، مثلاً: ثلث دینا طے کرتا ہے، اس طرح پانی کے عوض میں پیداوار میں سے معین حصہ دینا کیسا ہے؟

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں پانی کی قیمت کے طور پر پیداوار کا معین حصہ دیتا ہے یعنی ثمن مجہول ہے جو درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صاحبِ زمین کا سب کچھ دوسرے کا پانی کے عوض قیمت لینا

سوال: زید صاحب زمین خود محنت کرتا ہے کھاد، بیج وغیرہ کے اخراجات بھی خود ہی برداشت کرتا ہے اور بکر سے قیمۃً پانی لیتا ہے، یعنی پانی کے عوض اس فصل کا غلہ نہیں، بلکہ روپئے دیتا ہے، اس طرح قیمۃً پانی خریدنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بکر اگر پانی اپنی مشین سے نکال کر اپنے قبضہ میں لاکر زید کی زمین میں پہنچاتا ہے تو یہ معاملہ درست ہے، ورنہ درست نہیں ہے۔

المياه اربعة انواع: الاول: الماء الذى يكون فى الاوانى والظروف ......اما الاول فهو مملوك لصاحبه لاحق لاحد فيه، لان الماء وان كان مباحا فى الاصل لكن المباح يملك بالاستيلاء اذالم يكن مملوكا لغيره الخ (بدائع الصنائع ٦/ ١٨٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مزارع کو گھاس میں حصہ نہ دینا

سوال: صاحبِ زمین زید نے بکر سے محنت کے عوض نصف پر معاملہ کیا؛ لیکن بکر کو صرف پیدا شدہ غلہ میں سے نصف حصہ دیا گیا، گھاس میں سے نصف حصہ نہیں دیا گیا تو شرعاً اس طرح فقط غلہ میں سے نصف حصہ دینا اور گھاس میں سے نہ دینا جب کہ آج کل گھاس کی بھی خاصی قیمت ہوگئی ہے کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہے، اور بوقتِ عقد یہ شرط کی گئی کہ غلہ اور بھوسہ دونوں میں آدھا آدھا حصہ رہے گا، تو یہ معاملہ درست ہے، اور حسبِ شرط بھوسہ کا آدھا حصہ مزارع کو ملے گا، اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہے اور بوقت عقد یہ شرط کی گئی ہے کہ غلہ میں آدھا آدھا حصہ اور بھوسہ مالک زمین (جس کا بیج بھی ہے وہ) لے گا تو یہ بھی درست ہے، اور شرط پر عمل ہوگا، اور بوقت عقد بھوسہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی گئی ہے، تو عرف اگر یہ ہے کہ بھوسہ میں بھی حصہ ملتا ہے، تو مالک زمین کو چاہیے کہ بھوسہ میں آدھا حصہ مزارع کو دے، اور اگر عرف نہیں ہے تو جس کا بیج ہے بھوسہ اسی کا سمجھا جائے گا۔ (تفصیل المسئلة فی الدر المختار والشامی ۵ /۱۹۵، ۱۹۴وتقریرات الرافعی علی الشامی ۲ /۳۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مزدوروں کو اجرت کے بجائے غلہ یا گھاس دینا

سوال: کھیت میں فصل تیار ہونے پر کاٹنے کے لیے جو مزدور لائے جاتے ہیں عموماً وہ اپنی مزدوری نقد روپیوں کی صورت میں لینے پر تیار نہیں ہوتے، بلکہ مزدوری میں غلہ طلب کرتے ہیں، چناں چہ بعض مرتبہ غلہ ہی مزدوری میں طے کیا جاتا ہے کہ مثلاً چالیس کیلو غلہ دیا جائے گا شرعاً یہ صورت کیسی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس کھیت میں وہ مزدور کاٹ رہے ہیں اسی سے نکلنے والا غلہ اجرت میں طے کیا گیا

تو یہ اجارہ فاسد ہے، یہ قفیز طحان والی صورت ہے جو ممنوع ہے۔ اور اگر مطلق چالیس کیلو غلہ بطور اجرت مقرر کیا گیا اور ضروری نہیں قرار دیا گیا کہ یہی غلہ جو اس کھیت سے نکلے گا وہ دینا ہے، تو اجارہ درست ہے، بعد میں مالک کو اختیار ہے، چاہے اسی غلہ میں سے دے، چاہے دوسرا کوئی غلہ دے؛ البتہ یہ یاد رہے کہ غلہ کی جنس اور نوع وغیرہ متعین ہونی چاہیے۔ (درمختار مع الشامی ۵/۳۹،۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غفرلہ

مزدور کو اسی کے کام سے اجرت دینا

سوال: کھیت میں فصل تیار ہونے پر کاٹنے والے مزدوروں کو مزدوری میں غلہ مع گھاس دیا جاتا ہے، جس میں غلہ کتنا ہے اور گھاس کتنی ہے، مقدار کی تعیین نہیں ہوتی، شرعاً یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال: کھیت میں فصل تیار ہونے پر کاٹنے والے مزدوروں کو صرف گھاس دی جاتی ہے، اس طرح کہ مزدور اس بات پر رضامند ہوتے ہیں کہ کھیت کاٹ کر گھاس ہم لے لیں گے، اور رائی وغیرہ فصل مالک زمین وغیرہ کو دے دیں گے، شرعاً اس طرح کا معاملہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

دونوں صورتوں میں اجارہ فاسد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کھیت کے محافظ کو اجرت میں غلہ دینا

سوال: فصل کی پرندوں وغیرہ سے حفاظت کے لیے ایک شخص اجرت پر رکھا جاتا ہے، اور اجرت میں اس کو بیس تیس کیلو مقرر مقدار میں غلہ دینا طے کیا جاتا ہے، یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسی فصل کا غلہ اجرت میں مقرر کیا گیا ہے تو اجارہ فاسد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حصہ کی تعیین کے بغیر مزارعت کا معاملہ

سوال: زید نے عبدالکریم کو بیس ہزار روپیہ قرض دیے اور عبدالکریم کی زمین اس بات پر کھیتی کرنے کے لیے لی کہ پیداوار میں سے کچھ تم کو بھی دوں گا، کچھ کی تعیین نہیں کی گئی، بلا تعیین کچھ حصہ پر کسی کی زمین کو کھیتی کرنے کے لینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ درست نہیں ہے۔

ومنها: ان يكون ذلك البعض من الخارج معلوم القدر من النصف والثلث والربع ونحوه، لان ترك التقدير يؤدى الى الجهالة المفضية الى المنازعة، ولهذا شرط بيان مقدار الاجرة فى الاجارات كذا هذا (بدائع الصنائع ٦/١٧٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رشوت دے کر نہر کا پانی کھیت کو پلانا

سوال: (۱) سرکاری نہر سے زمین داروں کو فی بیگہ اجرت پر پانی دیا جاتا ہے، بعض لوگ حکام کو رشوت دے کر تیس بیگہ زمین کو پانی پلاتے ہیں اور صرف بیس بیگہ کی اجرت دیتے ہیں، شرعاً یہ درست ہے؟

(۲) بکر نے سرکاری نہر سے جب کہ زید کی زمین کو پانی دیا جارہا تھا، حکام کو رشوت دے کر اپنی زمین کو بھی پانی پلایا، جس کی کوئی اجرت سرکار کو نہیں دی، یہ جائز ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

(۱) (۲) یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سرکاری نہر سے گاؤں کا تالاب بھرنا

سوال: سرکاری نہر سے چرا کر یا زبردستی گاؤں والے اپنے گاؤں کا تالاب بھر لیتے ہیں اور اس پانی سے پورا گاؤں فائدہ اٹھاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس کی گنجائش ہے؛ اس لیے کہ یہ پانی پینے پلانے (جانوروں اور انسانوں کے) لیے لیا جاتا ہے۔

(والشفة: شرب بنی آدم، والبهائم) بالشفاه، (ولكل حقها فی كل ماء لم يحرز باناء) (در مختار) (قوله بالشفاه) هذا اصله، والمراد استعمال بنی آدم لدفع العطش، او للطبخ، او الوضوء، او الغسل، او غسل الثياب

ونحوها كما في المبسوط والمراد به في حق البهائم الاستعمال للعطش ونحوه مما يناسبها افاده القهستاني الخ (شامی ۵ / ۳۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عقدِ مزارعت میں یوریا کھاد کی شرط لگانا

سوال: مبسوطِ سرخسی میں مزارعت کے بارے میں سرقین (دیسی کھاد) کی شرط مزارع پر کرنے کو مفسدِ عقد قرار دیا ہے، خواہ بیج مزارع کی طرف سے ہو یا رب الارض کی طرف سے، اور سرقین ڈالنے کی شرط رب الارض پر کرنے کو اس صورت میں مفسدِ عقد قرار دیا ہے جب کہ بیج مزارع کی طرف سے ہو، اور اگر بیج رب الارض ہی کی طرف سے ہو تو اس شرط کو جائز کہا ہے۔ (مبسوط للسرخسی باب الشروط اللتی تفسد المزارعة ۲۳ /۸۱،۸۲) لیکن ہمارے زمانے میں انگریزی کھاد (ڈی۔اے۔پی یوریا) کا رواج بھی عام ہے، اور لوگ اس کا شرعی حکم بکثرت دریافت کرتے رہتے ہیں؛ چوں کہ یہ انگریزی کھاد حادث ہے، اس لیے اس کا حکم صراحۃً کسی کتاب میں نہیں ملتا ہے، مسبوط میں دیسی کھاد کی شرط لگانے کے بارے میں جو تفصیل اوپر ذکر کی گئی ہے، اس میں پہلی تین صورتوں میں مزارعت کے فساد کا حکم لگانے کے ساتھ ساتھ اس کی علت بھی بیان کی ہے، اور چوتھی صورت میں صحتِ مزارعت کا حکم لگانے کے ساتھ وجہِ صحت بھی بیان فرمائی ہے، مزارع پر القاءِ سرقین کی شرط کو فاسد قرار دینے کی علت یہ بیان فرمائی ہے۔ لأنه إن شرط ذلك على العامل فقد شرط عليه ما تبقى منفعته في الارض بعد مضى مدة المزارعة، وشرط عليه اتلاف عين

مال لا يقتضيه عقد المزارعة، وذلك مفسد للعقد. یہ علت اس صورت میں بیان فرمائی ہے جب کہ بیج بھی عامل کی طرف سے ہو، اور اگر بیج رب الارض کی طرف سے ہو تو مزارع پر سرقین کی شرط کو فاسد قرار دینے کی علت یہ بیان فرمائی ہے۔ لأنهما شرطا على العامل ماتبقى منفعته بعد مضى مدة المزارعة.

تنقیح: پہلی صورت میں فساد کی دو علتیں بیان فرمائی ہے، جن میں سے ہر ایک فساد کی مستقل علت ہے کہ ان میں سے ایک علت کا پایا جانا بھی فساد کے لیے کافی ہے۔ اور دوسری صورت میں فساد کی ایک علت کو بیان کیا ہے اور ایک کو (پڑھنے والے کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے) چھوڑ دیا ہے؛ کیوں کہ دونوں صورتوں کا ذکر پہلے کیا ہے، اور دوسری صورت کو بعد میں ذکر کیا ہے؛ لہٰذا ان دونوں علتوں میں بیان کردہ دو علتوں میں سے ایک علت کا پایا جانا حکم بالفساد کے لیے کافی ہوگا، اور انگریزی دونوں کھادوں میں یہ علت فساد "شرط عليه اتلاف عين مال لايقتضيه عقد المزارعة" پائی جاتی ہے؛ لہٰذا سرقین کی شرط کی طرح انگریزی دونوں کھادوں کی شرط مزارع پر کرنا مفسدِ عقد ہونا چاہیے یا نہیں؟

اور سرقین کی شرط رب الارض پر کرنے کو فاسد قرار دینے کی وجہ (جب کہ بیج عامل کا ہو) یہ ذکر کی ہے۔ لأن هذا من عمل الزراعة فاشتراطه على رب الارض يكون مفسدا للعقد.

تنقیح: یہ علت بھی انگریزی دونوں کھادوں پر صادق آتی ہے، تو کیا اس صورت میں رب الارض پر انگریزی دونوں کھادوں کی شرط لگانا بھی مفسد عقد ہوگا یا نہیں؟

اور سرقین کی شرط رب الارض پر کرنا اس صورت میں جائز بتلایا ہے جب کہ بیج

بھی رب الارض کا ہو اور جواز کی علت یہ بیان فرمائی ہے: لأن القاء السرقین والعذرة فی الارض یکون قبل الزراعة وقبل الكراب ایضاً، وان لزم العقد فی جانب صاحب البذر عند القاء البذر فی الارض فکانه استاجره للعمل بنصف الخارج بعد ما فرغ من القاء العذرة والسرقین.

تنقیح: یہ علت انگریزی دونوں کھادوں پر صادق نہیں آتی؛ کیوں کہ ڈی۔ اے۔ پی۔ تو بیج کے ساتھ زمین میں داخل کیا جاتا ہے (زراعت سے پہلے نہیں ڈالا جاتا) اور یوریا کھیتی کے اگنے کے بعد ڈالا جاتا ہے جب صحت کی علت ان کھادوں میں نہیں پائی جاتی تو پھر ان کو شرط لگانے کا کیا حکم ہوگا؟ اور کس علت کی بناء پر؟

② آج کل کھیتی کے اگنے کے بعد مختلف قسم کے مضر حشرات الارض سے کھیتی کی حفاظت کے لیے پاؤڈر بھی ڈالا جاتا ہے، مزارعت کی صورت میں یہ پاؤڈر ڈالنے کی شرط عامل پر کرنا کیسا ہے؟

فقہاء نے کھیتی کی حفاظت مزارع پر قرار دی ہے، تو کیا مزارع پر لازم ہوگا کہ اپنے پیسوں سے پاؤڈر خرید کر ڈالے؟ اور پاؤڈر کے خرچ کی ذمہ داری دونوں پر کرنا کیسا ہے؟ اور اگر یہ شرط رب الارض پر کی جائے تو کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: محمد آدم بھیلونی خادم شعبۂ افتاء جامعہ نذیریہ کاکوسی گجرات

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سوال میں اٹھائے گئے نکات پر بحث کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عقدِ مزارعت سے متعلق چند اصولی باتوں پر ایک نظر ڈال لی جائے:

[ا] وہ تمام کام جن کا تعلق عملِ مزارعت سے ہے، یعنی اصلاح زرع کے لیے وہ

ضروری سمجھے جاتے ہیں ان کی ذمہ داری مزارع پر ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:ومنها: ان كل ماكان من عمل المزارعة مما يحتاج الزرع اليه لاصلاحه فعلى المزارع؛ لان العقد تناوله، وقد بيناه (بدائع الصنائع ٦/ ١٨٢)

عالمگیری میں ہے: واما احكامها: منها: ان كل ماكان من عمل الزراعة مما يحتاج الزرع اليه لاصلاحه فعلى المزارع (عالمگیری ٥/ ٢٣٧)

[٢] اگر مالک زمین نے مزارع پر کسی ایسے کام کی شرط لگائی جس کا اثر اور جس کی منفعت مدت زراعت کے بعد بھی باقی رہتی ہے، تو ایسی شرط مفسدِ عقدِ مزارعت ہے، مثلاً کھیت کے لیے دیوار یا باڑ لگانا یا نئی نہر کھودنا یا کھاد ڈالنا وغیرہ۔

بدائع الصنائع میں ہے:ومنها: ان يشترط صاحب الارض على المزارع عملا يبقى اثره ومنفعته بعد مدة المزارعة، كبناء الحائط والسرقند واستحداث حفر النهر ورفع المسناة ونحو ذلك مما يبقى اثره ومنفعته الى ما بعد انقضاء المدة؛ لانه شرط لا يقتضيه العقد (بدائع الصنائع ٦ /١٨١)

[٣] کوئی ایسا کام جو عمل مزارعت کے قبیل سے نہیں ہے، اس کی شرط مزارع یا مالک میں سے کسی ایک پر لگانا بھی مفسد عقد ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:وفی الاصل اذا شرطا فی المزارعة علی المزارع او علی رب الارض ماليس من اعمال المزارعة يفسد المزارعة (٤ /١٩٢)

اس موقعہ پر صاحب خلاصۃ الفتاویٰ نے اس کی بھی تصریح فرمادی ہے کہ کونسا کام اعمالِ مزارعت کے قبیل سے ہے اور کون سا نہیں ہے؟ فرماتے ہیں:

وعمل المزارعة ماينبت وينمی فی الخارج، ومالا ينبت ولا ينمی

فی الخارج فھو لیس من اعمال المزارعة (٤/ ١٩٢)

یعنی وہ کام جو پیداوار کو اگانے یا اس کو بڑھانے میں دخیل ومؤثر ہے وہ عمل مزارعت سے تعلق رکھتا ہے، اور جو اس قسم کا نہیں ہے وہ اعمالِ مزارعت میں سے نہیں ہے۔

[۴] عقد مزارعت میں یہ ضروری ہے کہ زمین عامل کے حوالے اس طرح کردی جائے کہ اس میں مالکِ زمین کا کوئی عمل دخل نہ رہے، اسی لیے مالک زمین پر کام کی شرط لگانا مفسد عقد مزارعت ہے؛ اس لیے کہ اس قسم کی شرط مزارع کی طرف تخلیہ وتسلیم ارض سے مانع ہوگی۔

بدائع میں ہے: ومنها: ان تكون الارض مسلمة الى العامل مخلاة، وهو: ان يوجد من صاحب الارض التخلية بين الارض وبين العامل حتى لو شرط العمل على رب الارض لا تصح المزارعة لانعدام التخلية، فكذا اذا اشترط فيه عملهما فيمنع التخلية جميعا لما قلنا، ولهذا لو شرط رب الارض الخ (٦/ ١٧٨)

[۵] بیج اور عملِ زراعت کے علاوہ دیگر تمام مصارف دونوں کے ذمہ بقدرِ حصص مشترکہ طور پر واجب ہیں۔

بدائع میں ہے: ومنها: ان كل ما كان من باب النفقة على الزرع من السرقين وقلع الحشاوة ونحو ذلك فعليهما على قدر حقهما، وكذلك الحصاد والحمل الى البيدر والدياس وتذريته لما ذكرنا ان ذلك ليس من عمل المزارعة حتى يختص به المزارع (٦/ ١٨٢، عالمگیری ٥/ ٢٣٧)

[٦] عقد مزارعت میں جس کی طرف سے بیج ہوتا ہے (چاہے مالک زمین ہو یا مزارع) اس پر نفس ایجاب وقبول سے یہ عقد لازم نہیں ہوجاتا؛ چناں چہ اس کے بعد

بھی اگر وہ بیج ڈالنے سے پہلے پہلے اس عقد سے کنارہ کشی اختیار کرے تو اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا، جب کہ اس کے مقابل پر نفس ایجاب وقبول سے ہی عقد لازم ہو جاتا ہے، اور اب اس کے لیے بلا عذر شرعی کنارہ کشی اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

ومنها: إن هذا العقد غير لازم فى جانب صاحب البذر، لازم فى جانب صاحبه، لو امتنع بعد ما عقد عقد المزارعة على الصحة، وقال لا اريد زراعة الارض له ذلك سواء كان له عذر او لم يكن، ولو امتنع صاحبه ليس له ذلك الا من عذر (بدائع ٦/١٨٢)

اس کے بعد چوں کہ سوال میں زیرِ بحث یہ ہے کہ کھاد کی ذمہ داری جب مالک یا مزارع میں سے کسی ایک پر متعین طور پر ڈالی جائے تو کیا حکم ہے؟ اس موقعہ پر اس کی تنقیح ضروری ہے کہ اس ذمہ داری میں دو امر آتے ہیں: ایک کھاد کی مالیت، اور دوسرا اس کھاد کو زمین میں ڈالنے کا عمل، اور کتبِ فقہ کی عبارتوں کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھاد کی مالیت سے قطعِ نظر صرف کھاد زمین میں ڈالنے کے عمل کی ذمہ داری بھی اگر مزارع پر مشروط کی گئی تو عقد مزارعت فاسد ہو جاتا ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: وفی الفتاوىٰ النسفي: لو شرط القاء السرقين فى المزارعة والمعاملة يفسد العقد، ولو لم يشترط لا يلزم العامل، فالحيلة ان يستاجر على اصلاح المسنيات وحفر الانهار والقاء السرقين باجرة يسيرة غير مشروطة فى العقد، ونقل السرقين عن البذرة ونواحيها ان كان متفاوتا؛ ولكن تفاوت ذلك قليل (٤/ ١٩٣)

دیکھئے یہاں القاء سرقین کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو عمل پر دلالت کرتا ہے؛ نیز آگے چل کر جو حیلہ بتلایا ہے اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ صرف عمل مراد

ہے، اس لیے کہ اجارہ منافع میں ہوتا ہے اعیان میں نہیں ہوتا، اور مالیت سرقین اگر مراد ہو تو وہ ازقبیل اعیان ہونے کی وجہ سے اجارہ ہی درست نہ ہوگا، اس لیے لامحالہ القاء سرقین کا عمل مراد لینا ہوگا، اسی طرح اوپر اصولی باتوں کے ضمن میں نمبر ۲ پر بدائع کی عبارت ہم نقل کر آئے، اس میں تصریح ہے کہ "ان يشترط صاحب الارض على المزارع عملا يبقى اثره ومنفعته" الخ اور اس کی مثال میں جو امور ذکر کئے گئے ہیں ان میں بناء حائط، رفعِ مسناۃ، ساتھ ساتھ السرقین کو بھی شامل کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہاں کھاد کی مالیت والی حیثیت کو نہیں؛ بلکہ اس کی عمل والی حیثیت کو ملحوظ رکھا ہے؛ نیز مبسوط کے زیرِ بحث مسئلہ میں جہاں اس عقد فاسد کا حکم بیان کیا ہے، وہاں بھی ان دونوں حیثیتوں کا الگ الگ لحاظ فرما کر حکم جاری کیا ہے۔ ولصاحب الارض اجر مثل ارضه واجر مثل عمله فيما عمل من ذلك، وقيمة سرقينه ان كا ن ذلك من قبله.

دیکھئے یہاں صاحب ارض کے عمل القاء سرقین کی اجرت الگ اور مالیت سرقین کی قیمت الگ دلائی گئی، جس سے ان دونوں کے الگ الگ ہونے کا پتہ چلتا ہے، اس لیے ضروری ہو گیا کہ شرط سرقین میں ان دونوں امور کا لحاظ کرتے ہوئے فیصلہ صادر کیا جائے۔

اب آپ کے اٹھائے ہوئے نکات کو دیکھتے ہیں، شرط سرقین میں اگر اس کی مالیت والی حیثیت کو دیکھا جائے تو اس شرط سے عقد مزارعت فاسد ہو جاوے گا؛ اس لیے کہ عقد مزارعت میں جتنے بھی مصارف آتے ہیں، ان کی ذمہ داری دونوں پر بقدر حصص مشترکہ طور پر ہے، جیسا کہ اصولی باتوں کے ذیل میں نمبر ۵ پر گزر چکا، اور قیمت سرقین کو متعین طور پر دونوں میں سے کسی ایک پر ڈالنا مقتضاءِ عقد کے خلاف ہے۔ اب اگر

یہ اشکال ہو کہ پھر چاروں صورتوں میں عقد فاسد ہو جانا چاہیے؛ حالاں کہ ایک صورت (شرطِ سرقین علی رب الارض اور بذر من قبلہ) میں جواز وصحت کی تصریح موجود ہے، تو اس کا جواب خود دلیل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور آخر میں ہم انشاء اللہ اس پر بحث کریں گے۔

اور اگر شرط سرقین میں اس کی عملی حیثیت کو دیکھا جاوے تو اس صورت میں بھی یہ شرط عقد مزارعت کے حق میں مفسد ثابت ہوگی، مالک کے حق میں تو اس لیے کہ یہ عمل مزارعت کے قبیل کی چیز ہے، اور اصول نمبر ۴ کے مطابق اس قسم کی شرط جو مزارع کی طرف تخلیہ وتسلیم ارض سے مانع ہو مفسد عقد ہے، اور مزارع پر یہ شرط لگانا اس لیے مفسد ہے کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو اعمال مزارعت کے قبیل سے ہونے کے باوجود، اس کا اثر اور اس کی منفعت مدت مزارعت کے ختم کے بعد بھی باقی رہتی ہے، اور اصول نمبر ۲ کے مطابق یہ بھی مفسد ہے۔

انگریزی کھاد اور دیسی کھاد میں مالیت والے پہلو کو مدنظر رکھا جائے تو دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور عمل والے پہلو کے اعتبار سے دونوں میں صریح فرق موجود ہے، اور وہ بھی دو طریقہ سے: پہلا تو یہ کہ دیسی کھاد ڈالنے والے عمل کا اثر اور اس کی منفعت مدت مزارعت کے ختم کے بعد بھی باقی رہتی ہے؛ چناں چہ دیسی کھاد ہر سال اور ہر فصل کے لیے ڈالنا نہیں پڑتا؛ بلکہ عموماً ایک یا دو سال کے فاصلے سے ڈالا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ کھاد ڈالنے کے بعد اس کا اثر اور اس کی منفعت دو تین سال تک باقی رہتی ہے، جب کہ انگریزی کھاد ہر فصل کے لیے ڈالا جاتا ہے، اگلی فصل میں کھاد ڈالنے کا جو عمل ہوا تھا بعد والی فصل تک بھی اس کا اثر باقی نہیں رہتا، تو گویا شرطِ سرقین مزارع

پر لگانے کی صورت میں اس کے عملی پہلو کی وجہ سے جو فساد آتا تھا، اس کی علت یہاں موجود نہیں ہے، دوسرا فرق وہ جس کی آپ نے سوال میں نشان دہی فرمائی ہے۔

اس تفصیل کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں، انگریزی کھادمیں:

(الف) مزارع پر شرط سرقین لگانے کا مطلب اگر یہ ہو کہ مالیت بھی اس کی اور عمل القاء کی ذمہ داری بھی اس پر، تو ظاہر ہے کہ پہلی حیثیت کا تقاضہ یہی ہے کہ عقد مزارعت فاسد ہو جائے۔ شرط عليه اتلاف عين مال لايقتضيه عقد المزارعة وذلك مفسد للعقد. چاہے بیج مزارع کی طرف سے ہو یا مالک کی طرف سے۔

البتہ اس کی عملی حیثیت کے اعتبار سے فساد نہیں آوے گا گویا "فقد شرط عليه ماتبقى منفعته فى الارض بعد مضى مدة المزارعة" والی علت مفقود ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ اگر عقد مزارعت کے اصول کے مطابق کھاد کے مصارف تو مالک و مزارع دونوں کے بقدر حصص برداشت کئے؛ لیکن عمل القاء کی ذمہ داری مزارع پر مشروط کی گئی تو اس سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔

تنبیہ: فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اذا شرط رب الارض والبذر من المزارع ان يسرقنها، قيل: تفسد المزارعة عند المتقدمين ولا تفسد عند المتأخرين، والفتوىٰ على قول المتأخرين، قاله الخجندى وعزيز ابن ابى سعيد كذا فى جواهر الاخلاطى (عالمگیری ٥ /٢٤٤)

اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: وحكى عن القاضى الامام عبدالواحد انه قال ان شرط (اى السرقين) على المزارع جاز ايهما كان البذر الخ

(خلاصة الفتاوىٰ ٤ /١٩٢، عالمگیری ٥/ ٢٤٤)

احقر کے خیال میں عالمگیری میں مزارع پر عمل سرقین کی شرط کو غیر مفسد قرار دینا مفتیٰ بہ بتلایا ہے، تو اگر اس کو عمل القاء پر محمول فرمائیں تو انگریزی کھاد میں متقدمین ومتأخرین دونوں کے قول پر عمل ہو جاوے گا۔

(ب) مالک پر شرط سرقین کی صورت میں اگر بیج بھی اس کی طرف سے ہو تو جائز بتلایا ہے، اور اس کی علت بتلائی ہے:

وهذا لان القاء السرقين والعذرة فی الارض يكون قبل الزراعة وقبل الكراب ايضاً وان لزوم العقد فی جانب صاحب البذر عند القاء البذر فی الارض فكانه استاجره للعمل بنصف الخارج بعد ما فرغ من القاء العذرة والسرقين.

اس تعلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ صورت اس لیے جائز ہوئی کہ (مالک کے ذمہ بیج ہے اور اصول نمبر ٦ کے مطابق صاحب بذر پر قبل القاء بذر محض ایجاب وقبول سے عقد لازم نہیں ہوتا) صاحب زمین پر عقد لازم ہو اس سے پہلے پہلے وہ عمل سرقین سے فارغ ہو چکا ہے، تو گویا تسلیم وتخلیہ ارض الی المزارع میں کھاد والی شرط سے کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی، اور صحت مزارعت کے لیے جس قسم کا تخلیہ ارض ضروری ہے وہ لزوم عقد کے وقت حاصل ہے، کیوں کہ وہ عمل سرقین سے اس سے قبل ہی فارغ ہو چکا ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ یہ تعلیل دیسی کھاد کی صورت میں درست ہے، اور انگریزی کھاد چوں کہ بیج کے ساتھ یا بعد میں ڈالا جاتا ہے تو وہاں یہ تعلیل درست نہیں ہو پاتی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزی کھاد میں یہ جواز والی صورت باقی نہیں رہے گی جیسا کہ اگر بیج مزارع کی طرف سے ہو، اور شرط سرقین مالک پر لگائی جاوے تو وہ اس لیے ناجائز

ہوتا ہے کہ یہ عمل زراعت میں سے ہے، اور عمل زراعت کے قبیل کی کوئی چیز مالک پر مشروط کرنا مانع عن التخلیہ ہونے کی وجہ سے مفسد عقد ہے، (دیکھئے اصول نمبر ۴) اسی لیے صاحبِ مبسوط نے اس کی تعلیل میں فرمایا ہے: ان شرط علی رب الارض فذلك بمنزلة شرط الكراب، والثنيان عليه لان هذا من عمل الزراعة فاشتراطه على رب الارض يكون مفسدا للعقد.

اوراس سے پہلے شرط کراب وثنیان کے ذیل میں وہ خود تصریح فرما چکے ہیں:

واشترط على رب الارض كرابها او الكراب والثنيان فان كان البذر من العامل فالمزارعة فاسدة؛ لان العقد فى جانب الارض يلزم بنفسه، وموجبه التخلية بين الارض والمزارع، واشتراط الكراب والثنيان عليه يفوت موجب العقد فيفسد به العقد، ثم الكراب من عمل الزراعة واشتراط بعض عمل الزراعة على رب الارض مفسدا للعقد. الخ

اور یہ سب بحث شرط سرقین کی عملی حیثیت سے ہوئی، اور مالیت والی حیثیت کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ عقد فاسد ہو۔

(۲) مضر حشرات الارض سے کھیتی کو بچانے کے لیے ڈالے جانے والے پاؤڈر کی ذمہ داری بھی مالک ومزارع پر بقدر حصص مشترکہ طور پر آتی ہے، اس لیے کہ یہ از قبیل مصارف ہے، اور اصول نمبر ۵ کے مطابق مصارف دونوں پر بقدر حصص مشترک ہیں؛ البتہ اس کو کھیتی میں ڈالنے کی ذمہ داری مزارع پر ہونی چاہیے، دونوں میں سے ایک پر اس کو مشروط کرنا مفسد عقد ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

هذا مافهمت من عبارات الكتب الفقهية، فان كان صوابا فمن الله

تعالیٰ، وان کان غیر ذلك فمنی ومن الشیطان فقط واللہ تعالیٰ أعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ عفی عنہ

مرتہن کا خود مرہون زمین کم اجرت پر کرایہ سے لینا

سوال: زید نے عبداللہ کو دس ہزار روپیہ قرض دیے اور اس کی زمین رہن رکھ لی، پھر عبداللہ سے وہی زمین، رائج کرایہ سے بہت کم کرایہ پر، کھیتی کرنے کے لیے لی، شرعاً اس طرح کا معاملہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید نے جب اس مرہونہ زمین کو اجرت پر کاشت کرنے کے لیے لیا تو اگر قبضہ کی تجدید ہوئی تھی تو نفس عقد اجارہ سے سابقہ عقد رہن باطل ہو گیا، اور اگر قبضہ کی تجدید نہیں ہوئی تھی تو یہ اجارہ فاسدہ ہے؛ اس لیے نفس عقد اجارہ سے سابقہ عقد رھن ابھی باطل نہیں ہوا ہے؛ البتہ جب اس پر اتنا زمانہ گزرا جس میں اجرت مثل کا کچھ حصہ واجب ہو جاتا ہے، تب عقد رہن باطل ہو گیا۔

واما الاجارة فالمستاجر ان کان هو الراهن فهی باطلة، وکانت بمنزلة ماذا اعارمنه او اودعه وان کان هو المرتهن وجدد القبض للاجارة أو أجنبیا بمباشرة احدهما العقد باذن الآخر بطل الرهن الخ (شامی ۵/ ۳۶۳)

وفی البزازیة وان استاجرها المرتهن فاسدا ووصل الیها ومضی زمان بمقدار ما یجب فیه شیء من الاجرة بطل الرهن اھ (شامی ۵/ ۳۶٤)

لیکن چوں کہ یہ بات یقینی ہے کہ اجرت میں یہ رعایت قرض کی وجہ سے ہے؛

اس لیے ناجائز ہے، اور ''کل قرض جر نفعا'' کے کلیہ میں داخل ہے، اگر عقدِ رہن میں مشروط ہے تب تو ظاہر ہی ہے، اور اگر مشروط بھی نہ ہو؛ لیکن چوں کہ متعارف ہے؛ اس لیے حسب قاعدہ ''المعروف کالمشروط'' کے بھی ناجائز ہے۔ (امداد الفتاوی ۱۳/ ۴۵۹ بتغیر یسیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مرھون زمین سے انتفاع

سوال: زید نے بکر کو پانچ ہزار روپیہ قرض دیئے اور اس کی زمین رھن (گروی) رکھ لی، اور بکر سے کہا کہ تیری زمین میں میں کھیتی کروں گا؛ لیکن کچھ دوں گا نہیں، زید کے لیے یہ معاملہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انتفاع مرھون سے اگر مشروط یا معروف ہو جیسا کہ آج کل ہے، ربا حرام ہے، اور ربا اذن سے حلال نہیں ہوتا۔ الخ (امداد الفتاوی ۳/ ۴۵۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مزارعتِ فاسدہ کی ایک صورت

سوال: بکر ایک ایکڑ زمین کا مالک ہے جس میں زمین کی سالانہ پیداوار تقریباً بیس من فصل ہوتی ہے، اب بکر اپنی زمین خالد کو اس شرط پر دیتا ہے کہ تم ہم کو دس من سالانہ فصل ادا کرو گے خواہ تم کو زیادہ ہو یا کم (فصل اگانے کے تمام اخراجات خالد ہی کو برداشت کرنے پڑیں گے) نیز سال میں کبھی فصل زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم ہوتی

ہے، تو بکر کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ مزارعت درست نہیں ہے؛ بلکہ فاسد ہے، اس صورت میں خالد بکر کو اس کی زمین کی اجرت مثل ادا کرے گا۔ (کذا فی کتب الفقہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مقروض کی زمین معمولی حصہ پر لینا

سوال: زید نے عبدالرحمن کو پانچ ہزار روپیہ قرض دیے اور عبدالرحمن کی زمین بہت کم حصہ پر مثلاً: عشر دسویں حصہ پر بونے کے لیے لی، شرعاً اس طرح قرض کی وجہ سے مقروض سے اس کی زمین کم حصہ پر بونے کے لیے لینا کیا درست ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ رعایت بھی قرض کی وجہ سے ہے؛ اس لیے ناجائز ہے اور "کل قرض جر نفعا" کے کلیہ میں داخل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرض دے کر نفع لینا

سوال: (۱) زید نے بکر کو ایک معقول رقم؛ اس لیے دی تاکہ وہ آلو کی کاشت کرے اور فصل تیار ہونے پر زید کو اس کی مکمل رقم واپس کردے، اور بقیہ میں سے اخراجات

نکالنے کے بعد اگر نفع ہوا ہے تو نصف نصف کریں گے، اور اگر نقصان ہوا ہے تو اس کے بھی نصف نصف کے دونوں ذمہ دار رہیں گے، تو شرعاً اس طرح معاملہ کرنا کیسا ہے؟

② زید نے بکر کو آلو کی کاشت کے لیے ایک رقم اس شرط پر دی کہ زید فصل تیار ہونے پر اپنی پوری رقم واپس لینے کے بعد بقیہ حصہ میں نفع میں بکر کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا؛ لیکن خدانخواستہ نقصان ہوا تو وہ صرف بکر کے ذمہ ہوگا، زید نقصان میں بکر کا شریک نہ ہوگا، کیا شرعاً اس طرح صرف نفع میں زید کا اپنی رقم کی وجہ سے بکر کے ساتھ شریک ہونا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ دونوں صورتیں نہ تو مضاربت میں داخل ہیں، اور نہ مزارعت میں؛ بلکہ درحقیقت زید بکر کو قرض دے کر نفع حاصل کر رہا ہے جو خالص ربا ہے جو حرام اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

آلو کا ایک پودا اکھیڑ کر پورے کھیت کے آلو کی بیع

سوال: آلو پودے کے نیچے زیرِ زمین لگتے ہیں، آلو پودے کے نیچے لگ گئے ہیں اس بات کو ایک پودا اکھاڑ کر معلوم کر لیا جاتا ہے، اور اسی وقت مشتری مالک سے آلو کا بھاؤ طے کر کے خرید لیتا ہے، حالاں کہ اس وقت آلو کی مقدار معلوم نہیں ہوتی ہے، اس بیع سے بائع، کل پیداوار مشتری کو دینا اور مشتری، کل پیداوار لینا اپنے ذمہ ضروری سمجھتا ہے، کیا شرعاً یہ بیع درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بیع درست ہے۔

صح الشراء والبیع لما لم یریاه، والاشارة الیه اي المبیع اوالی مکانه شرط الجواز الخ (در مختار علی هامش الشامی ٤/ ٧٠)

ولو اشتری شیئا مغیبا فی الارض کالبصل والثوم والجزر وما اشبهه لم یکن برویة بعضه مختاراً وهو علی خیاره مالم یر جمیعه وهذا عند ابی حنیفة رحمه الله، وعندهما اذا قلع شیئا منه یستدل به علی الباقی ورضی به سقط خیاره، کذا فی السراج الوهاج وعامة المشائخ رحمهم الله تعالیٰ قالوا: لم یذکر هذه المسئلة فی ظاهر الروایة وانما ذکرها فی الامالی عن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ انه قال: ان کان المغیب فی الارض مما یکال او یوزن بعد القلع کالثوم والجزر والبصل فقلع المشتری شیئا باذن البائع او قلع البائع ان کان المقلوع مما یدخل تحت الکیل او الوزن اذا رأي المقلوع ورضی به لزم البیع فی الکل، وتکون رؤیة البعض کرؤیة الکل اذا وجد الباقی کذلك، وان کان المقلوع شیئاً یسیراً لا یدخل تحت الوزن لا یبطل خیاره، هذا اذا قلع البائع او قلع المشتری باذن البائع، فان قلع المشتری منه شیئا بغیر اذن البائع ان کان المقلوع شیئا له ثمن لزمه البیع فی الکل رضی به اولم یرض کذا فی فتاویٰ قاضیخان وجد فی ناحیة اخری؛ من الارض اقل منها او لم یجد فیها شیئا کذا فی المحیط، وان کان المقلوع قلیلا لا ثمن له لا یبطل خیاره، والفتویٰ فی هذه المسائل علی قول ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ کذا فی فتاویٰ

قاضیخان (عالمگیری ۳/ ٦٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد غفرلہ

ایضاً

سوال: ایک دو پودے اکھاڑ کر یہ معلوم کر لیا جاتا ہے کہ اب آلو بڑے ہو گئے ہیں، اور اس وقت بھاؤ طے کر کے خریدار کل ہونے والی پیداوار کو جس کی مقدار بھی معلوم نہیں خرید لیتا ہے، اور مالک بیچ دیتا ہے، یہ خرید و فروخت شرعاً صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ (کمامر فی السابق) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد غفرلہ

جوار کی فصل کاٹنے کا وقت مقرر کیے بغیر فصل کی بیع

سوال: (۱) جوار کی فصل تیار ہو کر کھیت میں کھڑی ہے، زید نے جانوروں کو کھلانے کے لیے اس کو خرید لیا اور کھیت سے کاٹ کر لیجانے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا شرعاً اس بیع کا کیا حکم ہے؟

گنا کاٹنے کی تاریخ طے کیے بغیر بیع

سوال: (۲) گنے کی فصل جو کھیت میں کھڑی تھی خریدار نے خریدی اور گنا کاٹ

کرلے یجانے کی کوئی تاریخ طے نہیں کی، تو یہ بیع درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② درست ہے۔

وان کان بحیث ینتفع به ولو علفا للدواب فالبیع جائز باتفاق اهل المذهب اذاباع بشرط القطع او مطلقا (شامی ٤/ ٤٢)

البتہ بائع کے مطالبہ پر مشتری کے لیے فوری طور پر کاٹ لینا ضروری ہے۔

ویقطعها المشتری فی الحال جبرا علیه (درمختار) (قوله ویقطعها المشتری) ای اذا طلب البائع تفریغ ملکه (شامی ٤/ ١٤٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پھل آنے سے پہلے ان کی بیع

سوال: ① زید باغ کا مالک ہے اور آم، پپیتا، لیموں وغیرہ درخت پر لگنے سے قبل ہی بیچ دیتا ہے، شرعاً اس بیع کا کیا حکم ہے؟

سوال: ② بکر باغ والوں سے کئی کئی سالوں کے پھل آم، پپیتا وغیرہ پہلے سے خرید لیتا ہے، بکر کے لیے اس طرح بیع کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② یہ دونوں بیع درست نہیں ہیں۔

اما قبل الظهور فلا یصح اتفاقا (درمختار)

(قوله اما قبل الظهور) أشار الى ان البروز بمعنى الظهور، والمراد به انفراک الزهر عنها وانعقادها ثمرة وان صغرت (شامی ٤/ ٤١)

اما مسئلة بيع الثمار فی حد ذاتها فان لهذا البيع صورا مختلفة: (الاولی): ان تباع الثمار قبل ظهورها وهذالم يقل بجوازه احد سواء جری به التعامل اولا الخ (تکمله فتح الملهم ١/ ٣٩٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خودرو گھاس بیچنا جائز نہیں

سوال: زید نے اپنے کھیت کی خودرو گھاس بکر کو بغیر کاٹے ہوئے بیچ دی، کیا یہ بیع درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

درست نہیں ہے۔

ثم الكلام فی الكلأ علی اوجه: اعمها مانبت فی موضع غير مملوك لاحد، فالناس شركاء فی الرعی والاحتشاش منه كالشركة فی ماء البحار، واخص منه وهو مانبت فی ارض مملوكة بلاانبات صاحبها وهو كذلك الخ (شامی ٥/ ٣١٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٢٣/ ربیع الثانی ١٤٠٩ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غفرلہ

چراگاہ کا اجارہ درست نہیں ہے

سوال: زید سے بکر نے اپنی بکریاں چرانے کے لیے اس کے کھیت کی خودرو گھاس

اس طرح خریدی کہ بکریاں وہیں کھیت میں آکر چرا کریں گی، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بھی درست نہیں ہے۔

لان الاجارة واقعة على استهلاك العين وسيأتي التصريح بأنه لا يصح اجارة المراعى (شامي ٤/ ١١٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لچکا گھاس اگنے سے پہلے اس کی بیع

سوال: (۱) لچکا ایک قسم کی گھاس ہے، اور جانوروں کو کھلائی جاتی ہے، اس کی باقاعدہ کاشت کی جاتی ہے، یہ گھاس کاٹنے کے بعد بھی بڑھتی رہتی ہے، زید نے اپنے کھیت میں لچکا کی کاشت کی اور بکر کو دو ہزار میں اس طرح پر بیچ دی کہ جب تک گھاس ہوتی رہے تم اس کو لیتے رہو میں پانی پلاتا رہوں گا، یہ بیع درست ہے؟

ایضاً

سوال: (۲) زید نے اپنے کھیت میں لچکا گھاس کی کاشت کی اور بکر کو ایک ہزار میں کھڑی فصل کی صورت میں اس طرح بیچ دی کہ دو مہینوں تک اس کو کاٹتے رہو، میں پانی پلاتا رہوں گا، یہ گھاس دو تین بار کاٹنے پر بھی بڑھتی رہتی ہے، بیع کی یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دونوں صورتوں میں بیع جائز نہیں۔ لان فيه بيع المعدوم، والشرط الفاسد.

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کھیت بٹائی پر دینا

سوال: کھیت بٹائی پر دینا کیسا ہے؟ اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ صاحبِ کھیت دوسرے کو کھیت بونے کے لیے دیتا ہے، اور دونوں اس کی پیداوار میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بٹائی پر کھیت دینا بایں طور کہ زمین ایک آدمی کی اور بیج محنت اور بیل اور آلات وغیرہ دوسرے آدمی کے اور جو پیداوار ہو وہ دونوں میں بقدرِ حصص مثلاً نصفا نصف یا ایک کی تہائی دوسرے کی دو تہائی طے کی جاوے تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہٗ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاخری ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

خودرو جڑی بوٹی اور درخت دوسرے کی زمین سے لینا

سوال: بہت سے خودرو بیل بوٹے، پودے، علاوہ ازیں بڑے درخت جن کی ڈالیاں، پتیاں، پھول، پھل، جڑی؛ ہومیوپیتھک وایلوپیتھک دواؤں اور دیگر چیزوں کی بناوٹ میں کام آتی ہیں، ان چیزوں کی خاصیتوں کا جاننے والا ہی اس کی افادیت سمجھتا ہے، ورنہ ہر کوئی شخص ان چیزوں کی خاصیتوں سے واقف نہیں رہتا، یہ چیزیں

سرکاری وغیر سرکاری یعنی کسی کی ملکیت والی زمین پر بھی اگتی ہیں، مالک چوں کہ ان چیزوں کی خاصیت وافادیت سے واقف نہیں رہتا، اس لیے اس کو ان چیزوں سے کوئی سروکار نہیں رہتا کہ سڑے، گلے، ضائع ہو جائے، کوئی اکھاڑ کر توڑ کر لے جاوے، کوئی پرواہ نہیں؛ لہٰذا ان چیزوں کی خاصیت وافادیت سے واقف شخص ایسی چیزیں مالک کی اجازت حاصل کیے بغیر تجارت یا ادویات میں استعمال کرتے ہوئے نفع حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان میں سے جو چیزیں گھاس کی جنس سے ہیں، انہیں تو مالک کی اجازت کے بغیر لینا جائز ہے، اور جو درخت کے قبیل سے ہیں، وہ اگر کسی کی مملوکہ زمین میں ہیں تو مالک کی اجازت لی جائے، اور اگر سرکاری زمین میں ہیں تو سرکار کی طرف سے اس کے لینے پر پابندی نہیں ہے، تو لینا جائز ہے؛ ورنہ بغیر اجازت لینا درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۱۹۴، ۱۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

قانون مزارعت کے سہارے کرایہ کی زمین اپنے نام کر لینا

سوال: ہمارے یہاں ایک صاحب تقریباً پچاس سال سے جنوب افریقہ میں مقیم ہے، اپنا ملک ہندوستان چھوڑنے سے پہلے انھوں نے اپنی کھیتی کی زمین اپنے دیہاتی مسلم بھائی کو استعمال بہ ذریعۂ پیسہ سالانہ کرایے پر دی ہوئی تھی۔ زبانی شرط یہ تھی کہ جب وہ چاہے ایک سال کی اطلاع دے کر واپس لے سکتے ہیں۔ کچھ سال پہلے

زمین کے مالک نے سوچا کہ وہ زمین بیچ دیں، دو خریداروں نے جس میں سے ایک جنوب افریقہ میں رہتے ہیں اور ایک برطانیہ میں رہتے ہیں، دونوں نے ایک لاکھ روپیے خریدی کے لیے پیش کیے، اور دونوں نے بتایا کہ وہ مالک کتنے میں بیچنا چاہتے ہیں؟ وہ زیادہ بھی دینا چاہتے تھے، زمین کے مالک نے ایک لندن میں رہنے والے ان کے رشتے دار- جو ہندوستان جا رہے تھے- بہ ذریعۂ خط ان کی زمین کے لیے اس آدمی جن کے پاس اُن کی زمین تھی اس سے گفتگو کے لیے کام دیا، اس آدمی نے دیہات میں جا کر اس آدمی کو بتایا کہ زمین کے مالک زمین بیچنا چاہتے ہیں، وہ چاہے قیمت بتائے، کتنے میں خریدنا چاہتے ہیں؟ اس آدمی نے بتایا کہ: وہ ۳۵/ ہزار سے زیادہ نہیں دے سکتے، جب وہ لندن والے آدمی نے بتایا کہ: دو آدمی ایک لاکھ سے زیادہ دینے کے لیے تیار ہیں، تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ کوئی اَور آدمی خریدے گا نہیں؛ کیوں کہ وہ سب زمین انھوں نے اپنے نام پر رجسٹر کرا دیا ہے، بتایا کہ حکومتِ ہند کے قانون نے انھیں مجبور کیا تھا؛ اس لیے اس کو اپنے نام پر کرایا، وہ لندن والا آدمی حکومت ہند کی آفس دہلی میں گیا اور قانون کی تحقیق کی، پتہ چلا کہ: اگر کوئی زمین کا مالک غیرِ ملک میں پانچ سال سے زیادہ رہتا ہے تو زمین جس کے قبضے میں ہے وہ اپنے نام پر کروا سکتا ہے، اور اگر اصل مالک لینا چاہے اور زمین کا قبضہ دار نہ چھوڑے تو وہ لے نہیں سکتا۔ اس لندن والے آدمی نے پوچھا کہ: کیا حکومت ہند کی آفس سے کوئی خط ونوٹس وغیرہ ان کسانوں کو بھیجا تھا، کہ وہ غیر ملک میں رہنے والے کی زمین اپنے نام پر کروا لے؟ حکومتِ ہند کی آفس والوں نے بتایا کہ: ہم نے ایسے خط ونوٹس کسی کسانوں کو نہیں بھیجا، اگر ان کسانوں نے اپنے نام پر کروالیا تو وہ ان کی مرضی سے کیا، حکومت نے

مجبور نہیں کیا تھا، اس لندن والے آدمی نے پوچھا کہ: وہ اگر اصل مالک کو زمین دے دے تو کیا حکومت کو کوئی اعتراض ہے؟ جواب ملا: نہیں، وہ لندن والا آدمی پھر اس دیہات میں آیا اور اس کسان کو قانون سمجھایا، تو انھوں نے بتایا: وہ زمین نہیں چھوڑیں گے، وہ آدمی پھر لندن چلا گیا۔ چند وقت کے بعد بہت ہی جلد وہ کسان افریقہ گیا اور زمین کے مالک سے گفتگو ہوئی، اس وقت جو افریقہ کا خریدار تھا وہ بھی حاضر ہوا، ہند کے اس کسان نے بتایا کہ: میں زیادہ سے زیادہ پچہتر ہزار دے سکتا ہوں، تو افریقہ والے خریدار نے بتایا کہ: میں ایک لاکھ دینے کے لیے تیار ہوں، تو وہ کسان نے بتایا کہ: میں کسی اور کو چاہے وہ کتنا ہی پیسہ دے زمین نہیں چھوڑوں گا، مجبوراً اس بیچارے کو فقط ۷۵ر ہزار میں دینا پڑا، اب یہ زمین کے لیے قانونِ اسلام کیا سکھاتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کے قانون سے فائدہ اٹھا کر اس طرح سوال میں مندرجہ طریقہ سے کسی مسلمان کی زمین کو اپنے نام رجسٹر کروالینا، اور پھر اسی رجسٹری کی بنیاد پر اس زمین کی اصل قیمت جو عام طور پر مل سکتی ہے اس سے کم میں خریدنے پر اصرار کرنا، شرعاً گناہ ہے، اس کسان کو چاہیے کہ جو مقدار کم دی اس کی تلافی کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ر رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

كتاب الوقف

اوقاف کا حکم

سوال: ①: جس ملک میں بیت المال موجود نہیں، وہاں مسلم اوقاف اس کے قائم مقام ہیں یا نہیں؟ اور یہ حکم اوقاف کے لیے بھی ہے یا نہیں جب کہ دونوں کا مقصد ایک ہے۔

فاسق کی تولیت

سوال: ②: فاسق وفاجر حکومت کی طرف سے مسلط شدہ متولیان کی تولیت مسلم اداروں کے لیے کیا حکم رکھتی ہے، جب کہ متولی صاحبان بھی فاسق وفاجر ہوں۔

لا يجوز تولية الفاسق مع إمكان تولية البر (ابن تيمية ۱/ ۱۵۰) "إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة" (بخاری ۱/ ۱۴) (من علامات القيامة مشكوة ۲۷۰)

جب بڑے کام نااہلوں کے سپرد کیے جائیں اور سردار قوم فاسق ہوں۔

ان امور کے پیش نظر فساق وفجار متولیان کی تولیت کا کیا حکم ہے جس کو دین سے کچھ ہی نسبت نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① اوقاف کے متعلق ضروری ہے کہ واقف نے جس مقصد کے لیے وقف کیا ہے اس کی رعایت کی جائے، شرائط وقف کے خلاف تصرف درست نہیں ہے۔ لأن شرط الواقف كنص الشارع.

② اہل علم وفضل وصلاح وتدین کی موجودگی میں بے علم وعمل اور فاسق وفاجر تولیت کے اہل نہیں ہو سکتے اور فاسق وفاجر کو تولیت سونپنا گناہ ہے، اہل محلہ اگر کسی کی

تولیت پر متفق ہو جائیں تو وہ درست ہے۔

أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح؛ ولكن الأفضل كونه بإذن القاضي (شامی ۳/ ۴۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

موقوفہ زمین میں تصرف

سوال: مسجد کے لیے وقف کردہ زمین گاؤں والے اپنے مسجد کے امام کے لیے وقف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر دیا تو یہ وقف صحیح بھی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو زمین مسجد کے لیے وقف ہو چکی ہے، اب ضروری ہے کہ واقف نے جس مقصد کے لیے وقف کیا ہے اسی میں اس کا استعمال ہو، گاؤں والے اس میں ترمیم وتغییر نہیں کر سکتے۔ ''شرط الواقف كنص الشارع'' فقہاء کے یہاں مسلَّم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

موقوفہ زمین کی بیع کرنا

سوال: لوگ مسجد یا مدرسہ میں اپنی زمین (کھیت) وقف کرتے ہیں؛ تاکہ اس کی آمدنی ادارہ کے کام آسکے، اب آج کل کے حالات میں زمین اگر کسی کو بٹوارہ پر دیتے ہیں، تو اس سے برائے نام آمدنی ہوتی ہے، کوئی خاص آمدنی نہیں ہوتی، ادھر

زمینوں کی قیمتیں بہت بڑھ گئی ہیں، جس کی وجہ سے معمولی زمین کے بھی بہت اچھے نرخ مل رہے ہیں، کیا ایسی کوئی گنجائش ہے کہ وقف شدہ زمین کو فروخت کر کے اس رقم سے آمدنی کا کوئی اور مستقل ذریعہ بنایا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر واقف نے بوقتِ وقف اس زمین میں تبدیلی کرنے کا اختیار اپنے لیے یا (بعد میں آنے والے) کسی اور کے لیے رکھا ہے، تب تو اس کی تجویز کردہ شرط کے مطابق تبدیلی درست ہے، اور اگر اس نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی اور موقوفہ زمین بالکلیہ نا قابل انتفاع نہیں بنی؛ بلکہ اس میں سے آمدنی ہوتی ہے، اگر چہ اس کے بدل سے زیادہ آمدنی متوقع ہے، تو اس صورت میں مختار قول کے بموجب اس زمین کو فروخت کر کے آمدنی کا کوئی دوسرا مستقل ذریعہ بنانا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر اسی زمین سے ہونے والی آمدنی اتنی قلیل ہے کہ اس زمین پر ہونے والے مصارف کے لیے بھی کافی نہیں ہے، تو چند شرائط کے ساتھ اس میں تبدیلی درست ہے۔

اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه:الأول: أن يشرطه الواقف لنفسه او لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل: اتفاقا والثاني: أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت؛ لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية، بأن لا يحصل منه شيء أصلا، أو لا يفى بمؤنته فهو ايضاً جائز على الأصح، إذا كان بإذن القاضي، ورأيه المصلحة فيه والثالث: أن لا يشرطه أيضاً؛ ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خير منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار، كذا حرره العلامة قنالي زاده في رسالته ”الموضوعة الاستبدال اطنب فيها عليه الاستدلال“

وهو مأخوذ من الفتح أيضاً (شامي ٣ /٤٢٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

وقف کی بنجر زمین بیچنا

سوال: ایک دیہات میں مسجد و مدرسہ ہے، اور اس کو ایک زمین (کھیت) وقف کیا ہے، اس مسجد کی جو زمین ہے، ایک مدت تک تو اس میں کھیتی کرتے رہے، اور اس سے آمدنی آتی رہی؛ مگر ابھی چند سال سے کوئی اس کی صحیح دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے، اس لیے بالکل بنجر پڑی ہے، اب متولیانِ مسجد یہ چاہتے ہیں کہ اس زمین کو فروخت کردیں، اور اس کا جو عوض آوے اس کا مکان کسی قصبہ یا شہر میں خرید لیں، اور وہ کرایہ پر دیں، تو امید ہے کہ اس صورت میں مسجد کو نفع ہوگا کہ اس کی آمدنی حاصل ہوگی، جو واقف کا اصل مقصد بھی تھا اور مسجد کا اور زمین کا نقصان بھی نہیں ہے، تو اس زمین کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کہ عقار کے بدلہ میں عقار بھی ہو جائے گی، اور فروخت کرنا جائز نہ ہو تو پھر اس صورت میں مسجد کو خسارہ (آمدنی نہ میسر ہوگی اس لیے) بھی ہوگا، اور واقف کو جو ثواب کی امید- جو دوسری صورت میں ہے- اس سے محروم ہوگا، براہِ کرم جواب بالدلائل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر واقف نے بوقتِ وقف اس زمین میں تبدیلی کرنے کا اختیار اپنے لیے یا (بعد میں آنے والے) کسی اور کے لیے رکھا ہے، تب تو اس کی تجویز کردہ شرط کے

مطابق تبدیلی درست ہے، اور اگر اس نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی تو موقوفہ زمین بالکلیہ ناقابل انتفاع نہیں بنی؛ بلکہ اس میں سے آمدنی ہو سکتی ہے، اگر چہ اس کے بدل سے زیادہ آمدنی متوقع ہے، تو اس صورت میں مختار قول کے بموجب اس زمین کو فروخت کر کے آمدنی کا کوئی دوسرا مستقل ذریعہ بنانا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر اس زمین سے ہونے والی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ اس پر ہونے والے مصارف کے لیے بھی ناکافی ہے تو چند شرائط کے ساتھ اس میں تبدیلی درست ہے، آپ کے سوال سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ صورت میں اس زمین کی کما حقہ دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے بنجر پڑی ہے، یہ زمین کا قصور نہیں ہے؛ بلکہ متولیان کی کوتاہی ہے، اس لیے یہ تبدیلی کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتا۔

اعلم أن الاستبدال علی ثلاثة وجوه الخ (شامی ۳ /٤٢٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ / ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چندہ کر کے خریدی ہوئی زمین فروخت کرنا

سوال: لندن مرکز کے لیے ہم نے سولہ سے اٹھارہ ایکڑ کی زمین لی تھی، جس کی اکثر رقم قرض لی تھی، کچھ لوگوں نے للہ رقم بھی پیش کی تھی، پھر چودہ لاکھ پاؤنڈ سے زمین خرید لی، اس میں آٹھ سے دس لاکھ قرض لیا تھا، باقی لوگوں نے ڈونیشن (Donation) دیا تھا، اور یہ زمین پلاننگ (Plannig) کی اجازت کے بغیر خرید لی تھی، اس زمین کے اوپر کئی سال تک کیمیکل (Chemical) کی فیکٹری (Factory) کا کام ہوتا تھا اور اس لیے زمین میں کیمیکل کے زہریلے اثرات موجود ہیں اور جس سے خریدی تھی

زمین اس نے اوپر سے مٹی ڈال کر کیمیکل کو چھپا دیا تھا؛ لیکن کیمیکل کے زہریلے اثرات باقی ہیں، اور دو الیکٹرک (Electric) کے مین لائین کے تار اور ستون تھے، اور زمین کے اندر دو بڑے نالے (گٹر) گندے پانی کے ہیں، اور زمین ایسی ہے کہ بجلی کے ستون کے دونوں طرف پچاس پچاس فٹ تک کچھ نہیں کر سکتے، اور اس میں مسجد بنانے کے لیے اجازت لیں گے تو کیمیکل کے لیے انشورنش (Insurance) کرانا پڑے گا، اور پلاننگ والوں کے شرائط میں یہ بھی ہے کہ پل بنانا پڑے گا، جس کا تقریباً دو ملین کا خرچہ ہے، اور اگر انشورنش نہ کرائے تو اگر کسی کو کیمیکل کے زہریلے اثرات لگ جائے یا بیمار ہو جائے یا مر جائے تو سارے پیسے ٹرسٹی کو دینا پڑے گا اگر وہ کلیم کرے تو؟ یہ سارے حالات نظام الدین کے بزرگوں کے سامنے رکھے ہیں اور یہ بھی کہ پلاننگ کی اجازت مل سکتی ہے؛ لیکن ان سارے شرائط کے ساتھ، نظام الدین کے بزرگوں نے یہ مشورہ دیا ہے کہ زمین کو بیچ دیا جائے اور اس کے بدلے میں کوئی دوسری تیار عمارت خرید لے تو اس حالت میں زمین بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس زمین کو کسی نے وقف نہیں کیا؛ البتہ لوگوں نے ڈونیشن دیا تھا اور لوگوں سے قرض لیا اور بھی قرض دینا باقی ہے، اور جس نے للہ ڈونیشن دیا اور دوسری جگہ خریدیں گے تو اسی سے دوسری جگہ خریدیں گے، اگر وہ نہ چاہیں تو اس کو رقم واپس کریں گے، امید ہے کہ آپ ہمیں اس کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔ کیا مرکز کے لیے انشورنش کرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جو زمین یا عمارت چندہ کر کے بنائی گئی ہو یا خریدی گئی ہو وہ ابھی وقف نہیں ہوئی، جب تک اس کو وقف نہ کر دیا جائے، اس لیے صورت مسئلہ میں آپ اس زمین کو

فروخت کر کے دوسری زمین خریدنا چاہیں تو خرید سکتے ہیں۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۱۵)

المتولی إذا اشتریٰ من غلة الوقف حانوتاً أو داراً أو مستغلا آخر جاز؛ لأن هذا من مصالح المسجد، فإذا أراد المتولی أن يبيع ما اشتریٰ وباع اختلفوا فيه، قال بعضهم: لا يجوز هذا البيع؛ لأن هذا صار من أوقاف المسجد، وقال بعضهم: يجوز هذا البيع، وهو الصحيح؛ لأن المشتری لم يذكر شيئا من شرائط الوقف فلايكون ما اشتریٰ من جملة أوقاف المسجد (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الهندية ۳ /۲۹۷)

انشورنش میں سود اور قمار دونوں کا ارتکاب لازم آتا ہے اس لیے وہ جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر قانونی مجبوری کے پیشِ نظر دفع ضرر کے لیے کیا تو امید ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ شوال ۱۴۱۸ھ

درگاہ کے ڈبہ کی رقوم کا مصرف

سوال: ایک بزرگ کی درگاہ میں مزار کے پاس نذرانۂ درگاہِ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ڈبے ہیں، عقیدت مندان ڈبوں میں نذرانے ڈالتے ہیں، کیا:

(۱) یہ نذرانہ تحفہ ہے یا صدقہ؟

(۲) کیا سجادہ نشین درگاہ جو ایک سید ہیں، ان نذرانوں کے ڈبوں کی رقم ذاتی خرچ میں استعمال کر سکتے ہیں؟

(۳) کیا صدقہ سید کے لیے جائز ہے؟

(۴) کیا نذرانہ کے ڈبوں کی رقم اس درگاہ کے غریب خادموں کو- جو سید نہیں ہیں-

تقسیم کرسکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ رقم بطورِ نذر مزار پر چڑھائی گئی ہے، تو کسی جگہ بھی اس کا استعمال جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ غیر اللہ کے نام کی نذر حرام ہے، اور اس چیز کا استعمال بھی حرام ہے جس کی نذر کی گئی ہو۔

واعلم أن النذر الذي يقع للاموات من اكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم، والشمع، والزيت، ونحوها إلى ضرائح الاولياء الكرام، تقربا إليهم فهو بالاجماع باطل وحرام الخ (درمختار علی ھامش الشامی۲/۱۳۹)

اور اگر نذر تو اللہ تعالیٰ کے نام کی ہے اور اس کو کسی بزرگ کے مزار کے پاس مقیم فقراء اور مساکین پر صرف کرتا ہے، تو اس صورت میں اس رقم کا استعمال صرف فقراء ومساکین کے لیے (بشرطیکہ وہ بنو ہاشم میں سے نہ ہوں) درست ہوگا۔

اللّٰهم إلا ان قال يا الله إني نذرت لك إن شفيت مريضي، أو رددت غائبي، أو قضيت حاجتي أن اطعم الفقراء الذين بباب السيدة نفيسة او الامام الشافعي الخ (شامی۲ /۱۳۹)

جس کی صورت یہ ہے کہ وہ آدمی یوں کہے کہ: اے اللہ اگر تو نے میرے فلانے (بیٹا یا اور کوئی عزیز) بیمار کو تندرست فرمادیا، یا میرا فلاں کام کردیا، تو میں فلاں بزرگ کے مزار کے پاس- جو فقراء ومساکین مقیم ہیں- ان کو کھانا کھلاؤں گا، یا ان کو اتنی رقم دوں گا؛ لیکن دورِ حاضر میں عموماً عوام اپنی جہالت اور دین سے ناواقفیت کی وجہ سے رقوم اور دیگر اشیاء کو مزار پر ہی چڑھاتے ہیں، جیسا کہ صاحبِ درمختار نے صراحت فرمائی ہے۔

وقد ابتلى الناس بذلك ولاسيما في هذه الاعصار (درمختار علی ہامش الشامی ۲/ ۱۳۹)

اس لیے ان کا استعمال کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔ اگر ڈبے پر لکھ دیا جائے کہ یہ رقم سجادہ نشین کے ہدیہ کے لیے ہے، یا درگاہ میں مقیم فقراء کے صدقہ یا ہدیہ کے لیے، تو اس صورت میں اس پر جو مد تحریر ہے، اس میں اس کا استعمال ہو سکتا ہے۔

(۲) جواب نمبر ایک میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

(۳) صدقاتِ واجبہ (مثلاً زکوٰۃ، صدقۂ فطر، کفاراتِ نذر وغیرہ) سید کے لیے جائز نہیں؛ البتہ صدقاتِ نافلہ سید کے لیے بھی جائز ہے۔

وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الأوقاف لهم أي لبني هاشم الخ (درمختار) أقول: نقل في البحر عن عدة كتب: أن النفل جائز لهم إجماعا، وذكر أنه المذهب الخ (شامی ۲/ ۷۳)

(۴) اس کی وضاحت بھی جواب نمبر ایک میں آ چکی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جنازہ کے چندے کی باقی رقم کو کیا کرے؟

سوال: ہم نے جنازہ لانے کے لیے چندہ جمع کیا تو پانچ ہزار روپیہ جمع ہوا، تو دو ہزار روپیہ کا جنازہ ملا، باقی تین ہزار روپیہ بچ گیا، تو اب وہ تین ہزار روپیہ کا سامان مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا وہ روپیہ کسی کام میں خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک خاص مقصد، یعنی جنازہ لانے کے لیے رقم جمع کی گئی ہے، اس لیے جو رقم

بچے، وہ بقدر حصص معطین پر لوٹادی جائے، یا ان کی اجازت سے دوسرے کام میں صرف کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چندہ میں دینے کے لیے دی گئی رقم کا اپنی ذات پر استعمال

سوال: اگر کسی صاحب نے یا گاؤں کے چند ذمہ داروں نے کچھ رقم للہ دی کسی امام صاحب کو، اور وکیل بنایا کہ جہاں ضرورت ہو آپ اس رقم کو چندہ میں دیتے رہیں، اب امام صاحب خود مقروض ہیں، اور کوئی آمدنی ذرائع نہیں ہے، تو کیا وہ للہ رقم کو اپنی ضروریات میں لا سکتے ہیں؟ اور اگر امام صاحب گاؤں والوں کے سامنے اظہار بھی کرے تو یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا، تو کیا جواز کی کوئی شکل ہے کہ نہیں؟ اور اگر حوالہ بھی دیدیں تو زیادہ مناسب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر امام صاحب کو صرف اتنا کہا گیا ہے کہ آپ یہ رقم مواقع ضرورت میں صرف فرمائیں، یا ان کو اختیار دیا ہے تو اس صورت میں اپنے اوپر خرچ کر سکتا ہے؛ لیکن اگر چندہ میں دینے کا لفظ کہا گیا ہے تو اس صورت میں اپنے اوپر خرچ نہیں کر سکتا، اس لیے کہ ہمارے عرف میں چندہ میں دینے کا مطلب اپنے اوپر خرچ کرنا نہیں ہے۔

وللوكيل بدفع الزكوٰة أن يدفعها إلى ولد نفسه كبيراً كان أو صغيراً وإلى امرأته إذا كانوا محاويج، ولا يجوز أن يمسك لنفسه شيئا، اهـ إلا إذا قال: ضعها حيث شئت، فله أن يمسكها لنفسه، كذا في الولوالجية

(البحر الرائق ۲ /۲۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلڈنگ کا صرف تیسرا منزلہ وقف کرنا

سوال: شہر بھیونڈی ضلع تھانہ میں تین بتی کے مقام پر ہماری ایک پرانی بلڈنگ ہے، جس کو ہم توڑ کر نئی طرح سے شاپنگ سینٹر بنا رہے ہیں، جو گراؤنڈ فلور اور دوسرے دو منزلہ تک رہے گا، اس کے بعد تیسرے اور چوتھے منزلہ پر ہم مدرسہ اور نماز کے اہتمام کے لیے جگہ وقف کر رہے ہیں، اب اس معاملہ میں ہم آپ سے شرعی طور پر اس بات کا فتویٰ چاہتے ہیں؛ لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ اس میں آپ ہماری رہنمائی کریں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں آپ کا دوسرے اور تیسرے منزلہ کو مدرسہ اور نماز کے اہتمام کے لیے وقف کرنا درست ہے، یہ یاد رہے کہ وہ جگہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی۔

وعلى هـذا فينبغي أن يستثنى من أرض الوقف ما إذا كانت معدة للاحتكار لأن البناء يبقى فيها كما إذا كان وقف البناء على جهة وقف الأرض، فإنه لا مطالب لنقضه، والظاهر أن هذا وجه جواز وقفه، إذا كان متعارفاً، ولهذا أجاز واقف بناء تظهره على النهر العام الخ (شامی ۳/ ۴۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ / رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

وقف بورڈ کی آمدنی کا مصرف

سوال : پنجاب وقف بورڈ کے عہدے داران اور افسران سے تحقیق کے بعد یہ واضح ہوگیا ہے کہ وقف بورڈ کو قبرستان سے نوے فی صد اور مساجد وغیرہ سے دس فیصد آمد ہوتی ہے، اور اس آمد سے مساجد کو امداد اور ائمہ کو تنخواہیں دی جاتی ہیں، تو کیا یہ بروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبرستان کی وہ آمدنی اولاً خود ان کی ضروریات میں استعمال کی جائے، اس کے بعد زائد آمدنی سوال میں مذکور مدات میں استعمال کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ / ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کمیٹی کا وقف کے مال کو معاف کرنا جائز نہیں

سوال : جناب عبدالرحیم صاحب مدرسہ کے مہتمم اور مسجد کے متولی اور کمیٹی کے صدر ہیں ان کے پاس امور مذکورہ مدات کا روپیہ بطور امانت رکھا ہوا تھا، ونیز مدرسہ کی اراضی و مسجد کی دو کانوں کا کرایہ بھی انہیں کی تحویل میں رہتا تھا، موصوف کو حالات نے کچھ ایسا آدبوچا کہ مذکورہ تمام مدات کا پیسہ وہ اپنی روزمرہ کی خانگی ضروریات میں صرف کر چکے، اب ان کے پاس بظاہر کوئی حیلہ وسیلہ نظر نہیں آرہا ہے، اس پیسے کی ادائیگی کی کوئی صورت کا، الحاصل موصوف اتنے مقروض ہیں کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ زکوۃ کے مستحق ہیں تو یہ بیجا نہ ہوگا، اصل محط سوال یہ ہے کہ مدرسہ یا مسجد یا اوقاف سے

متعلق کوئی کمیٹی موصوف کو معاف کرنا چاہے تو کیا شرعی اعتبار سے کمیٹی معاف کرنے کی مجاز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کمیٹی اوقاف یا مسجد ومدرسہ کی اراضی کی مالک نہیں ہے، وہ تو محض نظم وانتظام چلانے یا اس کے لیے مشورہ دینے کی مجاز ہے، اس لیے کمیٹی کو جناب عبدالرحیم صاحب کو معاف کرنے کا شرعاً کوئی اختیار نہیں ہے اور اگر کمیٹی معاف کر بھی دے تو اس کے معاف کرنے سے جناب عبدالرحیم صاحب شرعاً بریٔ الذمہ نہیں ہوں گے؛ بلکہ اس صورت میں کمیٹی والے بھی ان کے اس گناہ میں شریک سمجھے جائیں گے، کمیٹی والے اپنے مال اور روپیہ سے جناب عبدالرحیم صاحب کی امداد فرما کر ان کو اس مخمصہ سے نجات دلا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ رجب ۱۴۱۳ھ

وقف دوکان کا دائمی کرایہ داری کا ایگریمنٹ

سوال: مسجد کی تین دوکان ہیں، وہ تین دوکانیں کرایہ پر دی ہیں، ایک دوکان کا کرایہ دوسو پچاس روپئے ہیں، دوکان دیئے ہوئے تین چار سال ہوئے، اب کمیٹی نے فی دوکان دوسو روپئے کرایہ بڑھایا ہے، ایک دوکان کا کرایہ چارسو پچاس روپئے ہوا، کرایہ دار کہتے ہیں کہ اب ہمیں ایگریمنٹ لکھ دو کہ دوکانوں کا کرایہ ہمیشہ کے لیے چارسو پچاس روپئے رہے گا، اب کبھی بھی نہیں بڑھے گا، تو کیا مسجد کی دوکانوں کا ہمیشہ کے لیے ایگریمنٹ لکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ کرایہ داروں سے ایک دوکان کا ڈپوزٹ

سولہ ہزار روپئے لیے ہیں، تین دوکان کا اڑتالیس ہزار روپئے لیے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوکانیں مسجد کی ہیں جو وقف ہیں، کمیٹی اس وقف کے نظم کو سنبھال رہی ہے، کمیٹی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کوئی ایسا اقدام نہ کرے جو وقف کے حق میں نقصان دہ ہو، ظاہر ہے کہ وقت گزرنے پر اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور کرایہ پر چلنے والی املاک کا کرایہ بھی بڑھتا رہتا ہے، اب اگر کمیٹی ایسا ایگریمنٹ کردے کہ ہمیشہ یہی کرایہ رہے گا، تو وقف کے حق میں نقصان دہ ہونے کی وجہ سے کمیٹی اس معاہدہ کی مجاز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عیدگاہ کی اینٹ گھر میں لگانے کی تلافی، چھوٹے گاؤں میں عیدگاہ بنادی تو کیا کرے؟

سوال: زید کے مرحوم نانا نے دیہات میں عیدگاہ بنوائی تھی، بعدہ گاؤں والوں نے ازسرنو بنوانے کی نیت سے توڑدی، اور زید نے عیدگاہ کی اینٹ اپنے گھر میں لگالی، زید کا اس اینٹ کو اپنے گھر میں لگالینا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو پھر زید آخرت کے وبال سے بچنے کے لیے کونسی صورت اختیار کرے؟ اور عیدگاہ کے بنوانے کے سلسلہ میں عوام الناس کے درمیان اختلاف ہوگیا ہے، اس لیے آپ رائے دیں کہ عیدگاہ ہم لوگ دیہات میں بنوائیں یا نہ بنوائیں؟ نیز اس کے بنوانے میں چندہ دینے

سے ثواب ہوگا یا نہیں ہوگا؟ اور اگر عیدگاہ نہ بنوائی جائے تو اس زمین کا مالک زید ہوگا یا نہیں؟ اگر مالک نہ ہوگا تو اس زمین کو بیچ کر مدرسہ کے مصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز عیدگاہ کی اینٹ کو مسجد یا مدرسہ میں لگا لینا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

زید کا اس اینٹ کو اپنے مکان میں لگانا جائز نہیں ہے، اب جب کہ وہ لگا چکا ہے تو اس کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کرے، اور اس اینٹ کی جو قیمت آج کی ریٹ سے ہے وہ عیدگاہ میں دیدے۔

چھوٹے گاؤں میں عید کی نماز درست نہیں، اس لیے عیدگاہ کی ضرورت بھی نہیں ہے؛ لیکن جب ایک شخص عیدگاہ بنوا چکا ہے تو وہ جگہ اس کے لیے وقف ہو چکی ہے، اس لیے اب اس کی حفاظت کی جائے، مستقبل میں جب اس کی ضرورت پڑے گی اس وقت اس کو کام میں لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مدرسہ کی وقف عمارت میں بالغ لڑکیوں کو اسکولی تعلیم

سوال: (۱) انگلینڈ میں رہنے والے مسلمانوں کا سرکاری اسکولوں سے الگ اپنا نظام قائم کر کے اپنی جوان لڑکیوں کو مروجہ اسکول کی تعلیم دلانے کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) جو عمارت مدرسہ اور دینی تعلیم کے لیے وقف ہے ایسی عمارت میں لڑکیوں کو اسکول کی تعلیم دینا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) اگر مدرسہ کی وقف عمارت اسکول کے لیے استعمال کرنا جائز ہو تو اس کے

جواز کی کیا کیا شرائط ہیں؟

④ مذکورہ مدرسہ کی عمارت بوجہ پرانی ہونے کے اگر جدید تعمیر کی جائے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ اس میں لڑکیوں کے لیے اسکول بھی ہوگی تو ایسی تعمیر کے لیے جو مسجد و مدرسہ کے لیے رقم جمع ہے اس کے استعمال کرنے کا اور جدید اور مزید چندہ دینے اور وصول کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ مذکور تعمیر کے لیے مسجد مدرسہ کے ممبران پر کچھ رقم مقرر کر کے لینے کا شرعی حکم کیا ہے؟

⑤ اگر عام مسلمان لڑکیوں کے لیے مروجہ اسکول کی تعلیم ناجائز ہو تو ان کے لیے جائز اور مفید تعلیم کی کیا صورت اختیار کی جائے جس سے ان کے دین وحیاء کی حفاظت کے ساتھ ان کو دنیوی ضروری علم بھی حاصل ہو سکے؟

⑥ کچھ زمین ہے؛ جس پر کچھ بوسیدہ گیرج (GARAGE) قائم ہیں، مسجد اور مدرسہ کے لیے وقف ہیں، اس زمین پر نئی عمارت قائم کی جائے جو کرائے پر دی جائے اور وہ کرایہ مسجد و مدرسہ میں استعمال کیا جائے، یہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① مروجہ اسکول کی تعلیم جب حکومت کے قائم کردہ اسکولوں میں دی جاتی ہے تو اس مقصد کے لیے خود مسلمان اپنا الگ نظام کیوں قائم کر رہے ہیں؟ اس کا پس منظر تفصیل سے بتلائیں، مسلمان لڑکیوں کو مروجہ اسکول کی تعلیم دلانے کی تفصیلی بحث فتاویٰ رحیمیہ اردو اول از ۲۱ تا ۳۰ ملاحظہ فرمالیں۔

②③ اسلام میں وقف کے لیے خصوصی احکام ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وقف جس مقصد کے لیے قائم کیا گیا ہو اس کے علاوہ میں اس کا استعمال درست نہیں ہے۔

④وقف کی عمارت بوسیدہ ہونے کی وجہ سے اگر نئی تعمیر کی جائے تب بھی اس کا حکم وہی رہتا ہے جو اصل وقف کا تھا۔

⑤اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اصلاحِ انقلابِ امت" حصہ دوم ۴۶ تا ۴۸ میں جو تفصیل تحریر فرمائی ہے ملاحظہ فرمالیں۔

⑥اگر مسجد ومدرسہ کے لیے وقف زمین کا مقصد اس کی آمدنی کا مسجد ومدرسہ میں استعمال ہے تو اس میں عمارت تعمیر کر کے کسی بھی جائز کام کے لیے کرایہ پر دی جاسکتی ہے، اور اس کرایہ کا استعمال مسجد ومدرسہ میں درست ہے، ناجائز کام کے لیے کرایہ پر نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

اراضی وقف کو رفاہِ عام کے لیے دینا

سوال: سانحہ 1947 کے بعد پنجاب وقف بورڈ کے ماتحت (زیر نگرانی) تخمیناً ۲۵/پچیس ہزار بیگہ سے زائد اراضی ہے، یہ اراضی وہ ہے جس پر متولیان وملازمینِ وقف بورڈ اپنا قبضہ وتصرف بتلاتے ہیں، اور بہت سی اراضی ایسی بھی ہیں جس کا خود ارکانِ بورڈ کو بھی علم نہیں ہے، تو ایسی صورتِ حال میں جب کہ بورڈ کے پاس کافی وسیع ترین اراضی ہے اور بظاہرِ حال طویل عرصے تک بھی اتنی کثیر اراضی کو نہ مساجد بنایا جاسکتا ہے، نہ مقابر کے کام میں لایا جاسکتا ہے، اور اگر عید گاہ بھی بنائیں گے تو آخر کتنی اراضی میں بناسکیں گے؟ اور بورڈ کو اتنی اراضی کا تحفظ بھی مشکل اور دشوار ہے، اور بورڈ کا پیسہ بہت سے بینکوں میں پڑا ہوا سڑ رہا ہے جس کے سود ہی سود کو لیا جائے تو وہ

بھی اراکینِ بورڈ استعمال وخرچ کرنے سے عاجز وقاصر ہیں، اور ادھر صورت حال اور ماحول یہ بنا ہوا ہے کہ کہیں بورڈ کی اراضی پر سکھوں نے ناجائز اور غاصبانہ قبضہ کر کے گرودوارے بنا رکھے ہیں، کہیں ہندوؤں نے مندر بنا رکھے ہیں، خانقاہوں کی زمین پر غیروں کا قبضہ ہے، اور ہم مسلم برادری اپنی اقلیت اور طاقت کی کمی، حالات کی ناہمواری اور روپئے پیسے کی ناداری کی وجہ سے خصوصاً جب کہ برسر اقتدار حکومت کا مخالفانہ رویہ ہے کہ اگر بورڈ کی اراضی کا کوئی مقدمہ عدالت میں چلا جاتا ہے تو وہاں سالہا سال شنوائی تک نہیں ہوتی، اور مسلمانوں کی بات کی طرف دھیان دینے کے لیے کوئی تیار تک نہیں، اور یہاں کے گاؤں اور دیہات کا ماحول اتنا نازک ہے کہ نماز واذان پڑھنے پر ان کو ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے، اور یہ الفاظ کہے جاتے ہیں کہ ان سوروں کو ہم نے 1947 میں یہاں سے نکال دیا تھا، یہ پھر یہاں آ گئے اور مساجد کا آزاد کرنا تو کجا بعض جگہوں پر آزادیٔ مساجد کا نام لینا بھی جرم ہے، تو ایسے نازک ماحول میں وقف بورڈ کے اراکین اگر کچھ اراضی مساجد بنانے کے لیے یا جہاں دو چار گھر مسلمانوں کے ہیں اور ان کو قبرستان کی حاجت ہے تو قبرستان کے لیے اور کہیں دینی تعلیم گاہ کی ضرورت ہے تو مدرسہ کے لیے، کہیں اسلامیہ اسکول کی ضرورت ہے تو اس کے لیے اور کہیں مخصوص عصری تعلیم شروع کرنے کی حاجت ہے اور کہیں اہلِ اسلام اور مسلمانوں کے گھر بسانے کی ضرورت ہے اس کے لیے؛ تاکہ مسلمانوں کی آبادی سے ویران مساجد کچھ نہ کچھ آباد ہو جائیں، اور ان میں پھر سے اللہ اللہ کی صدائیں آنی شروع ہو جائیں، اور اللہ کے یہ بے آباد گھر پھر آباد ہو جائیں، اراکینِ بورڈ کی یہ کوشش رہی ہے اور رہے گی کہ جس طرح سے بھی ہو مساجد، مقابر، عیدگاہیں، خانقاہیں اور دینی درسگاہیں اہلِ اسلام

کے ذریعے سے آباد ہوسکیں، ہو جائیں، اس کی حتی الامکان کوشش جاری رکھی جائے تو ایسی صورتِ حال میں بعض جگہوں پر اراضی مذکورہ میں سے معمولی قطعہ اراضی مذکورہ بالا مدات میں دینی پڑ جاتی ہے، تو معلوم کرنا یہ ہے کہ ایسے نازک ترین حالات میں کیا اراکینِ بورڈ کو شرعی اعتبار سے اجازت ہے کہ وہ رفاہِ عوام الناس کے لیے کچھ اراضی بورڈ میں سے دے دیا کرے؛ تاکہ اہلِ اسلام کسی طرح سے بھی آباد ہوں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آپ نے پنجاب وقف بورڈ کے زیرِ نگران اراضی کی جو تفصیل لکھی ہے، اس کے پیشِ نظر اگر اراکین بورڈ ان اراضی میں سے کچھ اراضی کو مسجد بنانے کے لیے یا جہاں قبرستان کی حاجت ہے وہاں قبرستان کے لیے یا جہاں تعلیم کی ضرورت وہاں تعلیم گاہ بنانے کے لیے دینا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ اگر اس بات کا اہتمام ہو کہ جہاں مسجد بنانے کے لیے اراضی کی ضرورت ہے وہاں ایسی زمین جو مسجد ہی کے لیے وقف تھی دی جائے، اور جہاں قبرستان کی ضرورت ہے وہاں ایسی زمین جو پہلے قبرستان تھی، یا قبرستان کے لیے وقف تھی دی جائے تو زیادہ مناسب ہے، اسی طرح کہیں اہلِ اسلام اور مسلمانوں کے گھر بسانے کی ضرورت ہے؛ تاکہ ان کی آبادی سے ویران مساجد کچھ نہ کچھ آباد ہو جائیں تو اس کے لیے بھی زمین دی جاسکتی ہے؛ البتہ جن لوگوں کو زمین گھر بنانے کے لیے دی جائے ان کو اس زمین کا مالک نہ بنایا جائے؛ بلکہ ایک معینہ مقدار میں کرایہ متعین کر کے کرایہ پر دی جائے، اور کرایہ کی اس رقم کو مقاصدِ وقف میں استعمال کیا جائے۔

عینی شرح بخاری میں ہے: فان قلت: هل يجوزان تبنى المساجد على

قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو ان مقبرة من مقابرالمسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم ار بذلك بأساً و ذلك لان المقابر وقف من او قاف المسلمين لدفن موتاه، لا يجوز لأحد ان يملكها، فاذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها الى المسجد؛ لان المسجد ايضا وقف من اوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحدالخ (عینی شرح بخاری ۴/ ۱۷۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ذی القعدہ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

موقوفہ زمین فروخت کر کے اس سے کوئی دوسری چیز خریدنا

سوال: مدرسہ کی موقوفہ زمین ہے، ابھی فی الوقت اس کا جائے وقوع آبادی کے درمیان میں ہے، اور اس موقوفہ زمین کے اطراف وجوانب کی آبادی والے غیر مسلم بہت نقصان پہنچاتے ہیں، اور آہستہ آہستہ اس موقوفہ زمین کو غصب کر لینے کی کوشش میں ہیں، (اور زمین کا کچھ حصہ انہوں نے ہڑپ بھی کر لیا ہے) اور مزید اس علاقہ میں خنزیروں کی کثرت کی وجہ سے یہ خنزیر بھی کھیتی کو نقصان پہنچاتے ہیں، ان چند وجوہات کی بناء پر اس زمین کو کوئی کاشت کار اجارہ پر لینے کے لیے تیار نہیں ہے، اور زمین یوں ہی بے کار پڑی رہتی ہے، تو کیا اس موقوفہ زمین کو فروخت کر کے مدرسہ کی مستقل آمدنی کے لیے کوئی دوسری چیز اس موقوفہ زمین کی قیمت سے خرید سکتے ہیں یا بنا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلياً و مسلماً

کسی آدمی نے کوئی زمین یا مکان وغیرہ وقف کیا ہو اور وقف نامہ میں بوقت ضرورت

اس کو بیچ کر اس کی جگہ پر دوسری جائداد لینے کے سلسلہ میں کوئی شرط نہ کی ہو تو ان حالات میں اس کو بیچ کر دوسری جائداد لینا جائز نہیں؛ البتہ اگر وہ زمین یا مکان کسی بھی کام کے نہ رہیں تو جماعت مسلمین کے مشورہ سے دوسرا مکان خریدا جا سکتا ہے، اور اگر زمین یا مکان کارآمد تو ہے اور اس کی آمدنی بھی ہے؛ لیکن کم ہے تو مفتی بہ قول کے مطابق اس کو بیچ کر اس کی جگہ پر دوسری جائداد خریدنا جائز نہیں۔ (مسلم گجرات فتاویٰ سنگرہ ۴/ ۳۱۶)

صورتِ مسئولہ میں وہ زمین کھیتی کے لائق تو ہے؛ البتہ اس کی حفاظت کی ضرورت ہے، متولیان کو چاہیے کہ اس کی حفاظت کا معقول انتظام کریں، مثلاً اس کو چہار دیواری کے ذریعہ گھیر لیا جائے؛ تاکہ کسی کو اس پر ناجائز قبضہ کرنے کا موقع نہ ملے، اور جانور بھی اس میں کی جانے والی کاشت کو نقصان نہ پہنچا سکیں، بہر حال بصورت موجودہ اس کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ		الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

موقوفہ زمین کو فروخت کرنا

سوال: کچھ برس پہلے میں نے اپنی ملکیت کی زمین قریب تین ایکڑ اور ایک لاکھ روپیہ نقد گاؤں کی جمعہ مسجد میں زمین پر دینی ادارہ بنانے کے لیے اعلان کیا تھا، اور اس زمین پر مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری سے بنیاد بھی ڈلوادیا تھا، اس کے بعد میرے مرحوم بھائی کے طرف سے پچاس ہزار روپیہ دینے کا اعلان کیا تھا، اب گاؤں کے ایک صاحب اتنی ہی زمین دے رہے ہیں، مدرسہ کے لیے اور جلدی ہی کام شروع کردیں گے، اور مجھے وہی رقم اس مدرسہ میں لگانے کے لیے کہہ رہے ہیں، تو

اس کا شرعی جواز کیا ہے مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

آپ نے اپنی مملوکہ تین ایکڑ زمین دینی ادارہ بنانے کے لیے وقف کردی اور جامع مسجد میں اس کا اعلان عام بھی کردیا، اور اس کی بنیاد بھی ڈلوادی تو اب وہ زمین وقف ہوگئی اب اس زمین کو اس کے علاوہ دوسرے کام میں استعمال کرنا درست نہیں ہے اور وقف ہوجانے کی وجہ سے اب اس کا فروخت کرنا وغیرہ بھی درست نہیں اب آپ اس زمین کے مالک نہیں رہے، آپ نے جس رقم کا اعلان کیا ہے چوں کہ ابھی تک وہ رقم لگی نہیں ہے اس لیے اگر آپ اس رقم کو دوسرے کام میں لگانا چاہیں تو وہاں بھی لگا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کے لیے موقوفہ زمین کی بیع کا حکم

سوال: ایک مسجد کی وقف زمین ہے، واقف کی منشاء یہی تھی کہ اس کی آمدنی مصالح مسجد میں خرچ ہو؛ لیکن آج اس کی آمدنی نہیں کے برابر ہے، موجودہ متولیان وٹرسٹیان مسجد، دین دار، ایماندار اور عوام کے معتمد حضرات ہیں، وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس زمین کو فروخت کر کے مسجد کے لیے کوئی مستقل آمدنی کا ذریعہ کی کوئی صورت نکالی جائے، مثلاً بلڈنگ بنادی جائے جس کا کرایہ وغیرہ مصالح مسجد میں کام آوے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ

① آیا ان حضرات کو شرعاً اس کی اجازت ہوگی کہ وہ اس وقف زمین کو فروخت کر کے مسجد کے لیے مستقل کوئی آمدنی کا ذریعہ بنا دے؟

② اس وقف زمین کو فروخت کرنا جائز ہونے کی صورت میں ہر کوئی اس کو خرید سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً ارباب مدرسہ برائے مدرسہ ذمہ داران سوسائٹی برائے سوسائٹی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① اگر زمین کے وقف کرنے والوں نے بوقت وقف اس قسم کی تبدیلی کی شرط کی ہے تب تو صورت مسئولہ میں وہ تبدیلی درست ہے، اور اگر واقفین نے بوقت وقف تبدیلی کی شرط نہیں کی ہے؛ لیکن وقف زمین ایسی حالت میں پہنچ چکی ہے کہ اس سے کوئی پیداوار ہی نہیں ہوتی ہے یا ہوتی ہے؛ لیکن اتنی قلیل کہ خود اس زمین پر ہونے والے مصارف کے لیے بھی کافی نہیں ہے تو اس صورت میں قاضی مسلمین اگر اس کی تبدیلی کو ہی قرین مصلحت قرار دیتا ہے تو درست ہے، موجودہ زمانہ میں جب کہ قاضی نہیں ہے تو جماعت مسلمین جس میں دیانت دار اور معاملہ فہم علماء بھی ہوں اس کا فیصلہ کریں، صرف متولیان حضرات کا فیصلہ کافی نہ سمجھا جائے۔

اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه الاول ان يشرطه الواقف لنفسه او لغيره او لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا والثانى ان لايشترطه سواء شرط عدمه او سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكليه بان لا يحصل منه شيء اصلا او لا يفى بمؤنته فهو ايضا جائز على الاصح اذا كان باذن القاضى ورايه المصلحة فيه. (شامى ٣/٤٢٤)

مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق اگر اس کی فروختگی کا فیصلہ ہو تو یہ ضروری ہے کہ نقصان کے ساتھ نہ بیچی جائے، بلکہ اس قسم کی زمین کا جو ریٹ ہے اس سے زیادہ میں بیچی جائے، اور اس حاصل شدہ رقم سے مسجد کے لیے مستقل دائمی ذریعہ آمدنی کا نظم کیا جائے۔ (كما صرح بذلك العلامة الشامي ٣/ ٤٢٥)

(٢) ایسے آدمی کے ہاتھ بیچنا جن کے حق میں اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی، متولیان کے لیے جائز نہیں ہے، مثلاً اپنے بیٹے کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہیں ہے۔ (حوالہ سابق) ارباب مدرسہ برائے مدرسہ اور ذمہ داران سوسائٹی برائے سوسائٹی خریدنا چاہیں تو اگر شرائط بالا کے مطابق فروخت کا فیصلہ کیا گیا ہے تو یہ حضرات بھی خرید سکتے ہیں؛ لیکن اس صورت میں یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ اگر وہ زمین مسجد کے لیے بیکار ہو چکی تھی تو مدرسہ والے اس کو مدرسہ کے لیے کیوں کارآمد سمجھ رہے ہیں؟ سوسائٹی والے اس کو سوسائٹی کے لیے کیوں کارآمد سمجھ رہے ہیں؟ جب کہ مدرسہ اور سوسائٹی بھی عوامی اور (عموماً) وقف ادارے ہیں، وہ بات جس کی وجہ سے یہ حضرات اس زمین کو مدرسہ یا سوسائٹی کے لیے مفید سمجھ کر خرید رہے ہیں مسجد کے حق میں کیوں نہیں پائی جاتی، میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ تین چار معاملہ فہم اور تجربہ کار علماء (جس میں ایک مسند افتاء پر فائز مفتی ہو) کو اس جگہ کا معائنہ کروا کر اور مقامی دیندار حضرات سے ان کے ذریعہ تحقیق کروا کر کوئی فیصلہ کیا جائے، اور جو کچھ کارروائی ہو اس کو تحریری طور پر ضبط کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دوسرے ٹرسٹ کا موقوفہ مکان کو بغیر کرایہ کے استعمال کرنا

سوال: واپی جامع مسجد کا مستقل ٹرسٹ ہے، اس ٹرسٹ کے تحت ہی واپی جامع مسجد اور قبرستان وغیرہ کی دیکھ بھال اور انتظام وانصرام ہوتا ہے، واپی جامع مسجد ٹرسٹ کے تحت ہی چند سال پہلے درجۂ حفظ کا قیام عمل میں آیا تھا، اور طلباء کے قیام کا انتظام جامع مسجد ٹرسٹ کی ہی عمارت میں جو جامع مسجد سے متصل ہے کیا گیا، اور کئی سال سے طلبائے درجۂ حفظ کے قیام وطعام کا نظم جامع مسجد ٹرسٹ ہی کرتا رہا، ادھر چند سالوں سے درجۂ حفظ کا ٹرسٹ الگ بنالیا گیا ہے، اور درجۂ حفظ کا سارا انتظام وہ ٹرسٹ ہی کرتا ہے، جامع مسجد ٹرسٹ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، درجۂ حفظ ٹرسٹ باجود جامع مسجد ٹرسٹ کی عمارت استعمال کرنے کے جامع مسجد کو کوئی کرایہ وغیرہ بھی نہیں دیتا ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں درجۂ حفظ ٹرسٹ کا جامع مسجد ٹرسٹ کی عمارت کا استعمال کرنا درست یا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جامع مسجد ٹرسٹ کی جس عمارت میں درجۂ حفظ کے طلبہ کا قیام اور تعلیم وغیرہ کا سلسلہ جاری ہے، ٹرسٹ کی وہ عمارت ٹرسٹ کے مقاصد اور اغراض کے لیے تعمیر کی گئی تھی، اور اس میں یہ سلسلہ اس لیے جاری تھا کہ جامع مسجد ٹرسٹ اس سلسلہ کو جاری کئے ہوئے تھا، اور اب جب کہ جامع مسجد ٹرسٹ اس سے الگ ہو چکا ہے اور اس کے لیے الگ ٹرسٹ وجود میں آیا ہے، تو اب مناسب یہی ہے کہ وہ الگ ٹرسٹ اپنے اس مقصد اور سلسلہ کے لیے مستقل جگہ کا انتظام کرے یا اگر کسی وجہ سے یہ نہیں ہوسکتا تو

جب تک جامع مسجد ٹرسٹ کی عمارت کو استعمال کرتا رہے اس وقت تک اس کو باقاعدہ کرایہ ادا کرے؛ اس لیے کہ کسی ایک ٹرسٹ کے لیے دوسرے ٹرسٹ کی چیز کا استعمال جب کہ واقف نے اس کی تصریح نہ کی ہو درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہٗ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ / رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

تبدیلیٔ وقف میں واقف کی اجازت کب معتبر ہے؟

سوال: ایک صاحبِ خیر کی جانب سے ہمارے مدرسہ میں دو مکان وقف ہوئے ہیں، ان دونوں کی حالت ایسی ہے کہ دونوں ایک ساتھ ملے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک تو بالکل رہائش کے قابل نہیں ہے، اور دوسرے میں بھی بارش وغیرہ میں کثرت سے پانی ٹپکنے کی شکایت ہوتی ہے، اب اگر ناقابل رہائش مکان توڑنے جاتے ہیں تو ساتھ والا بھی ٹوٹ جاتا ہے، اور نئے سرے سے تعمیر کر کے قابل انتفاع بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو کرایہ پر دینے کی صورت میں پندرہ یا سولہ سال میں تو صرف تعمیر کے اخراجات کی وصولیابی ہوتی ہے، لہٰذا ان دونوں مکانوں کو فروخت کر کے حاصل شدہ رقم سے احاطۂ مدرسہ میں ہی مکان تعمیر کرلیں؛ تاکہ ضرورتِ رہائشِ اساتذہ کی تکمیل ہوسکے، واقف حیات ہے اور واقف کی جانب سے مذکورہ تبدیلی کی اجازت بھی ہے تو کیا ازروئے شرع اس طرح زیادہ منتفع بنانے کی غرض سے تبدیلی کرسکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں واقف نے اگر بوقتِ وقف تبدیلی کی اجازت نہیں دی تھی

اب جب کہ ضرورت پیش آئی وہ اجازت دے رہا ہے تو شرعاً اس کی یہ اجازت معتبر نہیں، بوقت وقف جو اجازت دی گئی ہو اسی کا شریعت میں اعتبار کیا جاتا ہے، اس لیے اربابِ مدرسہ کے لیے ان دونوں مکانوں کو فروخت کرنا جائز نہیں، نئی تعمیر کے لیے خود واقف سے امداد حاصل کی جائے یا دیگر مخیر حضرات کو پوری صورت سے آگاہ کر کے ان سے مدد حاصل کی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہٗ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

ایک بلڈنگ تین جگہوں میں وقف

سوال: موضع کھیتیہ میں ایک شخص نے اپنی بلڈنگ تین جگہوں میں وقف کی یا ایک بلڈنگ تین کے درمیان وقف کی ہے، کھیتیہ بیت المال کھیتیہ قبرستان اور کھیتیہ سے قریب آٹھ دس میل کے فاصلہ پر ''میلن'' ایک جگہ ہے جہاں مسجد نہیں، عبادت خانہ جماعت خانہ ہے اس میں ایک حصہ............اب اس بلڈنگ کی قیمت سب نے مل کر ساٹھ ہزار طے کی ہے، اب کھیتیہ والے میلن والوں کو یہ کہتے ہیں کہ یا تو آپ چالیس ہزار دے دو اور پوری بلڈنگ لے لو یا ہم بیس ہزار دے دیتے ہیں ہمیں بلڈنگ کے مالک بنا دو، مالک یعنی ہمارے یہ دو حصوں میں ملا دو............یا میلن والوں کا کہنا ہے کہ کھیتی والوں کا ایک کھیت ہے اس کا مطالبہ کرتے ہیں اس حصہ کے عوض تو اس قسم کا تبادلہ اگر کریں تو از روئے شرع جائز ہے کہ نہیں؟ بیت المال کی تفصیل ابھی نہیں پوچھی ہے، اگر بیت المال سے مراد مسجد کی رقم ہے تو کیا حکم ہے؟ وہ بھی تحریر فرما دیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

وقف میں تبدیلی جائز نہیں ہے۔

واذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه (هدایه ۲ /۶۴۰)

فاذا تم ولزم لا یملك ولا یملك ولا یعار ولا یرهن ولا یقسم (در مختار علی هامش الشامی ۳ /۳۶۷)

بیت المال سے وہی مراد ہوگا جو وہاں کے عرف میں اس لفظ سے مراد لیا جاتا ہے؛ بہر حال جو بھی ہو تبدیلی بالکل جائز نہیں ہے بلکہ اس بلڈنگ کو تین الگ حصوں میں تقسیم کرنا بھی جائز نہیں ہے، صرف اس کی آمدنی تین حصوں میں تقسیم کی جائے۔ کماهو ظاهر من عبارة الدر وصرح ایضاً بعد ذلك. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر المظفر ۱۴۲۰ھ

مشترکہ جائداد کیسے وقف کی جائے؟

سوال: ہمارے یہاں ایک خاندان کی جائداد ہندوستان میں ہے، وہ ایک مدرسہ کو وقف کرنا چاہتے ہیں، یہ جائداد موجودہ ورثاء کے دادا کی تھی؛ مگر تمام ورثاء کا پتہ لگانا بہت دشوار ہے؛ لہٰذا وقف کرنے کی کیا صورت اختیار کی جائے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جب تک کہ تمام ورثا کی تعیین و تشخیص ہو کر ہر ایک کا حصۂ وراثت اس کو نہ دے دیا جائے، وہاں تک اس کا وقف ممکن نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

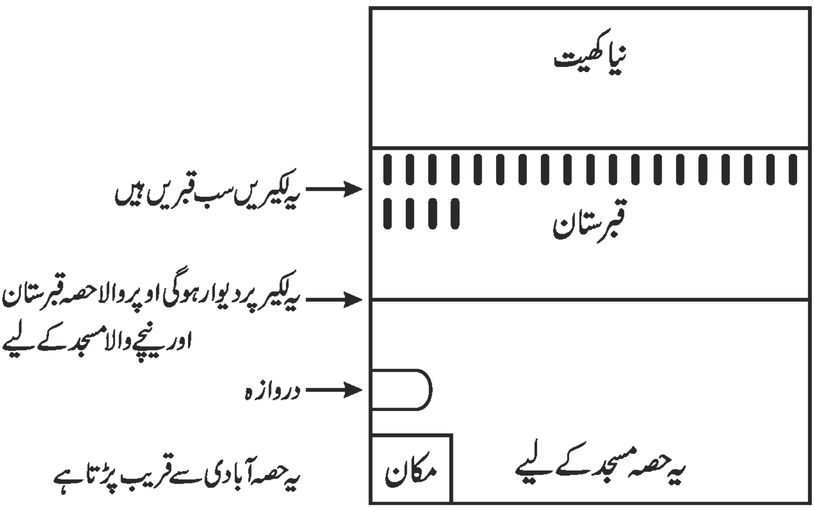
املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

موقوفہ زمین میں مسجد بنانا

سوال : ہمارے گاؤں کھریاسنہ میں ایک حاجی صاحب حاجی غلام رسول بن راج محمد شیلیہ نے اپنا ایک مملوک کھیت قبرستان کے لیے وقف کا ارادہ کیا، اور اس کا دستاویز بنانے کے لیے کورٹ میں چلے، اور ان کے ہمراہ دو صاحب اَور تھے، اِن دو میں سے ایک صاحب ٹرسٹی بھی تھے، اس نے ان کو مشورہ دیا کہ: آپ وہ کھیت خالص قبرستان کے لیے وقف مت کرو؛ بلکہ وقف کو عام رکھو، کہ وہ کھیت گاؤں والے چاہیں تو قبرستان بنانے کے لیے استعمال کریں، یا اگر چاہیں تو اس کو مسجد یا مدرسے میں استعمال کریں، یعنی مسجد بنانے یا مدرسہ کے لیے مکان وغیرہ بنانے میں استعمال کریں، یا اس کھیت میں فلیٹ بنا کر بیچ ڈالیں اور قبرستان دوسری جگہ بنا دیں اور وہ قیمت مسجد ومدرسہ کے مصارف میں استعمال ہووے، خلاصہ یہ کہ جیسا گاؤں کا فائدہ ہوگا اس طرح وہ کھیت ٹرسٹ استعمال کرے گا۔ یہ بات اس ٹرسٹی نے کہی تو یہ بات وقف کرنے والے کو پسند آئی اور اس کو قبول کرلیا، اور اسی طریقے پر وقف کیا یعنی وقف عام رکھا، کہ جہاں چاہے وہاں یہ کھیت استعمال کر سکتے ہو۔ فی الحال وہ کھیت قبرستان بنایا گیا ہے اور ابھی تک وہ قبرستان ہی ہے؛ لیکن ابھی چند سالوں سے گاؤں والوں کو مسجد بنانے کی ضرورت پیش آئی، تو لوگوں میں آپس میں چرچا ہوئی کہ قبرستان کے ایک حصے میں جہاں سامان رکھنے کے لیے مکان بنایا ہوا ہے وہاں ہی مسجد بنادو، اور وقتاً فوقتاً اس کا چرچا ہوتا رہتا ہے، اس کے بعد قبرستان کے شمالی حصے میں بالکل متصل ایک دوسرا کھیت خریدنے کا لوگوں نے ارادہ کیا، اور وہ کھیت خرید بھی لیا؛ لیکن وہ کھیت خریدنے کے لیے لوگوں نے جو خریدنے والے تھے، انھوں نے ایک صاحب کے پاس پیسے مانگے، تو اس نے کہا کہ

میں پیسے تو دوں؛ مگر اس شرط کے ساتھ کہ مسجد قبرستان کے اس حصے میں بنی چاہیے، یعنی وہ حصے میں جس کا تذکرہ کیا گیا، جہاں سامان رکھنے کا مکان بنا ہوا ہے، تو وہ پیسے لینے کے لیے جانے والوں نے اس صاحب سے کہا کہ: ٹھیک ہے مسجد اسی حصے میں بنے گی، اور قبرستان اس نئے خریدے جانے والے کھیت میں رہے گا، پھر وہ کھیت خرید لیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کھیت میں جو حاجی غلام رسول نے وقف کیا ہے، جو فی الحال قبرستان ہے، اس کے جنوبی حصے میں مسجد بناویں اور قبرستان اِس نئے خریدے ہوئے کھیت میں بناویں، تو یہ ہمارا فیصلہ اور اس طریقے پر مسجد بنانا از روئے شرع کیسا ہے؟ ہم جتنی زمین مسجد بنانے کے لیے قبرستان میں سے لیں گے اس سے زیادہ زمین قبرستان کے لیے اِس نئے کھیت میں سے دیں گے، اور جتنی قبریں بنی ہے وہاں تک دیوار کر دیں گے، اور اس کے سامنے شمالی جانب کھیت کو اس میں شامل کر دیں گے، اور جنوبی حصہ مسجد کے لیے ہوگا۔ مثلاً اس کا نقشہ یہ ہے:



الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے سوال میں وقف کرنے کا تذکرہ کیا ہے جب کہ دستاویز میں وقف کی تصریح نہیں ہے؛ بلکہ ہبہ کے الفاظ مرقوم ہیں؛ اس لیے اگر حاجی غلام رسول صاحب نے زبانی بھی یہی الفاظ کہے تھے تب تو گاؤں کے حنفی سنی مشائخ مومن جماعت کے ذمہ داروں کو اختیار ہے کہ وہ اس زمین کے جنوبی حصے میں مسجد تعمیر کریں؛ البتہ اس صورت میں ان کو چاہیے کہ وہ اس جگہ کے مسجد کے لیے وقف کی تصریح کریں، اور آئندہ یہ جگہ ہمیشہ کے لیے مسجد رہے گی، اس کے بعد اس میں کوئی دوسرا تصرف درست نہ ہوگا۔ اور اگر زبانی طور پر حاجی غلام رسول صاحب نے وقف کے الفاظ کہے تھے، اور ساتھ ہی ذمہ دارانِ جماعتِ ہذا کو اختیار دیا تھا کہ وہ پوری زمین یا اس کا کوئی حصہ مسجد، مدرسہ، قبرستان جس کے لیے چاہیں خاص فرمالیں، تو اس صورت میں بھی وہ حضرات اس زمین کے جنوبی حصے میں مسجد بنا سکتے ہیں، اور اس صورت میں ان کو اس جگہ کے مسجد کے لیے وقف ہونے کی تصریح کی ضرورت نہیں؛ اس لیے کہ خود مالک اس کی صراحت کر چکے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

باب احکام المساجد

مسجد کا تیسرا منزلہ مسجد ہی ہے

سوال: مسجد کے عین حصے کے تیسرے منزلے کی چھت پر مردہ کو غسل دینا،

کھیل کود کرنا، مرغیاں پالنا، عورتوں کا ہر وقت اس پر رہنا، مہمان آویں تو اسے مہمان خانہ بنانا اور کیا اس پر اعتکاف کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد اوپر نیچے سب مسجد ہی ہے، جیسا احترام نیچے والے حصے کا کیا جاتا ہے ویسا ہی احترام اور ادب اوپر والے حصہ کا ضروری ہے، اس میں اعتکاف بھی درست ہے، اس کو گھر کی طرح استعمال کرنا یا اس کے ادب واحترام کے خلاف کام کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

درمیانِ عمارت میں نماز کے لیے مخصوص حصہ مسجد ہے یا نہ؟

سوال: (۱) مارکیٹ میں ایک عمارت ہے، جس میں ہوٹل، آفس، دکانیں وغیرہ ہیں، بعد میں اس عمارت کا بیچ والا حصہ بطور نماز خاص کرلیا گیا، اور اس میں کافی عرصہ سے نماز پنچگانہ وصلوٰۃ الجمعہ امام علی الاجرۃ کے ذریعہ ادا کی جارہی ہے، تو کیا یہ حصہ جس کے نیچے اوپر دکانیں اور آفس ہیں، شرعی مسجد کے حکم میں ہے، اور کیا اس میں اعتکاف درست ہے؟ جب کہ مسجد وہ کہلاتی ہے جو ثریا سے لیکر تحت الثریٰ تک صرف نماز ہی کے لیے ہو۔

(۲) اگر یہ حصہ مسجد حقیقی ہے تو جیسا کہ ترمذی شریف جلد اول میں ہے کہ جس مسجد میں باقاعدہ پنج وقتہ نماز امام کی موجودگی میں ادا کی جارہی ہو، اس میں دوبارہ جماعت مکروہ ہے مگر یہاں دو جماعتیں ہورہی ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① عمارت کا بیچ کا حصہ جس کو نماز کے لیے خاص کرلیا گیا ہے اور اس کے اوپر نیچے دکانیں اور آفس ہیں جس وقت عمارت کے اس درمیانی حصہ کو نماز کے لیے خاص کرلیا گیا اس وقت شروع ہی سے اس حصہ کے اوپر اور نیچے واقع دکانیں اور دفاتر مسجد کے لیے وقف ہیں تب تو یہ حصہ شرعی مسجد کہلائے گا اور اگر وہ دکانیں اور دفاتر مسجد کے لیے وقف نہیں بلکہ کسی اور کی ملک ہیں تو یہ جگہ جس کو نماز کے لیے خاص کرلیا گیا ہے شرعی مسجد نہیں کہلائے گی۔

يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجدا فيما إذا لم يكن وقفا على مصالح المسجد وبه صرح في الإسعاف فقال وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفا عليه صار مسجدا اھ شرنبلالية (شامی ۴۰۶/۳)

اور جس صورت میں وہ شرعی مسجد قرار نہیں پاتی اس میں اعتکاف درست نہیں۔

② شرعی مسجد قرار پانے کی صورت میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے ورنہ اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بالائی حصہ میں مسجد، نیچے مکان، دوکان وغیرہ

سوال: ایک شخص کا مکان ایک مسجد کے نیچے کے حصہ میں ہے، اس کے مکان کے لوازمات، مثلاً حمام، بیت الخلاء اور دیگر ضروریات بھی اسی جگہ پورے ہوتے ہیں،

بعض علماء کا کہنا ہے کہ اوپر کے حصہ کے مسجد ہونے سے نیچے کا حصہ خودبخود مسجد میں شامل ہوجاتا ہے، اوراس بناء پراس شخص کا اس جگہ پر قیام جائز نہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا ان علماء کرام کا یہ کہنا درست ہے؟ پھر یہ بات بھی قابلِ توجہ رہے کہ اگر بنانے والوں نے اس تحتانی حصہ کو بھی مسجد ہونے کی نیت کی ہوتو کیا حکم ہے؟ اوراگر نیت نہ کی ہوتو کیا خودبخود مسجد میں شامل ہوجائے گا؟ اوراگر بنانے والوں کی نیت کا علم نہ ہو توکیا حکم ہے؟ کیا ''من العرش الی تحت الثری'' مسجد ہوجائے گا؟ درخواست ہے کہ مسئلہ کو مع التحقیق والتفصیل اور کتب کے حوالوں کے ساتھ نیز عبارتوں کے ساتھ تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے اوپر آسمان تک اور نیچے زمین کی انتہاء تک سب کا سب قیامت تک کے لیے مسجد ہے۔

درمختار میں ہے: وکره تحريما الوطء فوقه والبول والتغوط؛ لأنه مسجد الى عنان السماء (درمختار)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (قوله الى عنان السماء) بفتح العين، وكذا الى تحت الثرىٰ كما فى البيرى عن الاسبيجابى (شامی ۱/ ۶۸۵)

اس کے (تحتانی یافوقانی) کسی حصہ کو کرایہ پر دے کر ذریعۂ آمدنی بنانا یا سامان بھرنے کے لیے استعمال کرنا یا رہائش کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔

ولا يجوز اخذ الاجرة منه، ولا ان يجعل شيئا منه مستغلا ولا سكنىٰ بزازية (درمختار) (قوله ولا ان يجعل الخ) هذا ابتداء عبارة البزازية والمراد

بالمستغل أن يوجر منه شئ لأجل عمارته وبالسكنیٰ محلها وعبارة البزازية على مافى البحر، ولا مسكناً، وقد رد فى الفتح مابحثه فى الخلاصة من انه لو احتاج المسجد الى نفقة توجر قطعة منه بقدر ماينفق عليه، بانه غير صحيح، قلت: وبهذا علم ايضا حرمة احداث الخلوات فى المساجد كالتى فى رواق المسجد الاموى، ولاسيما مايترتب على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه ورأيت تاليفا مستقلا فى المنع من ذلك (شامی ۳/ ۴۰۶)

البتہ اگر کوئی مسجد (ابتداء ہی سے) اس طرح بنائی جائے کہ نیچے دکانیں یا تہ خانہ وغیرہ بنا کر ان کی چھت پر مسجد کا صحن یا مسجد کی کوئی عمارت ہے، تو یہ اس شرط پر جائز ہے کہ نیچے کی دکانیں مسجد کی طرح وقف ہوں، اور ان کی آمدنی مسجد کے مصالح میں صرف ہوں، اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ مسجد کی چھت پر کوئی مکان بغرض مصالح مسجد بنا دیا جائے، ان دونوں صورتوں میں اس مسجد کی مسجدیت میں کوئی خلل نہ آئے گا؛ چناں چہ فتاویٰ شامی میں بحوالۂ اسعاف نقل کیا ہے: وبه صرح فى الاسعاف، فقال: واذا كان السرداب او العلو لمصالح المسجد، أو كان وقفا عليه صار مسجداً یعنی اگر مسجد کے نیچے کا تہ خانہ یا اوپر کا بالا خانہ مسجد ہی کے سامان وغیرہ رکھنے کے لیے ہو یا مسجد پر وقف ہو، یعنی اس کی آمدنی مسجد میں صرف ہوتی ہو تو یہ مسجد ہو جائے گی، اس صورت میں نیچے کی دکانیں اور اوپر کا مکان وغیرہ مسجد میں داخل نہ ہوگا، اور اسی بناء پر ان کا کرایہ پر دینا، ان میں تجارت کرنا، غسل کی حاجت والے آدمی اور حیض ونفاس والی عورت کا ان میں داخل ہونا وغیرہ سب جائز ہوگا؛ لیکن

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ صورت صرف اسی وقت ہوسکتی ہے کہ مسجد بنانے کے وقت اول ہی بنانے والے نے اوپر کے مکان یا نیچے کے تہ خانہ یا دکان وغیرہ کو مسجد سے علیحدہ کرکے کرایہ پر دینے، اور اس کو مسجد پر وقف کرنے کی نیت کرلی ہو، ورنہ اگر اول مسجد بنادی گئی پھر بعد میں اس کے نیچے کوئی دکان یا اوپر کرایہ کے لیے مکان بنانا، ہرگز جائز نہیں؛ کیوں کہ مسجد کے اوپر آسمان تک اور نیچے زمین کی انتہاء تک سب کا سب قیامت تک کے لیے مسجد ہے، اس میں کسی جزء کو اب مسجد سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔(منیة الساجد فی آداب المساجد للمفتی محمد شفیع ص:۲۳)

چناں چہ درمختار میں ہے: واذا جعل تحته سردابا لمصالحه، أي المسجد جاز، كمسجد القدس، ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتا، وجعل باب المسجد إلى طريق، وعزله عن ملكه لا يكون مسجدا، وله بيعه ويورث عنه خلافاً لهما، كما لوجعل وسط داره مسجدا واذن للصلوٰة فيه حيث لايكون مسجدا؛ إلا اذا شرط الطريق زيلعي. (درمختار)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله أوجعل فوقه بيتا الخ) ظاهره أنه لافرق بين ان يكون البيت للمسجد، أو لا الا انه يوخذ من التعليل ان محل عدم كونه مسجدا فيما اذا لم يكن وقفا على مصالح المسجد، وبه صرح فى الاسعاف فقال: واذا كان السرداب او العلو لمصالح المسجد او كانا وقفاعليه صار مسجدا، اھ شرنبلالية قال فى البحر:حاصله ان شرط كونه مسجدا ان يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ ﴿وان المساجد لله﴾ بخلاف ما إذا كان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد، فهو كسرداب بيت المقدس، هذا هو

ظاهر الرواية، وهناك روايات ضعيفة مذكورة في الهداية اھ (شامی ۳/۴۰۶)

اسی طرح اگر امام کے لیے مسجد کے اوپر یا نیچے مکان بنادیا گیا، تو اگر ابتداہی سے ایسا کیا تو درست ہے ورنہ نہیں۔

درمختار میں ہے: لوبنى فوقه بيتا للامام لا يضر؛ لانه من المصالح، اما لو تمت المسجدية، ثم اراد البناء منع، ولوقال عنيت ذلك لم يصدق تاتارخانية فاذا كان هذا فى الواقف، فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد. (درمختار)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله اما لوتمت المسجدية) اى بالقول على المفتى به، أو بالصلوٰة فيه على قولهما ط وعبارة التاتارخانية: وان كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذلك يبنى لا يترك اھ (شامی ۳/۴۰۶)

اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر یہ مکان مسجد کی آمدنی یا امام مسجد کی رہائش کے لیے بنایا گیا ہے، تو بہ شرائطِ بالا اس لیے جائز ہے کہ وہ مصالح مسجد کے لیے وقف ہے، اور اگر دونوں میں سے کوئی صورت نہیں؛ بلکہ واقف نے اپنی رہائش کے لیے اس کو رکھا ہے، یا مصالح مسجد کے علاوہ اور کسی مقصد کے لیے رکھا ہے، تو اس صورت میں وہ مسجد شرعی نہیں کہلائیگی، جیسا کہ منقولہ بالا عبارت (خطِ کشیدہ) سے ظاہر ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں وہ مکان مسجد کی مصالح کے لیے وقف ہے، اور وہ شخص جو اس میں سکونت پذیر ہے، وہ امام مسجد ہے یا اجنبی آدمی ہے؛ لیکن کرایہ ادا کرتا ہے اور وہ کرایہ مسجد پر خرچ ہوتا ہے، اور ساتھ ہی مسجد کی ابتدائے بناء سے واقف نے اس مکان کے لیے یہ نیت کی تھی، تب تو اس کا اس میں رہنا درست ہے ورنہ نہیں، اور اگر واقف کی نیت کا

علم نہ ہو تو احتیاطاً اس میں سکونت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

مسجد کی جدید تعمیر میں نچلے حصے میں دوکان بنانا

(سوال): ہمارے شہر کی جامع مسجد بہت پرانی اور خستہ ہونے کی بناء پر شہید کر کے جدید تعمیر کرنی ہے اور ہمارا ارادہ ہے کہ اس کو وسیع کرنا اور مسجد کی بنیاد بلند کر کے جماعت خانہ کے نیچے تک گھر چھوڑ کر قبلہ رخ دیوار چودہ فٹ پیچھے لینا جس میں ایک صف کی پوری جگہ جس میں محراب و منبر بھی داخل ہے دکان میں استعمال ہوتی ہے باقی نچلا حصہ پورا کھلا رہے گا اور اوپر دو منزلہ مسجد رہے گی اور نیچے قبلہ رخ دکانیں اور دکان کا راستہ بھی باہر ہی ہوگا تو کیا اس صورت میں مسجد کی آمدنی کے لیے قبلہ رخ نیچے محراب کی دیواروں کو لگ کر دکانیں بنانا کیسا ہے؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ جانب قبلہ جو نیا حصہ داخل مسجد کرنا چاہتے ہیں چوں کہ شروع ہی سے اس کے نیچے دکان (جس کی آمدنی مسجد ہی میں استعمال ہوگی) بنا رہے ہیں تو یہ درست ہے۔ لیکن آپ کی اس اسکیم میں ایک خرابی ہے وہ یہ کہ مسجد کا اصل جماعت خانہ جو نیچے تھا آپ اس کو یوں ہی کھلا چھوڑ دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس میں نماز کے لیے جماعت نہ ہوگی۔ اور لوگ اس کو آمد و رفت کے لیے نیز دیگر ایسے امور کے لیے استعمال کریں گے جس میں آداب مسجد کی خلاف ورزی ہوگی۔ حالاں کہ وہ بھی مسجد ہے بلکہ اصل مسجد ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ اصل جماعت خانہ اسی کو بنایا جائے۔ البتہ جب مجمع زیادہ ہو

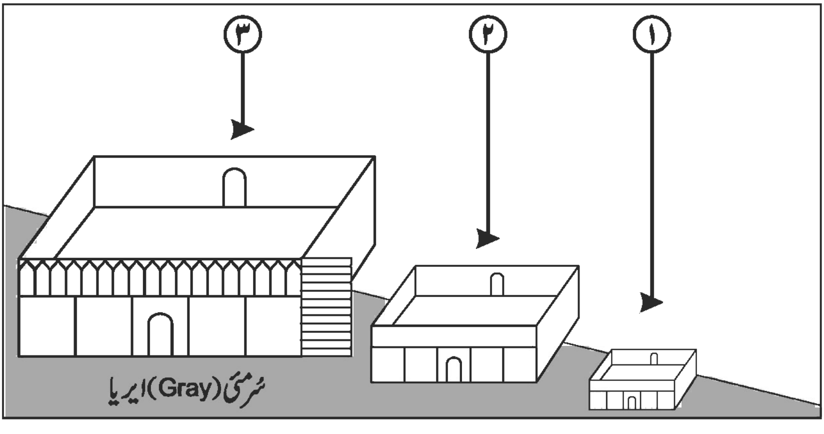
تو وہ اوپر نماز کے لیے چلا جائے۔ اور امام نیچے ہی کھڑا رہے۔ اوپر کا اضافہ شدہ حصہ بھی خالی ہی رہے اور جب مجمع بہت زیادہ ہو کہ چاروں طرف جگہ کی قلت ہو اس وقت اس اضافہ شدہ حصہ میں (اوپر کی منزل میں) امام نماز پڑھائے۔ الحاصل آخری مجبوری میں یہ صورت اختیار کی جائے جس کی ضرورت عموماً جمعہ یا عیدین میں پیش آسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجدِ قدیم وجدید کے ذریعہ توسیع مسجد کی ایک صورت

سوال: ایک مسئلہ کی صورت پیش آرہی ہے، شک وشبہ پیدا ہو رہا ہے، برائے مہربانی شریعت میں اس کا حکم کیا ہے بتائیے؟

معلومات کے لیے نقشہ دکھایا گیا ہے؟



(۱) نقشہ میں سُرمئی (Gray) رنگ سے بنائی ہوئی جگہ کالونی (Colony) میں مسجد بنانے کے لیے ایک مسلم نے وقف کی ہے۔

(۲) نمبر ا/میں جو بتایا گیا ہے کالونی تعمیر کرتے وقت تعمیر کا سامان رکھنے کے لیے مسجد کی جگہ میں ایک شیڈ یعنی کمرہ بنایا گیا جس میں سیمنٹ وغیرہ رکھا کرتے تھے۔

(۳) کالونی کی تعمیر کا کام ختم ہوتے ہی اس شیڈ میں جماعت کے ساتھ نمازیں شروع کیں۔

(۴) پھر وہ جگہ چھوٹی ہونے لگی، اس لیے چندہ جمع کر کے مسجد بنائی جو ۲/میں بتائی گئی ہے، اس میں جمعہ، تراویح اور رمضان کا اعتکاف بھی شروع کیا، اور ا/والی جگہ مؤذن کو رہنے کے لیے دے دی گئی، یہ دونوں مسجد کی وقف کی ہوئی جگہ پر ہیں۔

(۵) اس کے بازو میں اب تیسری ایک عمارت مسجد کر کے بتا رہے ہیں، جو ۳/ میں بتائی گئی ہے، جو آدھی مسجد کی وقف کردہ جگہ پر اور آدھی خریدی ہوئی جگہ پر تعمیر کی جا رہی ہے، یہ دوسری آدھی جگہ وقف بھی نہیں ہے اور N.A. نہ ہونے کی وجہ سے Construction کی اجازت سرکار کی طرف سے نہیں ہے، ۲/اور ۳/کے بیچ میں اوپر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہیں، وہ نقشہ میں بتائی گئی ہیں، ۲/میں نماز پڑھنا بند کر کے ۳/میں نماز پڑھنا شروع کئے تو مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

اور ۲/جو اصل مسجد ہے بند کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ۲/جو اصل مسجد ہے اور نئی عمارت سے ۱۲/فٹ کے فاصلے پر ہے اس پر چھت ڈال کر دونوں کو ملا دیں اور نیچے خالی رکھیں؛ تاکہ اوپر سے وہ مسجد اور نئی مسجد ایک ہو جائے، آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ درمیان کا زمینی حصہ خالی رہے گا کسی بھی

ضرورت کے لیے استعمال ہوسکتا ہے۔

جو اصل مسجد ہے ۲/والی اب تک ہر شخص مسجد سمجھ رہا ہے، اور مسجد ہی کی طرح نماز پنج وقتہ امام کے تقرر کے ساتھ باجماعت اور نماز جمعہ، تراویح، اعتکاف وغیرہ ہوتا رہا ہے، اب نئی تعمیر کی وجہ سے کچھ لوگ کہنے لگے ہیں کہ یہ مسجد نہیں تھی، کیا اس تاویل کی وجہ سے یہ مسجد کے حکم سے نکل جائے گی؟ اس کا حل مرحمت فرمایا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک وسیع جگہ جو مالک نے مسجد بنانے کے لیے وقف کی ہے، اس کا مقصد موجودہ عرف کے پیش نظر یہ تھا کہ اس میں سے جتنی جگہ پر تعمیر کی جائے اور اس تعمیر کا جتنا حصہ جماعت خانہ یعنی نماز باجماعت کے لیے مخصوص کیا جائے وہ مسجد شرعی رہے، اور بقیہ حصہ مسجد کے تابع رہے اور آئندہ حسبِ ضرورت مسجد شرعی میں اضافہ بھی اس زمین سے کیا جاسکتا ہے، اب اس زمین میں سب سے پہلے جو شیڈ تیار کیا گیا تھا اس کا مقصد تعمیرِ مسجد نہیں تھا؛ بلکہ کالونی کی تعمیر کے زمانہ میں تعمیر کا سامان وغیرہ رکھنا تھا، اور کالونی کا تعمیری کام مکمل ہونے پر اس مسقّف جگہ میں نماز باجماعت وقتی طور پر شروع کردی گئی، منتظمین کا مقصد اس جگہ کو مسجد شرعی کی شکل دینا نہیں تھا، اس کے بعد باقاعدہ تعمیر مسجد کے نام سے چندہ کر کے نمبر دو والی عمارت بہ نیتِ مسجد تعمیر کی گئی، اور لوگ بھی اس کو مسجد ہی سمجھتے رہے اور اس کے ساتھ مسجد ہی جیسا معاملہ کرتے رہے، اب جب کہ وہ جگہ تنگ پڑی، تیسری عمارت تیار کی جارہی ہے، نمبر دو والی عمارت جب بہ نیتِ مسجد تعمیر کی گئی تھی تو اب یہ تاقیامت مسجد ہی رہے گی، اور مسجد کے حکم سے نکلے گی نہیں، اگر وہ مصلیوں کے لیے تنگ پڑتی تھی تو منتظمین کو چاہیے تھا کہ اس کے برابر میں الگ

عمارت بنانے کے بجائے اس کو کشادہ اور وسیع کردیتے۔

نمبر دو والی اس عمارت کو خالی چھوڑ دینا درست نہیں ہے، تیسرے نمبر والی عمارت میں اگر مسجد کی نیت کر لی گئی ہے اور آدھا خریدا ہوا حصہ خریدنے کے بعد وقف کر دیا گیا ہے یا لوگوں کے چندہ سے مسجد کے لیے ہی خریدا گیا تو یہ عمارت بھی مسجد بن گئی ہے، اب دونوں عمارتوں کو ملا کر ایک کر دیا جائے اور درمیانی حصہ کو بھی شامل کر لیا جائے، صرف چھت ڈال دینا کافی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فوقانی حصہ کو چھوڑ کر تحتانی مسجد میں اضافہ

سوال: (۱) عرض یہ ہے کہ آج سے تقریباً اٹھارہ بیس سال قبل ڈیوزبری (یو-کے) میں دعوت و تبلیغ کی نیت سے ایک مسجد تعمیر کی اور مسجد کے دائیں بائیں سمت میں مختلف کمرے اور وضوخانہ وغیرہ تعمیر کرائے، پھر اسی وقت تحتانی مسجد کے اوپر ایک وسیع ہال تعمیر کر لیا گیا، اس ہال کا رقبہ تحتانی کمروں اور وضوخانہ کو بھی حاوی اور شامل ہے، فوقانی ہال کی تعمیر کے وقت فوقانی ہال کے صرف اسی حصہ میں مسجد کی نیت کی جو تحتانی مسجد کے محاذی ہے، اور فوقانی ہال کے مسجد والے اس درمیانی حصہ کے دائیں بائیں اور پیچھے والی جگہ کے بارے میں خارج مسجد کی نیت کی۔

اب اجتماعات اور عیدین وغیرہ کے موقع پر مصلیوں کی کثرت تعداد کی بناء پر فوقانی مسجد (فوقانی ہال) میں نماز باجماعت ہوتی ہے اور مصلیوں کی صفیں دائیں

بائیں جہت میں خارج مسجد میں بھی بھر جاتی ہیں، اس لیے اب متولی صاحبان فوقانی ہال کے خارج مسجد حصہ کو نیت کر کے داخل وشاملِ مسجد قرار دینے کا خیال کررہے ہیں؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ تحتانی مسجد کے دائیں بائیں واقع کمروں اور وضو خانہ وغیرہ کو داخلِ مسجد قرار دیئے بغیر صرف فوقانی ہال کے دائیں بائیں والے خارجِ مسجد حصہ کو مسجد کی نیت کر کے شامل وداخلِ مسجد قرار دینے کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

② موجودہ پوزیشن میں جب کہ فوقانی مسجد (فوقانی ہال) کے دائیں بائیں خارجِ مسجد والے حصے میں جو مقتدی کھڑا رہے گا اس کو مسجد کی نمازِ باجماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور اس حصے میں اعتکاف درست ہے یا نہیں؟

③ کسی مسجد کا فوقانی حصہ تحتانی مسجد کے دوگنا بڑا ہے اجتماعات اور جمعہ کے علاوہ دیگر اوقات میں تو ہمیشہ تحتانی مسجد ہی میں نماز باجماعت ہوتی ہے؛ مگر جمعہ اور اجتماعات کے موقع پر فوقانی مسجد میں نماز باجماعت پڑھنا کیسا ہے؟

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ چوں کہ مسجد میں تحتانی حصہ ہی اصل مسجد ہوتا ہے؛ اس لیے امام تحتانی مسجد ہی میں کھڑا ہو کر امامت کرائے، تحتانی مسجد میں جتنے مصلیوں کی گنجائش ہو وہ نیچے نماز پڑھیں، بقیہ زائد مجمع فوقانی مسجد میں چلا جائے تحتانی مسجد کے بجائے فوقانی مسجد میں جماعت کرنا غیر مناسب اور خلافِ اولیٰ ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا ازدحام کے موقع پر فوقانی مسجد میں نماز باجماعت بایں طور پڑھنا کہ امام بھی فوقانی مسجد ہی میں کھڑا رہے کیا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تحتانی مسجد کے دائیں بائیں واقع کمرے اور وضو خانہ وغیرہ تمام جگہیں

مسجد کے لیے وقف ہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ جلد دوم از ۷۰۵ تا ۷۰۹، البلاغ کراچی ماہ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ پر شائع شدہ ایک فتویٰ از ۴۵ تا ۴۷)

② موجودہ پوزیشن میں سب سے پہلے تو مسجد والے حصہ میں صف بندی کی جائے، جب تک وہ حصہ مکمل نہ بھر جائے وہاں تک دائیں بائیں کھڑے نہ ہوں۔

(ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۵۰)

صفوف کے اتصال کی صورت میں دائیں بائیں کھڑے رہنے والے کو نماز باجماعت کا ثواب بھی ملے گا؛ البتہ وہ حصہ داخلِ مسجد نہ ہونے کی وجہ سے اس میں اعتکاف درست نہیں ہے۔

③ نچلی منزل کو چھوڑ کر بالائی منزل میں جماعت کرنا مسجد کی اصل وضع اور امت کے متوارث تعامل کے خلاف؛ نیز نچلی منزل کا جماعت سے خالی رہنا مسجد کے احترام کے خلاف ہے؛ البتہ بعذرِ حبس (یا بصورتِ مسئولہ کثرتِ مصلین) وغیرہ جائز ہے۔

(احسن الفتاویٰ ۳/۲۸۷، آپ کے مسائل اوران کا حل ۲/۲۵۶، فتاویٰ محمودیہ ۱۸/۱۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

پڑوس کی زمین مالک کی اجازت کے بغیر مسجد میں شامل کرنا

سوال: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے، مسجد کے قریب ہماری کھلی زمین ہے، برسوں سے وہ زمین کھلی ہے، پڑوس کی مسجد شہید کر کے ٹرسٹیوں نے نئی مسجد بنائی تو اس کھلی زمین کو مالکِ زمین کی اجازت کے بغیر جو تقریباً سترہ سو اسکیر فٹ ہے مسجد میں شامل کرلی، ہم کچھ کورٹ کاروائی کریں اس سے پہلے ٹرسٹی منائی حکم پر کیوٹیٹ لے آئے،

اور مسجد میں اس کھلی جگہ کو زبردستی شامل کرلی اور اس میں نماز بھی شروع کردی، ہم نے اس پر منائی حکم لاکر انہیں روکا، منع کیا؛ مگر نہیں مانے اور کہتے ہیں کہ ہم دین کے لیے جیل بھی جائیں گے تو اب سوال یہ ہوتا ہے کہ:

① ٹرسٹیوں کا اس طرح سے کسی کی زمین کو بغیر اجازت کے مسجد میں شامل کرنا جائز ہے؟

② کیا زبردستی کسی کی زمین کو مسجد میں شامل کر سکتے ہیں؟

③ کیا ایسی جگہ میں جو زبردستی بغیر اجازت کے لے کر مسجد میں شامل کی اس میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ کیا نماز صحیح ہوگی؟

④ کیا ایسا کرنے والے ٹرسٹی گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

⑤ کیا ایسے ٹرسٹی شرعاً مسجد میں ٹرسٹی رہنے کے قابل ہیں؟

⑥ ایسا کام کرنا یہ دین کا کام کہلائے گا؟ کیا ایسا کہنا کہ ہم دین کے لیے قید خانہ بھی جائیں گے یہ صحیح ہے؟ کیا دین میں کسی کی زمین یا کوئی چیز زبردستی لے کر مسجد و مدرسہ میں شامل کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے اپنے سوالات میں جو باتیں پیش فرمائی ہیں وہ اگر درست اور صحیح ہیں تو آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب حسبِ ذیل ہیں:

① اگر واقعۃً وہ زمین آپ کی ملکیت ہے، اس پر آپ کے پاس شرعی ثبوت موجود ہے تو ٹرسٹیان کا اس زمین کو اس طرح بلا اجازتِ مالک مسجد میں شامل کرلینا ناجائز ہے۔

② نہیں۔

③ اس طرح بغیر اجازتِ مالک اس جگہ کو مسجد میں شامل کر لینے کی وجہ سے وہ جگہ مسجد نہیں بنی، یہ غصب ہے، اور بدونِ اذنِ مالک اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (كذا في الشامية قبيل باب الاذان ١ /٢٨١)

④ جی ہاں! ایسا کرنے سے وہ گنہگار ہوں گے۔

⑤ وقف میں غیر شرعی تصرف کا ثبوت ہو تو متولی مستحقِ عزل ہے۔

وينزع وجوبا بزازية لو الواقف در فغيره بالأولىٰ غير مأمون أو عاجزا أو ظهربه فسق (در مختار على هامش الشامية٣ /٤٢١)

⑥ نہیں، فعلِ مذکور کے متعلق ایسا کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔

نوٹ: ① آپ نے جس زمین کے متعلق دریافت فرمایا ہے، اس کے متعلق یہ تحقیق فرمالیں کہ وہ مسجد کے لیے وقف نہیں ہے! ممکن ہے آپ کے آباء واجداد نے اس کو بھی مسجد کے لیے وقف کر دیا ہو؛ لیکن سرکاری کاغذات میں اندراج کی نوبت نہ آئی ہو؛ تاکہ آپ بھی نادانستہ طور پر وقف جائیداد پر دعویٰ کرنے کے گناہ میں مبتلا نہ ہوں۔

② اس نزاع کو دونوں فریق آپس میں بیٹھ کر شرع کے مطابق فیصلہ کریں یہ زیادہ مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٧/ جمادی الاولیٰ ١٤١٨ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جانب غرب میں واقع دکانوں پر توسیع مسجد

سوال: ہمارے بڑودہ شہر کے بالکل وسط میں ایسے علاقے ہیں، جس کے چاروں طرف بازار ہیں، سامنے عدالت (نیائے مندر) کی شاندار پرشکوہ عمارت ہے اور

اطراف سے شہر میں آنے والی بسوں کا بس اسٹینڈ بھی اسی کے قریب ہے، بستی اور ٹرافک سے ایسے بھرپور علاقہ میں ''کھجوری مسجد'' نامی ایک تاریخی مسجد واقع ہے، مذکورہ مسجد کے چاروں طرف مسجد کی مملوکہ زمین پر دکانیں ہیں، جو سالہا سال سے کرایہ پر دی ہوئی ہیں، حکومت کے حالیہ قوانین کی رو سے مسجد کی توسیع کے لیے ان دکانوں کا قبضہ مسجد کو حاصل ہونا دشوار؛ بلکہ ناممکن ہے، جائے وقوع کی درج بالا خصوصیات کی وجہ سے نمازیوں کی کثرت تعداد کے پیش نظر موجودہ مسجد بالکل ناکافی ہونے اور آج سے بیس سال قبل کے فرقہ وارانہ فساد میں اس کو کافی نقصان پہنچنے؛ نیز اس کی عمارت نہایت بوسیدہ ہوجانے کی بناء پر، مسجد عرصۂ دراز سے ازسرِ نو تعمیر طلب تھی، قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے اس کی تعمیر نو مؤخر ہوتی رہی؛ لیکن اب بحمد اللہ بڑودہ کارپوریشن نے اس کی تعمیرِ نو کی اجازت دیدی ہے؛ چناں چہ تعمیری کام شروع ہوچکا ہے، موجودہ مسجد مصلیوں کی تعداد کی بہ نسبت نہایت تنگ ہے اور اس میں ہوا اور روشنی وغیرہ کا راستہ نہ ہونے کی وجہ سے اس میں کافی حبس رہتا ہے، اور تاریکی بھی رہتی ہے، دکانوں سمیت مسجد کی مملوکہ زمین کا مجموعی ایریا (علاقہ) پانچ ہزار اسکورفٹ ہے، جس میں سے صرف بارہ سو اسکورفٹ ایریا (علاقہ) پر مسجد واقع ہے اور باقی اڑتیس سو اسکورفٹ ایریا (علاقہ) پر دکانیں ہیں، جس پر کرایہ دار قابض ہیں، مصلیوں کی تعداد کے اعتبار سے موجودہ مسجد کی چار گنی توسیع اشد ضروری ہے۔

مسجد کی دکانیں مسجد کی ملکیت ہونے کے باوجود ناممکن الحصول ہونے کی وجہ سے تحتانی مسجد کی توسیع بالکل ناممکن ہے، اب توسیع کی صرف ایک صورت یہ ہے کہ مذکورہ مسجد کے اوپر ایک منزلہ تعمیر کرلیا جائے اور مسجد سے ملحقہ دکانوں کی چھت والا حصہ

فوقانی مسجد میں شامل اور داخلِ مسجد کرلیا جائے، بایں طور تحتانی مسجد کے بجائے فوقانی مسجد کی یہ توسیع بقدرِ کفایت وضرورت ممکن ہے، پھر فوقانی مسجد کی یہ توسیع جانبِ شرق میں ممکن نہیں، جب کہ جانبِ غرب (سمت قبلہ) ہی میں ممکن ہے؛ نیز کما حقہ دائیں وبائیں جانب بھی ممکن نہیں، اب مسجد کی انتظامیہ کمیٹی نے جانبِ غرب ہی میں فوقانی مسجد کی تعمیر کا پلان ونقشہ تیار کیا ہے، تعمیر مکمل ہونے کے بعد مسجد کے تحتانی اور فوقانی دونوں منزلے پنج گانہ نماز باجماعت میں استعمال ہوں گے، تحتانی مسجد کا استعمال موقوف اور بند نہیں کیا جائے گا، اب پنج گانہ نماز باجماعت میں امام کے تحتانی مسجد میں امامت کے لیے کھڑے رہنے کی صورت میں فوقانی مسجد کی جانب غرب توسیع شدہ حصہ میں واقع صفوف کا، تقدم علی الامام ہونا لازم آتا ہے، جو جائز نہیں، علاوہ ازیں توسیع کا اصل مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے، لہٰذا اب درج ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) جانبِ غرب دکانوں کی چھت پر واقع فوقانی مسجد کا توسیع شدہ حصہ، صحتِ اعتکاف وغیرہ دیگر احکام مساجد کے اعتبار سے مسجد شرعی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بعض حضرات کو درج ذیل عبارت: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجدا، ينقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ ﴿وان المساجد لله﴾ بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفا لمصالح المسجد، فإنه يجوز إذ لا ملك فيه لأحد؛ بل هو من تتميم مصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر المذهب، وهناك روايات ضعيفة مذكورة في الهداية.(البحر الرائق كتاب الوقف باب احكام المساجد ۵/۲۷۱، رد المحتار احكام المساجد مطبوعه نعمانيه ديوبند ۳/۳۷۰، رد المحتار كتاب الوقف احكام المساجد ۳/۴۰۶ مكتبه رشيديه) کی وجہ سے، مذکور مسجد فوقانی کے دکانوں پر توسیع شدہ حصہ کو عدم انقطاع

حق عبد کی بنیاد پر مسجد شرعی قرار دینے میں تأمل ہے۔

(۲) اگر مسجد فوقانی کا مذکور توسیع شدہ حصہ مسجد شرعی نہ ہو، تو اشکال یہ ہے کہ بناءِ ابتداء (اولین تعمیر) کے وقت شروط مذکورہ فی کتب الفقہ کی رعایت کے ساتھ، تحتانی حصۂ مسجد میں کرایہ کی دکانیں وغیرہ بنانا جائز ہے اور فوقانی حصہ ''مسجدِ شرعی'' ہوگا؛ حالاں کہ یہاں بھی دکانوں والے تحتانی حصہ کے ساتھ بالکلیہ انقطاع حق عبد نہیں ہے، لہٰذا بناء ابتدائی اور بناء ثانی کی توسیع مسجد فوقانی میں وجہ فرق کیا ہے؟

(۳) اگر مسجدِ فوقانی کا مذکورہ توسیع شدہ حصہ ''مسجدِ شرعی'' ہو، تو مذکورہ بالا حالات میں مفتیٔ اعظم ہند حضرت العلامہ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل فتوی کی بنیاد پر، امام کو تحتانی مسجد کے بجائے فوقانی مسجد کے جانب غرب توسیع شدہ حصہ کے اندر، فرض نماز با جماعت میں کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

نقل فتوی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

سوال: مسجد کی چھت پر نماز با جماعت جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مسجد کی چھت پر نماز کی جماعت جائز ہے اور اگر گرمی وغیرہ کے عذر کی وجہ سے ہو، تو کسی قسم کی کراہت بھی نہیں؛ البتہ بلا عذر ہو تو اس بناء پر کہ جماعت کی اصلی جگہ نیچے کا درجہ اور محراب ہے، اوپر جماعت کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

جواب: (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) تشریح اس کی یہ ہے کہ اگر گرمی کی ایسی شدت ہو کہ خشوع وخضوع قائم نہ رہے، تو مسجد کی چھت پر نماز با جماعت، وسنن ونوافل پڑھنے بھی مکروہ نہ ہوں گے اور اگر اس قسم کی شدت کی گرمی نہ ہوگی، تو

مسجد کی چھت پر نماز باجماعت وغیرہ مکروہ ہوگی۔

"فتاوی عالمگیری" میں ہے: الصعود علی کل سطح مسجد مکروہ، وھذا إذا اشتدت الحر یکرہ أن یصلوا بالجماعة فوقه، إلا إذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحه للضرورة کذا في الغرائب (۵/ ۳۵۶)

فقط حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی ۳/ ۱۵۵)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② صورتِ مسئولہ میں مسجد کی توسیع جانبِ غرب میں درست ہے، اب عدمِ انقطاعِ حقِ عبد کا جو اشکال رہ جاتا ہے، اس کا جواب تو یہ ہے کہ یہ صورت جب ہوتی، جب کہ وہ دکانیں مسجد کی ملک نہ ہوتیں؛ حالاں کہ صورتِ مسئولہ میں ان کی ملکیت مسجد کی ہی ہے، ان کا کرایہ بھی مسجد ہی کو مل رہا ہے، ملکی قانون کی وجہ سے باوجود ملک کے ان دکانداروں کو وہاں سے ہٹانا مشکل ہے، عبارت مذکورہ فی السوال میں صراحت ہے: بخلاف ما إذا کان السرداب أو العلو موقوفا لمصالح المسجد فإنه یجوز إذ لا ملك فیه لأحد.

صورتِ مسئولہ میں بھی جو دکان دار قابض ہیں، ان کی ملک نہیں ہے؛ بلکہ ملک تو مسجد کی ہی ہے اور قانونی طور پر بھی ان دکانداروں کی حیثیت کرایہ دار کی ہے اور مواقع ضرورت میں فقہاء نے بھی گنجائش دی ہے۔

"فتح القدیر" میں ہے: بخلاف ما إذا کان السرداب أو العلو موقوفاً لصاحب المسجد، فإنه یجوز إذ لا ملك فیه لأحد؛ بل ھو من تتمیم مصالح المسجد فھو کسرداب مسجد بیت القدس، ھذا ھو ظاھر

المذهب وروي عن أبي حنيفة أنه إذا جعل السفل مسجداً دون العلو جاز، لأنه يتأبد، بخلاف العلو، وهذا تعليل للحكم لوجود الشرط، فإن التابيد شرط وهو مع المقتضى، وإنما يثبت الحكم معهما مع عدم المانع، وهو تعلق حق واحد، وعن محمد عكسه لأن المسجد معظم، وهو تعليل بحكم الشيء وهو متوقف على وجوده وعن أبي يوسف أنه جوز ذلك في الأولين لما دخل بغداد ورأى ضيق الأماكن، وكذا عن محمد لما دخل الري وهذا تعليل صحيح لأنه تعليل بالضرورة. (٦/ ٢٣٥،٢٣٤)

دیکھئے! فتح القدیر کی اس عبارت میں صرف فوقانی منزل کی مسجدیت کو درست قرار دینے والی روایت کی تائید فرمائی ہے؛ حالاں کہ اس میں تحتانی حصہ ملک مسجد نہیں ہے، اس وقت کی یہ بحث ہے جب کہ صورتِ مسئولہ میں تحتانی حصہ پر ملکیت مسجد کی ہی ہے، صرف قبضہ نہیں ہے؛ البتہ اعتکاف کے لیے مناسب یہ ہے کہ قدیم مسجد والے حصہ میں کیا جائے، تاکہ احتیاط پر عمل ہوجائے۔

③ ضرورت کے پیش نظر جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: نیچے کے دکانداروں کو تاکید کی جائے کہ حرمتِ مسجد کے خلاف کوئی کام اس میں نہ کریں۔ فقط

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی توسیع اور چند سوالات

سوال: ہمارے محلہ کی مسجد کا جماعت خانہ چھوٹا ہے جس میں ایک صف میں

پندرہ مقتدی رہتے ہیں ایسی تین صف ہوتی ہے جمعہ میں صحن پر دو صفیں اور ہو جاتی ہیں جس کی گنجائش ہے مگر عیدین اور رمضان المبارک میں تراویح میں تکلیف ہوتی ہے صحن کے کنارہ پر دو مزار شریف بھی ہیں مسجد کے قبلے کی طرف ایک مکان مسجد کا ہے جس میں کرایہ دار تھا ابھی اس کا قبضہ مسجد ہی کے متولیان کے پاس خالی ہے جس کی وجہ سے آمدنی کم ہو گئی ہے محلے کے کچھ حضرات قبلہ رخ جو مکان ہے اس کی طرف جماعت خانہ بڑھانے کو کہتے ہیں مگر قریب ایک یا دو صف زیادہ ہو گی اور بہت کم مقتدی بڑھیں گے قریب ۲۵-۳۰ مقتدی زیادہ آسکیں گے لیکن محلہ کے زیادہ حضرات پرانے جماعت خانہ اور صحن کے مزار شریف کے حصہ کو چھوڑ کر ایک منزل اوپر بڑھانا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے جماعت خانہ کو قبلہ رخ بڑھانے سے زیادہ مقتدی کی گنجائش ہو جائے گی صحن کے اوپر بھی پہلی منزل کی چھت آجائے گی تو اس صحن میں نماز جنازہ ہو گی یا نہیں؟ اس کا جواب مطلوب ہے۔

محلہ کے زیادہ تر حضرات کا کہنا ہے کہ قبلہ کی طرف مسجد کا جو مکان ہے اس پر اپارٹمنٹ بنا کر مسجد کی آمدنی بڑھائی جائے اور محلہ کے جن حضرات کو رہنے کی تکلیف ہے اس کو دور کیا جائے ابھی مسجد کی آمدنی کم ہونے کی وجہ سے بہت تکلیف ہوتی ہے امام صاحب اور مؤذن صاحب کی تنخواہ بھی بڑھا سکیں اور بجلی کے بل کی کمی کو بھی پورا کر سکیں اور قرض حسنہ لینا نہ پڑے۔

جماعت خانہ پرانا توڑنے پر جو سامان پرانا نکلے گا اس کو فروخت کر سکتے ہیں؟ اور مٹی اور ملبے کو کہاں رکھنا پڑے گا؟ فروخت کیے ہوئے سامان کی رقم جماعت خانہ میں استعمال لے سکیں گے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

مسجد کے قبلہ رخ جو مکان ہے وہ اگر قدیم زمانہ سے اصل مالکان مکان کی طرف سے اس مکان کی آمدنی مسجد کے مصارف میں استعمال کرنے کے لیے وقف کیا گیا تھا تب تو اس پر اپارٹمنٹ بنا کر مسجد کی آمدنی کو بڑھایا جائے تا کہ یہ مکان جس مقصد کے لیے وقف ہوا ہے اس میں اس کا استعمال ہو اس لیے کہ واقف کی شرائط کی پابندی ضروری اور لازم ہے۔ شرط الواقف کنص الشارع قاعدة مسلمة عند الفقهاء .

اور اگر وہ مکان مسجد کی آمدنی سے خریدا گیا تھا تو اب اس جگہ پر مسجد کی توسیع کی بھی اجازت ہے اور اس کو باقی رکھتے ہوئے اپارٹمنٹ بنانے کی بھی اجازت ہے محلہ والے آپس کے مشورہ سے جو شکل اختیار کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

مسجد کی توسیع کرتے ہوئے اوپر کی طرف ایک منزلہ بڑھانے کی صورت میں نیچے جتنا حصہ مسجد شرعی میں داخل تھا اوپر کا بھی وہی حصہ اس مقدار میں مسجد شرعی کہلائے گا صحن مسجد اگر مسجد شرعی میں پہلے سے داخل نہیں تو اب تعمیر کے بعد بھی اس کے اوپر والا حصہ مسجد میں داخل نہیں سمجھا جائے گا اور اس صورت میں وہاں پر نماز جنازہ درست ہے جب کہ پہلی والی صورت میں یعنی اس کے داخل مسجد شرعی ہونے کی صورت میں اس جگہ پر نماز جنازہ درست نہیں۔

جماعت خانہ توڑنے کی صورت میں اس کا ٹوٹا ہوا سامان فروخت کرنے سے جو قیمت حاصل ہو اس کو جماعت خانہ کی نئی تعمیر میں استعمال کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

احاطۂ مسجد میں طہارت خانہ

سوال : مسجد کے طہارت خانہ و بیت الخلاء باہر مسجد سے الگ تھے اب اس خیال سے کہ باہر آنے جانے والے لوگ پریشان کرتے ہیں تو اب اس طہارت خانہ اور بیت الخلاء کو مسجد کی چہار دیواری صحن میں لینا ہے اور وہ بالکل مسجد یعنی جماعت خانہ کے سامنے ہی آتے ہیں تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب : حامداً و مصلیاً و مسلماً

طہارت خانہ کو مسجد کی چہار دیواری (احاطہ) میں لیا جا سکتا ہے یہ خیال رہے کہ وہ مسجد کی قبلہ والی جانب میں نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی توسیع کے لیے دوکان منہدم کرنا

سوال : مسجد کے احاطے میں ایک دکان ہے تو، اس کو مسجد میں شامل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب : حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہ سوال واضح نہیں ہے، اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ مسجد کی توسیع کی ضرورت درپیش ہے، تو دکان ختم کر کے اس حصۂ زمین کو مسجد شرعی میں داخل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اگر یہ جگہ مسجد کی رقم سے خریدی گئی تھی تو اجازت ہے، اور اگر کسی آدمی نے یہ

جگہ مسجد کی آمدنی کے لیے وقف کی تھی تو اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسجد کی جگہ کو کسی اور کام میں استعمال کرنا جائز نہیں

سوال : ہمارے گاؤں میں آج سے ۳۰/سال پہلے دو مسلم بھائیوں نے اپنی ذاتی زمین گاؤں رسول پور کی سنی حنفی جماعت کو مسجد کے نام سے وقف کی تھی، پھر گاؤں والوں نے اور صاحبِ وقف سب مل کر اس جگہ کے اردگرد چاردیواری کر کے اس زمین میں سے ۳۲x۳۲ کی جگہ متعین کر کے مسجد کے حرم یعنی جماعت خانہ طے کیا تھا، یعنی مسجد کے حرم کی نیت کر کے زمین کے اندر سے زمین کے باہر تک تعمیری کام بھی کر دیا تھا جو ابھی تک موجود اور قبلے کی سمت بھی ہے؛ لیکن اس وقت مسجد کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے پوری مسجد نہیں بنائی تھی، پھر ایک مرتبہ گاؤں کے چار ساتھیوں نے اس جگہ میں اذان اور اقامت کے ساتھ ایک فرض نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کی تھی، ایک جگہ تو ایسی ہے اور یہ جگہ سرکاری دفتر میں بھی مسجد کے نام سے رجسٹر ہو چکی ہے، اور اب جب مسجد بنانے کی ضرورت پیش آئی تو ایک جگہ اُور ہے، وہ بھی ایک صاحب نے وقف کی تھی اور مطلقاً وقف کی تھی، کسی کی نیت کر کے وقف نہیں کی تھی یعنی مدرسہ، مسجد وغیرہ کی نیت نہیں کی تھی، اور وہ جگہ مین سڑک پر ہے، اور مسجد کے نام سے جو جگہ وقف ہے وہ اس کے سامنے والی گلی میں ہے، یعنی دو جگہ کے درمیان ۱۰۰/میٹر کا تقریباً فاصلہ ہے، اور وہ دونوں جگہ مسلمانوں کی آبادی ہے؛ لیکن مین سڑک پر مسجد بنانے میں لوگوں کو زیادہ سہولت ہے، اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ

مسجد مین سڑک پر جو جگہ ہے وہاں بنائی جائے، اور مسجد کے نام سے جو جگہ ہے وہاں کوئی اَور چیز یعنی مدرسہ یا مدرسین کے گھر بنائے جائیں، اور چند لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ شکل جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ جو جگہ مسجد کے نام سے وقف ہو چکی ہے اور مسجد کا حرم کا حصہ طے ہو گیا، اور ایک فرض نماز اذان واقامت کے ساتھ ادا ہو چکی ہے، اب شرعاً وہاں مسجد ہی بنانا جائز ہے، کوئی اَور چیز بنانا جائز نہیں ہے۔

اب شریعت کی روشنی میں آپ ارشاد فرمائیں کیا کیا جائے؟ اگر جو جگہ مسجد کے نام سے وقف ہے وہاں مسجد نہ بنائی جائے؛ بلکہ کوئی اور مدرسہ وغیرہ بنایا جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جو جگہ مسجد کے لیے وقف ہو چکی اس میں تعمیر بھی شروع ہو چکی، اور واقف کی اجازت سے اس میں نماز با جماعت بھی ادا کی جا چکی، تو اب یہ جگہ مسجد بن چکی ہے، اب اس جگہ کو مسجد کے علاوہ کسی اور کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: ويزول ملكه عن المسجد والمصلي بالفعل، وبقوله جعلته مسجدا عند الثاني، وشرط محمد والإمام الصلاة فيه بجماعة، وقيل: يكفي واحد، وجعله في الخانية ظاهر الرواية (درمختار)(قوله ويزول ملكه عن المسجد إلخ)اعلم أن المسجد يخالف سائر الأوقاف في عدم اشتراط التسليم إلى المتولي عند محمد، وفي منع الشيوع عند أبي يوسف، وفي خروجه عن ملك الواقف عند الإمام، وإن لم يحكم به حاكم كما في الدر إلخ (شامي ٤٠٤/٢)

ولو خرب ماحوله واستغنیٰ عنه یبقیٰ مسجدا عند الإمام، والثاني أبدا إلیٰ قیام الساعة (درمختار) فلایعود میراثا ولایجوز نقله ونقل ماله إلیٰ مسجد اٰخر، سواء کانوا یصلون فیه أو لا، وهو الفتویٰ (شامي ۲/۴۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۶/رجب ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسجد کے تہہ خانہ میں کمرے بنا کر کرایہ پر دینا

(سوال): ہم لوگ پرانی مسجد کو شہید کر کے نئے نام سے بنا رہے ہیں اور ہماری مسجد کی کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، تو ہمارا ارادہ ہے کہ جماعت خانہ کے نیچے دو تین روم (کمرہ) بنا کر کے کرایہ سے دیں، تو کیا ہم جماعت خانہ کے نیچے یہ بنا سکتے ہیں؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس جگہ نیچے کمرہ بنا رہے ہیں، وہاں پہلے جماعت خانہ موجود تھا، تو اب نئی تعمیر میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اگر بنا لیا، تو اس کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔

أما لوتمت المسجدیة ثم أراد البناء منع، ولو قال عنیت ذلك لم تصدق تاتارخانیة فإذا کان هذا في الوقف، فکیف یغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد، ولا یجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن یجعل شیئا منه مستغلا، ولاسکنی بزازیة (درمختار علی هامش الشامي ۳/۴۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کا تہہ خانہ کرایہ پر دینا

سوال: ہماری مسجد جواب تک ٹن شیڈ کی تھی، اب آر سی سی کی بن رہی ہے، اس کے نیچے تہہ خانے بنائے ہوئے ہیں، محلے کے کچھ لوگوں کا ارادہ ہے کہ وہ تہہ خانے کسی اسکول کو کرایہ پر دے کر مسجد کی آمدنی کا ذریعہ بنالیں، فی الوقت ایک تہہ خانہ میں جماعت ہو رہی ہے چند ماہ تک اوپر جماعت خانہ تعمیر ہونے تک، اور ایک تہہ خانہ میں مال یعنی سمینٹ وغیرہ رکھا ہوا ہے، تو کیا تہہ خانوں کو کرایہ پر دے کر آمدنی کا ذریعہ بنا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

صورتِ مسئولہ میں ان تہہ خانوں کو کرایہ پر دے کر آمدنی کا ذریعہ بنانا جائز نہیں ہے، آپ کی مسجد جب ٹین شیڈ کی بن کر اس میں نماز کا سلسلہ شروع ہوا تھا، اسی وقت سے اس کی مسجدیت مکمل ہو چکی تھی، اب جب کہ آپ حضرات آر سی سی والی تجدید فرما رہے ہیں اس میں اس نوع کا کوئی بھی تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اب تو ان تہہ خانوں کو بھی نماز ہی کے لیے استعمال کیجئے، یا شدید ضرورت کے وقت اس میں مسجد ہی کا کوئی سامان (صفیں، قالین) وغیرہ رکھ سکتے ہیں۔ (منیۃ الساجد فی آداب المساجد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کے تہ خانے میں حفظ کلاس جاری کرنا

سوال: ہمارے گاؤں میں مسجد کے نیچے تہ خانہ ہے جس کو تعمیر جدید سے پہلے اصل مسجد کی جگہ جماعت خانہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اب تعمیر جدید کے بعد اسی کے اوپر جماعت خانہ بنایا ہے اور اصل جماعت خانہ بالکل غیر مستعمل ہے۔ کبھی

بھی اس میں نماز نہیں ہوتی۔ اب اس جگہ کچھ سامان رکھا رہتا ہے اور باقی جگہ ویران ہے اس کی صفائی بھی نہیں ہوتی۔ ارادہ یہ ہے کہ اس تہ خانہ میں شعبۂ حفظ قرآن جاری کیا جائے جس میں پڑھنے والے طلباء ۱۱، ۱۲، ۱۳ سال کی عمر کے ہوں گے۔ نیز مدرس صاحب معاوضہ لے کر پڑھائیں گے اس صورت میں تہ خانہ کی صفائی بھی ہوگی اور یہ استعمال بغیر کرایہ کے ہوگا۔ نیز اس صورت میں تہ خانہ بالکل آباد رہے گا۔ عرض یہ ہے کہ اگر کوئی گنجائش ہو کہ تہ خانہ کو اس شعبہ کے لیے استعمال کرے تو ضرور بالضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل تو یہ ہے کہ اس حصہ کو مسجد کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اسی میں نماز با جماعت کا اہتمام کیا جائے۔ لیکن اگر ذمہ دار حضرات ایسا نہیں کر رہے ہیں اور بے کار پڑا رہنے کی وجہ سے اس کی صفائی بھی کما حقہ نہیں ہو پاتی اور اب اس کو آباد کرنے کی غرض سے اس میں شعبۂ حفظ قرآن شروع کرنا چاہتے ہیں اور پڑھنے والے بچے بھی اتنے بڑے ہیں کہ آداب مسجد کی رعایت کر سکتے ہیں تو دریں صورت اس میں حفظ قرآن کا بندوبست کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ شوال المکرم ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کا حصہ اسکول میں دینا

سوال: ہمارے محلہ کی مسجد کے شمالی جانب لگ بھگ دس بارہ ہاتھ جگہ خالی ہے، اور یہ جگہ مسجد ہی کی ہے، اس کے بعد روڈ لگ جاتا ہے، اور مسجد کے مشرقی جانب

متصلاً نمازیوں کے لیے مسجد، اسکول اور پیشاب خانہ میں آنے جانے کا راستہ ہے، اور مسجد کی جنوبی دیوار سے لگے ہوئے جنوب کی طرف مسجد کی دوسری عمارت ہے، جو فی الوقت اردو اسکول ہے، جس کا سرکار کرایہ دیتی ہے، یا دینے والی ہے، اس اسکول میں مسلمان عورت ٹیچر ہے، اور اسکول کے اندر آمدورفت کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کسی بھی جانب، سوائے یہ ہے کہ مسجد کے سامنے ہی سے آمدورفت کرے جس راستہ سے نمازی آمدورفت کرتے ہیں، اور الحمدللہ مسجد میں جماعتیں بھی آتی جاتی ہیں، اور اسکول کے سامنے ہی سے پیشاب پاخانہ کی گذرگاہ ہے، جس سے کبھی کبھار عورتوں پر نظر پڑ جاتی ہے، اور فی الوقت نمازیوں کی زیادتی کی وجہ سے مسجد بھی ناکافی ہے، اور ساتھ ساتھ مسجد کی آمدنی اسکول کے کرایہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے، تو اراکینِ مسجد نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اسکول کو مسجد کے شمالی جانب جو جگہ خالی ہے اس جگہ لایا جائے، اور اسکول کا کچھ حصہ مسجد کے اندر آئیگا، یعنی مسجد کی شمالی دیوار توڑ کر تھوڑا سا جنوب کی طرف دیوار مسجد قائم کی جائے گی، اور مسجد کی جنوبی دیوار توڑ دی جائے گی؛ تا کہ اسکول کو مسجد بنالیا جائے، اور اسکول روڈ کے کنارے آجائے، اور بے پردگی سے بچ جائے، اور مسجد فی الوقت کافی ہوجائے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مندرجۂ ذیل مجبوریوں کے پیش نظر (نماز کے لیے مسجد ناکافی، مسلمان عورت ٹیچر کی بے پردگی) کیا مسجد کا کچھ حصہ اسکول میں اور اسکول کا کچھ حصہ مسجد میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو جگہ ایک مرتبہ شرعی مسجد بن گئی، وہ اب ہمیشہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، اس کو

کسی دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام، والثاني أبدا إلى قيام الساعة، وبه يفتى حاوي القدسي. (درمختار على هامش الشامية ٣/ ٤٠٦)

اس لیے صورتِ مسئولہ میں مسجد کا کوئی بھی حصہ اسکول میں دینے کی ہرگز اجازت نہیں؛ البتہ اگر مسجد میں تنگی پڑتی ہے، تو اسکول کا کوئی حصہ نکال کر مسجد میں داخل کرنے کی اجازت ہے؛ بلکہ اگر وہ اسکول مسجد کی زمین میں ہے تو مسجد کی توسیع کر لی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالحجۃ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی جگہ میں دیگر تعمیرات جائز نہیں

سوال: تقسیم ہند سے پہلے ایک مسجد جو غیر مسلموں کے قبضے میں تھی کو وقف بورڈ نے ان غیر مسلموں کو الاٹ کر دیا، صرف ایک صف کی جگہ چھوڑ دی گئی، جس میں نہ تو منبر کی جگہ ہے اور نہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ، ان غیر مسلموں نے مسجد کے صحن اور متعلقہ اراضی پر شوروم تعمیر کر لیا، اس تعمیر کی وجہ سے مسجد کا پچھلا حصہ کالعدم ہو رہا تھا، جس پر جالندھر کے مسلمان وقف بورڈ اور سردار دیدار سنگھ کے خلاف کھڑے ہو گئے، نوبت خون خرابہ آ گئی، اخیر میں سمجھوتا ہوا کہ شوروم جو کہ مسجد کے صحن میں تعمیر ہے اس کے اوپر مسجد بنا دی جائے اور پچھلا حصہ جو کہ مسجد کے لیے ناکافی تھا سردار دیدار سنگھ کے حوالہ کر دیا جائے، مسجد کی تعمیر اس کی بنیاد جو پہلے تھی اور اینٹ وغیرہ جو سابقہ مسجد کی ہے تعمیر کر دی گئی۔ شریعت کی روشنی میں مسجد درست ہے یا نہیں؟ اور اس میں نماز ادا

کی جائے یا نہیں؟ اور اگر مسجد اور نماز درست نہ ہو تو پھر اس عمارت کو جو مسجد کے لیے تعمیر کی گئی ہے کس کام میں استعمال کی جائے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

وقف بورڈ کی تشکیل اس لیے کی گئی ہے کہ وہ اوقاف مسلمین کی حفاظت کرے، جن اوقاف یا مساجد پر ناجائز قبضے کیے گئے ہیں ان کو قانون اور حکومت کے تعاون سے دور کرے، صورت مسئولہ میں وقف بورڈ کا مقبوضہ مسجد کو غیر مسلموں کے نام الاٹ کر دینا شرعاً و قانوناً درست نہیں، جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن گئی وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی اس کا استعمال مسجد کے علاوہ دوسرے کام میں مسلم یا غیر مسلم کسی کے لیے بھی درست نہیں، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسا کوئی سمجھوتہ جس سے اس پر ناجائز قبضہ باقی رہتا ہو یا اس کو قانونی جواز فراہم ہوتا ہو تسلیم نہ کریں، اور مسجد والی تمام جگہ کی رہائی کا اپنا مطالبہ جاری رکھیں، اس کے لیے قانونی چارہ جوئی کا سلسلہ جاری رہے، چوں کہ یہ مسجد پہلے ہی سے مسجد شرعی تھی اس لیے مسجد کی موجودہ عمارت میں نماز بھی درست ہے اور نماز پڑھنے سے مسجد ہی کی فضیلت حاصل ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰ رجب ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد میں چوری سے بجلی چلانے اور نماز پڑھنے کا حکم

سوال: مسجد کے اندر بجلی کا جلانا بغیر میٹر کے بغیر حکومت کی اجازت کے، کیسا ہے؟ اور اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اب تک اس میں جو نماز پڑھی ہے، اور اس

بجلی سے جو فائدہ اٹھایا اس کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب درج کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی اجازت اور میٹر کے بغیر بجلی کا استعمال گناہ ہے، اور سرقہ ہے، خصوصاً مسجد جو اللہ کا گھر ہے اس میں اس فعلِ بد کی قباحت مزید بڑھ جاتی ہے کہ: ''إن اللہ طیب لا یقبل إلا الطیب'' (مسلم ۱/ ۳۲۶) جو حضرات اس حرکت کے مرتکب ہیں، ان کو سختی کے ساتھ اس سے باز رکھا جائے، اب تک جو بجلی اس طرح استعمال کی ہے، اس کا عوض حکومت کے اس محکمہ میں ادا کر دیا جائے، نماز جو پڑھی ہے وہ ادا ہوگئی، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی بجلی کا استعمال کب تک کرے؟

سوال: مسجد میں اگر کوئی مسافر رات گزارا کرے تو سوتے وقت پنکھا استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ یا اور کوئی شخص کا تلاوت یا ذکر وغیرہ پڑھنے کے لیے رات کو بہت دیر تک لائٹ وغیرہ استعمال کرنا کیسا ہے؟ لائٹ وغیرہ استعمال کرنے کی کیا مقدار ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز کے لیے جب تک روشنی رہنے کا معمول ہے اس وقت تک اس روشنی میں قرآن شریف اور وظیفہ وغیرہ پڑھنا بلاشبہ درست ہے، اور اس کے بعد یعنی جب روشنی گل کر دی جاتی ہو اس وقت لائٹ بل دینے والے کی اجازت سے روشنی کرنا، اور اس میں قرآن

شریف وغیرہ پڑھنا درست ہے، بلا اجازت نہیں پڑھنا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید ۱۵/ ۲۳۸)

البتہ اگر وہاں کا دستور اس کی اجازت دیتا ہو تو درست ہے، پنکھے کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد میں زائد از ضرورت روشنی استعمال کرنا

سوال: بہت سی مسجدوں میں ضرورت سے زائد روشنی کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور اگر کوئی شرط کے ساتھ مسجد میں کچھ وقف کرے فلاں جگہ میں استعمال کرنا ہے تو کیا شرط کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کا مال وقف ہے، ضرورت سے زیادہ یا بلا ضرورت اس کا استعمال جائز اور درست نہیں، چناں چہ ضرورت سے زائد روشنی کا اہتمام بھی درست نہیں۔ اگر کسی نے کوئی چیز کسی خاص شرط کے ساتھ مسجد میں وقف کی تو اس کی اس شرط کی رعایت (بہ شرطے کہ حدودِ شرع میں ہو) ضروری ہے، اور اسی کے مطابق اس چیز کو استعمال کیا جائے گا، اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ

مسجد کے لیے دی گئی زمین فروخت کرنا

سوال: (۱) ایک شخص نے مسجد کے لیے زمین وقف کی یا عطیہ دیا، متولیان

مسجد اس زمین کو (ضرورۃً مثلاً تعمیر جدید کے لیے رقم فراہمی کے لیے) فروخت کرنا چاہتے ہیں، یا کسی کو بلاثمن دینا چاہتے ہوں تو ان کے لیے فروخت کرنا یا بطور عطیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

② نیز مدرسہ کو ایک دارالاساتذہ کی سخت ضرورت درپیش ہے، اور مذکورہ بالا زمین مدرسہ سے بالکل متصل واقع ہے، تو آیا مدرسہ اسے خرید کر وہاں اپنی عمارت تعمیر کرسکتا ہے یا نہیں؟

③ نیز اگر واقف یا معطی بقید حیات ہے وہ ضرورت کے پیش نظر اپنے سابق قول (یعنی وقف ہو یا عطیہ) سے رجوع کر کے مدرسہ کے لیے مذکورہ زمین کا وقف یا عطیہ یا بیع بالثمن کرے تو آیا وہ اس کا مجاز ہے یا نہیں؟ استفتاء کے تمام سوالات کا جواب وافی اور شافی عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر مالک زمین نے وہ زمین مسجد کے لیے وقف کی ہے، تو متولیان مسجد کے لیے اس کو فروخت کرنا یا کسی کو بطور عطیہ دینا جائز نہیں ہے۔

فإذا تم ولزم لايملك، ولايملك، ولايعار، ولايرهن (درمختار) (قوله لايملك) أي لايكون مملوكا لصاحبه، ولايملك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه الخ (شامی ۳/ ۴۰۲)

البتہ اگر وقف نہیں کی ہے؛ بلکہ بطور عطیہ مسجد کو دی ہے تو متولیان مسجد ضرورتِ مسجد کے لیے اس کو فروخت کرنا چاہیں تو فروخت کرسکتے ہیں، لیکن کسی کو بطورِ عطیہ نہیں دے سکتے۔ لأن تصرف القيم منوط بالمصلحة، وليس من المصلحة

اعطاءه بلا عوض.

② اگر وہ زمین مسجد کو عطیہ کے طور پر ملی ہے، اور متولیان مسجد ضرورت مسجد کے پیش نظر فروخت کر رہے ہیں تو مدرسہ اس زمین کو خرید سکتا ہے، اور اگر وقف ہے تو نہیں خرید سکتا۔

③ اگر وہ آدمی اس زمین کو مسجد کے لیے وقف کر چکا ہے، تو اب اس کو حق نہیں کہ وہ اس سے رجوع کر کے وہ زمین مدرسہ کے لیے وقف کرے؛ البتہ اگر وہ زمین مسجد کو بطور عطیہ دی ہے تو مسجد سے خرید کر مدرسہ کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غفرلہ

مسجد کی ضرورت کے لیے وقف زمین کی بیع کرنا

سوال: بکر کا باپ سالم مسجد کا متولی ہے، اور مسجد کی زمین کو سالم بیچ کر وضوخانہ اور صحن بنوانا چاہتا ہے، بعض لوگوں کو اعتراض ہے کہ یہ زمین نہ بیچ کر چندہ ہی سے یہ کام کر لیا جائے اور مسجد کی زمین کو باقی رکھا جائے، جب کہ سالم کو ضد ہے کہ نہیں، ہم مسجد کی زمین کے مالک ہیں، اور مسجد کو وضوخانہ کی ضرورت ہے، اس لیے مسجد کی زمین بیچ کر بنوائیں گے، جواب طلب امر اینکہ متولیٔ مسجد وقف شدہ جائداد کا مالک ہوگا یا نہیں ہوگا؟ اور اگر ہوگا تو پھر اپنی ہی رائے سے زمین بیچ سکتا ہے یا تمام بستی والوں کی رائے کا بھی دخل ہے؟ شافی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

متولی موقوفہ زمین کا مالک نہیں ہے؛ بلکہ شریعت کے حکم کے مطابق نظم وانتظام کرنا یہ اس کی ذمہ داری ہے، اس لیے سالم کا یہ دعوی کہ ہم مالک ہیں درست نہیں ہے، مسجد میں وقف شدہ زمین کو بیچنا جائز نہیں ہے، اگر بیچا بھی تو یہ بیع باطل ہے، جس نے خریدا ہوگا وہ اس کا مالک نہیں ہوگا؛ بلکہ زمین مسجد ہی کی رہے گی، سالم گنہ گار ہوگا، لوگوں کا کہنا درست ہے کہ وضوخانہ چندہ کی رقم سے تیار کیا جائے، مسجد کی وقف زمین بیچ کر نہیں۔ اگر سالم اس پر تیار نہ ہو تو اس کو تولیت سے ہٹا کر کسی دیندار مسائل شرع سے واقف کار آدمی کو متولی مقرر کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کا وقف مکان فروخت کرنا

سوال: محلہ میں مسجد کا ایک مکان تین رخ کا تھا جس میں ایک کرایہ دار تھا متولیان نے مکان کو محلہ والوں کے مشورہ کے بغیر اپنی مرضی سے ایک بلڈر سے طے کر کے کرایہ دار کو ۵/ لاکھ ۵۰/ ہزار دے کر قبضہ میں لے لیا اگر محلہ والوں کی ایک میٹنگ رکھ کر مشورہ کرتے تو یہ رقم مسجد کو قرض حسنہ مل سکتی تھی بلڈر نے اس مکان کی قیمت بارہ لاکھ ۵۰/ ہزار طے کی اتنی زمین ہمارے محلے میں ۱۸/ لاکھ کی ہوتی ہے بلڈر نے ۵/ لاکھ ۵۰/ ہزار کرایہ دار کو دینے کے بعد قریب کے محلہ میں تین فلیٹ دیے ہیں جس کے دو فلیٹ کا کرایہ ۲۲۰۰ (بائیس سو روپیہ) آتے ہیں تیسرے فلیٹ کا کرایہ دار کرایہ نہیں دیتا اس کا کہنا ہے کہ میں نے بلڈر کو ایک لاکھ روپیے دیے

ہیں جو آپ مجھے دے دو تو میں آپ کو فلیٹ کا قبضہ دے دوں گا فلیٹ کے ابھی دستاویز باقی ہے اس کو ملے پانچ سال ہو گئے ابھی تینوں متولی صاحبان استعفا دینا چاہتے ہیں تو محلہ والوں کا کہنا ہے کہ جو ایک فلیٹ کا کرایہ پانچ سال سے نہیں مل رہا ہے جس کا ماہانہ ایک ہزار کے حساب سے ۵ر سال کے ساٹھ ہزار روپیے ہوں گے تو متولی صاحب ادا کر دے اگر متولی صاحبان یہ رقم نہ دیں گے تو یہ نقصان مسجد کو ہوتا ہے محلہ والوں کا کہنا ہے کہ ابھی تک فلیٹ کے دستاویز بھی نہیں ہوئے ہیں اور فلیٹ محلہ میں بھی نہیں ہے تو آپ نے جتنی قیمت میں یہ فلیٹ لیے تھے وہ قیمت مسجد میں دے دو ۱۶ر سال سے متولی صاحبان نے محلہ والوں کی کبھی بھی میٹنگ رکھی نہ تھی اور نہ کبھی مشورہ کیا تھا اور ہر کام اپنی مرضی سے ہی کرتے تھے اور ابھی تک ۱۶ر سال کا حساب محلہ والوں کو بھی نہیں بتایا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کا وہ مکان جو کرایہ دار کو رقم دے کر خالی کروایا گیا اگر مسجد کے لیے وقف کیا گیا تھا تو متولی حضرات کا اس مکان کو بلڈر کے ہاتھوں فروخت کرنا درست اور جائز نہیں۔

فإذا تم ولزم لايملك، ولايملك، ولايعار، ولايرهن (درمختار) (قوله لايملك) أي لايكون مملوكا لصاحبه، ولايملك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه الخ (شامی ۳/ ۴۰۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۷ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کیا صحن مسجد کا حصہ ہے؟

سوال: جماعت خانہ اور صحنِ مسجد کا حکم یکساں ہے یا کچھ فرق ہے؟ ہمارے محلہ کی مسجد اور دوسری چند مساجد میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ گرمیوں میں عصر، مغرب، عشاء کی نماز صحن میں ہوتی ہے جیسا کہ اس وقت تراویح مع نماز عشاء صحن میں ہو رہی ہے، ایسی صورت میں جماعتِ ثانیہ کی کراہیت اور اعتکاف کی صحت و بطلان کا حکم کیا ہوگا؟ اگر حکم میں فرق ہے، تو پھر جماعت خانہ کی طرح صحن مسجد کے فروخت وہبہ وغیرہ کا عدم جواز کیوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صحن مسجد کا اطلاق دو معنوں پر کیا جاتا ہے: اول مسجد کے اس غیر مسقّف حصہ کو صحن کہتے ہیں جو مہیا للصلوٰۃ تو ہوتا ہے، یعنی: نماز و جماعت ادا کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے؛ لیکن بغیر چھت کے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ دوم اس حصہ کو بھی صحن کہہ دیتے ہیں جو موضع مہیا للصلوٰۃ کے مسقّف اور غیر مسقّف حصہ کے بعد خالی زمین یا فرش کی صورت میں چھوڑ دیا جاتا ہے؛ مگر وہ نماز و جماعت ادا کرنے کے لیے نہیں بنایا جاتا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے صحن تو مسجد کا ہی ایک حصہ ہے، اور اس کے احکام مسجد کے احکام ہیں۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے صحن ایک علیحدہ چیز ہے، یعنی: اگر چہ وہ مسجد کے ساتھ وقف ہونے میں شامل ہے؛ مگر مسجد کے احکام اس کے لیے ثابت نہیں۔ (کفایت المفتی ۳/۱۵۶ بحذف یسیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صحنِ مسجد میں گھومنا

سوال: مسجد کے صحن میں گھومنا ذکر کرتے ہوئے یا ایسے ہی تفریح کے لیے کیسا ہے؟ کیا مسجد میں یا مسجد کے صحن میں اس طرح گھومنا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تفریح وچہل قدمی کے طور پر مسجد میں گھومنا درست نہیں ہے، احترام مسجد کے خلاف ہے، صحن اگر مسجد میں داخل ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، ورنہ درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ جدید ۱۵/ ۲۰۵، ۲۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی حفاظت میں لڑنا مرنا

سوال: ایک مسجد ہے، اس پر غیر مسلم قبضہ کرنا چاہتے ہیں، مسلم اگر اس کی حفاظت کرنا چاہیں، تو ان کے کافی تعداد میں شہید ہو جانے کا یقین ہے، ایسی صورت میں مسجد کی حفاظت کی جائے، یا مسجد سے دست بردار ہو جائیں؟ زید کہتا ہے کہ ابن ماجہ میں حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا خون کعبہ سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ اسی طرح فقہ کی کتابوں میں بھی بوقتِ ضرورت مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے مذکورہ مسجد سے دست بردار ہونا مناسب ہے؟ زید کی بات شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس مسجد کی صیانت سب مسلمانوں پر فرض ہے؛ مگر لڑنا مرنا ہرگز درست نہیں ہے، حسب قاعدہ سرکاری طور سے سرکار کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۳/۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد میں استعمال کرنا

سوال: کیا ایک مسجد کا پیسہ دوسری مسجد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد میں استعمال نہیں کی جاسکتی؛ البتہ اگر کسی مسجد کی آمدنی اتنی زیادہ ہے جو اس کی ضروریات سے زائد ہے، اور آئندہ بھی اس کو اس کی ضرورت نہیں ہے، تو اس صورت میں زائد رقم قریب کی مسجد میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، صورتِ واقعہ تفصیل سے لکھ کر اس سلسلہ میں حکم دریافت کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کر سکتے ہیں؟

سوال: ایک مسجد کے سامان کو دوسرے مسجد میں منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بیچیں گے تو کافر و مشرک کو بیچ سکتے ہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کا سامان اگر ایسا ہے کہ مستقبل میں بھی مسجد کے کام آسکتا ہے، تو اس کو محفوظ رکھ کر بوقت ضرورت مسجد میں لگایا جائے، اور اگر وہ مسجد کے کام کا نہیں ہے، تو اس کو فروخت کر کے، اس کی قیمت اسی مسجد کی تعمیر اور دیگر ضروریات میں خرچ کی جائے؛ البتہ اگر سامان بیچنے کی ضرورت پیش آئے، تو متولی کو چاہیے کہ بستی یا محلہ والوں کی اجازت لے کر فروخت کرے، انفرادی طور پر ایسا نہ کرے۔ (شامی)

اگر کافر ومشرک اس کو ایسی جگہ استعمال کرنا چاہتا ہے، جہاں بے ادبی ہوتی ہو (مثلاً پاخانہ یا پیشاب خانہ میں) تو اس کے ہاتھ فروخت نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ صفر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی رقم کا استعمال

سوال: میں مسجد کا متولی ہوں اور کچھ رقم مسجد کی میرے ہی نام بینک میں جمع ہے تو بہ وقت ضرورت میں مسجد والی رقم اپنے کام میں بہ طور قرض لاسکتا ہوں یا نہیں چوں کہ بینک سے قرض لینے میں رشوت والی شکل ہو جاتی ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کی رقم آپ کے پاس امانت ہے آپ اس کو اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لے سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

مسجد کے پترے بیچ کراس کی قیمت مسجد میں لگانا

سوال: ہمارے گاؤں میں قدیم زمانہ کی مسجد تھی، کچی اینٹ کی بنی ہوئی، زیادہ بارش ہونے کے کارن (وجہ) شہید ہوگئی، بصورت مسجد کی کچی دیوار تھی، اوپر چھاپرا تھا، چھاپرے کے اوپر پترے تھے، ہم نے دوبارہ مسجد بنانا شروع کیا پتھر کی، یعنی پکی، خرچ کے قلت کے کارن ہم نے پترے کچھ بیچ ڈالے، قیمت ان کی مسجد کے کام میں صرف کی، مسجد بڑی تھی، پترے چھوٹے تھے، اوپر آنہیں سکے، اس کارن سے ہم نے بیچے، جس جائے پہلے مسجد تھی، اسی جائے بنانا شروع کی، اس پترے کی قیمت مسجد میں لگانا جائز یا ناجائز؟ جناب محترم یہ مسئلہ صحیح کر کے لکھ کے بھیجنا کوئی علماءِ کرام بولتے ہیں کہ مسجد کی کوئی چیز بیچنا منع ہے، ہم نے تو مسجد بنائی ہے، یہ مسئلہ کتابوں کا حوالہ دے کر لکھ کر بھیجنا، ہمارے یہاں اعتراض چلتا ہے مسئلہ کا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ پترے دوبارہ اس مسجد میں لگائے نہیں جا سکتے تھے، اس لیے ان کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں لگائی تو جائز ہے۔

فعلى هذا يباع النقض في موضعين عند تعذر عوده، وعند خوف هلاكه (شامی ۳/ ۴۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ

قدیم مسجد کے پترے فروخت کرنا

سوال: ہمارے گاؤں میں ایک بہت ہی پرانی مسجد تھی، موسم برسات میں وہ

مسجد شہید ہوگئی، پھر اسی جگہ پر نئی مسجد بنانے کا کام شروع کیا، دوران تعمیر رقم کی قلت ہوگئی تو پرانی مسجد کی چھت پر جو پترے تھے، وہ ایک غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کردیے گئے، تو یہ فروخت کرنا شرعاً جائز ہے؟ اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے؟ اور اگر نہیں تو اس رقم کا کیا کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ پترے نئی مسجد میں کام نہیں آسکتے تھے اور بیکار پڑے تھے، تو اس صورت میں اہل محلہ اور اہل بستی کی اجازت سے ان کا فروخت کرنا درست ہے، اب اس کی قیمت سے نئی مسجد کی تعمیر میں کام آنے والی کوئی چیز مثلاً پتھر، سمینٹ وغیرہ خریدنے کی اجازت ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۱۰۴، ۱۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قدیم مصلّوں کا نیلام کرنا

سوال: ہمارے یہاں مسجد میں کئی زمانہ سے پرانے مصلے مسجد میں پڑے ہوئے ہیں، اور یہ مصلے ضرورت سے زائد ہیں، زیادہ وقت پڑے رہنے سے خراب ہوجانے کا خطرہ ہے، تو اس صورت میں عام مقتدیوں کے بیچ میں ہراجی سے فروخت کرکے اس کی قیمت مسجد ہی کے کاموں میں خرچ کی جائے، تو شریعت کی رو سے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آئندہ بھی اس کی ضرورت مسجد کو پیش نہیں ہوگی، تو اس کو مناسب دام پر فروخت

کر کے اس کی قیمت مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاخری ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا

سوال: مسجد کی پروپرٹی (جائداد) میں دینی مدرسہ (جہاں حفظ وعالمیت کی تعلیم ہو) تعمیر کرانا کیسا ہے کیا مسجد کی پروپرٹی کی جگہ مدرسے کی تعمیر کے لیے استعمال کر سکتے ہیں کیا ٹرسٹیان سے اجازت کافی ہے یا پورے گاؤں والوں کا اتفاق ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کی وہ جائیداد جس میں مدرسہ تعمیر کرنے سے متعلق آپ دریافت فرمارہے ہیں اگر مسجد کے لیے وقف ہے تو واقف نے مسجد کے جس کام کے لیے وقف کیا ہے اسی میں اس کو استعمال کرنے کی اجازت ہے اس کے علاوہ کسی اور کام میں استعمال کرنا جائز اور درست نہیں البتہ اگر وقف کرنے والے نے وہ جائیداد کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی کو مسجد میں استعمال کرنے کے لیے کہا تھا تو اس صورت میں اگر مسجد کے ذمہ داران اس جائیداد پر مکان تعمیر کر کے وہ مدرسہ کو بہ طور کرایہ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں اور اگر وہ جائیداد مسجد کی رقم سے خریدی گئی ہے اور خریدنے کے بعد بھی اس کو وقف نہیں کیا گیا ہے تو اس صورت میں اگر متولیان مسجد اس جائیداد کو مدرسے کے ہاتھ فروخت کرنا مسجد کے لیے نفع بخش سمجھتے ہیں تو بیچنے کی اجازت ہے اور اگر خریدنے کے بعد اس کو باقاعدہ وقف کیا گیا تھا تو بیچنے کی اجازت نہیں بہر حال جائیداد مسجد کی

ہونے کی وجہ سے مدرسے کے لیے اس کا استعمال بلا معاوضہ درست نہیں اور متولیان مسجد کو بھی ایسی اجازت دینے کی گنجائش نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۱ رشوال ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسجد کی زمین میں مدرسہ اور مختلف مدات کی رقوم کا مصرف

سوال : دیہات (گوٹا) کے مسلمانوں کے پاس ایک زمین تقریباً آدھا ایکڑ مسجد کے لیے تھی، وہاں کے مسلمانوں کی جماعت نے باہم اتفاق رائے سے معتبر صاحبان کی ایک ٹرسٹ کمیٹی قائم کی، اب اس کمیٹی کی نگرانی میں بنام "جامعہ عربیہ ابراہیمیہ دار العلوم" کا کام شروع ہوگا۔ اب اس ریزروز مین کو کمپاونڈ کرنا، پانی کے لیے بورنگ مارنا، حوض کی تعمیر، تعلیم وتعلم، درس وتدریس کے لیے جدا جدا کمرے، فرنیچر، اساتذۂ کرام کے لیے قیام گاہیں، ویتیم ونادار طلباؤں کے لیے قیام وطعام کا انتظام، ادارہ سے منسلک ومتعلق خادموں کے لیے قیام گاہیں، اسی احاطہ کے اندر ایک چھوٹی سی مسجد۔

(الف) مندرجۂ بالا کام پورا کرنے کے لیے صدقہ، فطرہ، خیرات، زکوٰۃ، ہدیہ، عطیہ، تحفہ، چرمِ قربانی وغیرہ مدات سے وصول ہونے والی رقومات خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(ب) اساتذۂ کرام ودیگر خادموں کی تنخواہیں، یتیم ونادار طلباؤں کا خرچ مندرجۂ بالا صورت سے وصول شدہ رقومات سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

طالب علموں سے کوئی فیس لی نہیں جاتی؛ البتہ دینی تعلیم کی ضرورت محسوس کرنے والے چند حضرات نے ہر ماہ حتی المقدور امداد کرنے کا اظہار کیا ہے؛ لیکن امداد کرنے

والوں کی تعداد قلیل ہے، ماہانہ وصولی کم اور خرچ زیادہ، برائے کرم آسان زبان میں مفصل جواب دیں تا کہ بآسانی سمجھ میں آجائے اور ادارہ صحیح، درست اور جائز طریقہ سے قائم ہو، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زمین کے متعلق سوال میں یہ تو لکھا گیا کہ وہ ''مسجد کے لیے تھی''، لیکن اس کی تصریح نہیں کی گئی کہ مسجد کے لیے کیسے ہوئی؟ یعنی مسجد کی کسی ضرورت کے لیے ان لوگوں نے خریدا تھا، یا اس کی آمدنی مسجد میں خرچ کی جائے اس مقصد کے لیے اصل مالک نے مسجد کے لیے وقف کیا تھا، اگر دوسری صورت ہے تو اب اس میں مدرسہ بنانا درست نہیں؛ بلکہ واقف نے جس مقصد کے لیے وقف کیا ہے اسی کے مطابق اس کا نظم ونسق ضروری ہے۔

فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع (شامی ۳ /۳۹۵)

شرط الواقف كنص الشارع. (درمختار علی هامش الشامی ۳ /٤٥٦)

اور اگر مسجد کی ضرورت کے لیے خریدا گیا تھا، اور اب مسجد کو ضرورت نہیں رہی، تو اگر مسجد کی رقم سے خریدا گیا تھا تو اس کی قیمت مسجد کے حساب میں داخل کرنا ضروری ہے۔

اشترى المتولى بمال الوقف دارا للوقف، لا تلحق بالمنازل الموقوفة، ويجوز بيعها فى الاصح. (درمختار) قال العلامة الشامى قلت: وفى التاترخانية والمختار انه يجوز بيعها ان احتاجوا اليه (شامی ۳ /٤٤٥)

زکوۃ وصدقاتِ واجبہ وچرمِ قربانی وصدقۃ الفطر اور اس جیسی واجب التملیک رقومات کو ''صرف ان ضروریات پر خرچ کیا جائے جن کا تعلق فقراء وطلباء سے ہے، مثلاً ان کا طعام ولباس، دواء وعلاج، ان کی رہائشی ضرورتیں، ان کے لیے کتابوں کی

خریداری وغیرہ'' ۔ (فتاویٰ دار العلوم مطبوعہ کراچی ۲/۱۰۸۶)

اور جو رقوم دینے والے کی طرف سے کوئی خاص مد متعین کر کے دی جائیں، مثلاً کمرہ کی تعمیر، یا استاذ کی تنخواہ یا کوئی خاص فرنیچر خریدنے کے لیے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ان کو دینے والے کی ہدایت اور منشاء کے مطابق خرچ کرنا لازم ہے۔ (نظام الفتاویٰ ۱/۹۴)

اور جو رقوم عطیہ یا ہدیہ وتحفہ کے طور پر ملیں ان کو کمیٹی نے جو ضابطہ اس کے خرچ کا حدودِ شرع میں رہتے ہوئے مقرر فرمایا ہے، اس کے مطابق خرچ کرے۔ (نظام الفتاویٰ ۱/۹۶)

یہ رقمیں تعمیری کاموں میں، فرنیچر کی خریداری میں، مدرسین وخدام کی تنخواہوں میں، طلبہ کی ضروریات میں؛ الغرض مدرسہ کی تمام ضروریات (جو کمیٹی نے حدودِ شرع میں متعین فرمائی ہیں ان) میں خرچ کر سکتے ہیں، نمبر اول کی رقومات (جو واجب التملیک ہیں ان) کو بغیر تملیکِ شرعی کے تعمیری کاموں اور مدرسین وخدام کی تنخواہوں میں استعمال کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کے مکانات کے کرایہ کا مصرف

سوال: بعض جگہ مسجد کی طرف سے جو کوارٹر یا روم کرایہ پر دیے جاتے ہیں، اب اس سے حاصل شدہ رقم کا کیا مصرف ہے، کیا اس سے مدرس کی تنخواہ دی جا سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوارٹر یا روم مسجد کی آبادکاری کے لیے ہیں تو وہ رقم مسجد کی آبادکاری میں استعمال

کی جائے، اور اگر مؤذن یا امام کی تنخواہ کے لیے ہیں تو وہ رقم مؤذن یا امام کی تنخواہ میں استعمال کی جائے، مدرس کی تنخواہ میں نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

للہ مد کے علاوہ مسجد کو ہونے والی دیگر آمدنی کا مصرف

سوال: چند سال پہلے مسجد کی للہ رقم اور دیگر آمدنی (بزنس اکاؤنٹ) کو ایک ہی اکاؤنٹ میں جمع کرتے تھے، بعد میں ایک مفتی صاحب کے کہنے پر دونوں اکاؤنٹ کو جدا کر دیا گیا، للہ رقم کا اکاؤنٹ جس کو مسجد کے اکاؤنٹ کا نام دے دیا گیا، اور بزنس اکاؤنٹ جس کو مسجد والوں نے مدرسہ کا اکاؤنٹ کا نام دے دیا، ان کو الگ الگ کر دیا گیا۔ اب مسئلہ اس دوسرے اکاؤنٹ کے متعلق ہے:

(۱) اس دوسرے اکاؤنٹ میں دیگر اخراجات (تجارت) کی آمدنی آتی ہے، جیسے کفن دفن، میت کو غسل دینا، شادی بیاہ کی تقریب، فوٹو کاپی کا مشین چلانا، کتب خانہ، برتن، فون وغیرہ؛ کیا اس رقم سے علما کی آمد پر اُن کو کھانا کھلانا، مدرسہ میں پڑھنے والے طلبا کو انعام دینا، ممتحن حضرات کو کھانا کھلانا اور ساتھ میں کمیٹی والے بھی کھاتے ہیں، درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح غیر مسلم جن میں اسکول و کالج کے طلبا آتے ہیں اور ہم ان کو ٹھنڈا (ڈرنک) پلاتے ہیں، اور حکومت کے آدمی پولیس وغیرہ جن کو ہم بلاتے ہیں اور ان کو کھانا بھی کھلایا جاتا ہے، اور ایسے موقع پر مسجد کا فائدہ بھی ہوتا ہے، تو اس دوسرے اکاؤنٹ سے رقم لینا درست ہے یا نہیں؟

مسجد کے پارک میں جلنے والی بجلی مسجد سے لینا

سوال: ② مسجد کا کار پارک ہے اس میں گاڑی لے کر آنے والے مقتدیوں کے لیے (ان کی سہولت کے لیے) بجلی جلائی جاتی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

مسجد کی دکان میں جلنے والی بجلی کے مصارف کس مد سے؟

سوال: ③ مسجد کی ایک دکان ہے جو مسجد ہی کے احاطے میں ہے، اس میں مسجد کی بجلی استعمال ہوتی ہے، اور ساتھ ساتھ میت کو غسل دینے کے لیے گرم پانی کے لیے مسجد کا گیس اور بجلی استعمال ہوتی ہے، تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① بزنس اکاؤنٹ میں سے سوال میں مذکور مصارف لیے جا سکتے ہیں؛ لیکن آپ کی زبانی گفتگو سے معلوم ہوا تھا کہ برتن اور فوٹو کاپی مشین وغیرہ بعض اشیا (جن کی آمدنی بزنس اکاؤنٹ میں ڈالتے ہیں) آپ نے اصالۃً مسجد کی رقم سے خریدی تھیں، آپ نے آئندہ کے لیے اکاؤنٹ تو الگ کر دیا؛ لیکن ان اشیا کی قیمت مسجد اکاؤنٹ میں جمع نہیں کی ہے، ممبران سے جو رقم آپ حضرات وصول فرماتے ہیں وہ ان کی اجازت لے کر الگ جمع رکھیں، اور پھر اس میں سے ان اشیا کی قیمت مسجد اکاؤنٹ میں جمع کر دیں، جیسا کہ آپ کو زبانی سمجھایا گیا ہے۔

② مسجد کے لیے رقم دینے والے جانتے ہیں کہ یہ بھی ضروریات مسجد میں سے ہے؛ اس لیے عرفاً اس کی اجازت ہے۔

③ دکان میں استعمال ہونے والی بجلی کے مصارف دکان کی آمدنی میں سے مسجد کو دیے جائیں۔ غسلِ میت کے لیے استعمال ہونے والی بجلی اور گیس کے مصارف بزنس اکاؤنٹ میں سے مسجد اکاؤنٹ میں ڈالے جائیں۔

نوٹ: آپ نے بزنس اکاؤنٹ کو مدرسہ کے اکاؤنٹ کا نام دیا ہے، اس میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ جو رقم خالص مدرسہ کے لیے دی جائے اس کو مدرسہ کے علاوہ کسی کام میں استعمال نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳؍ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ورزش کے لیے مسجد کی بجلی کا استعمال

سوال: ایک میدان ہے اس کے آس پاس چند گھر اور ایک مسجد ہے۔ اور اس میدان میں چند لڑکے ورزش کرتے ہیں اور ان کو لائٹ کی ضرورت ہے۔ ہر چند کوشش کی کہ آس پاس کے گھر والے لائٹ دے دیں مگر نا کافی ہوئی بعد میں مسجد کے ذمہ دار حضرات سے بات چیت کی تو وہ لائٹ دینے پر راضی ہو گئے۔ اور وہ لڑکے کچھ رقم لائٹ دینے کے عوض بہ طور لائٹ بل کے دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ لڑکے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کئے کہ ہر ایک لڑکا ۵ روپئے ہر ماہ لائٹ بل کے نکالیں اور ان پیسوں کو جمع کر کے مسجد میں دے دیں اور ان لڑکوں میں بہت سے ابھی نابالغ ہیں مگر ان کے والدین کو یہ بات معلوم بھی ہے کہ ہمارے لڑکے ورزش کرنے کے لیے جاتے ہیں اور ان کو اتنی رقم لائٹ بل کے لیے دینا پڑتا ہے اور والدین وہ رقم دینے کے لیے راضی

بھی ہیں مگر والدین وہ رقم خود مسجد کے ذمہ داروں کو نہیں دیتے بلکہ ان نابالغ لڑکوں کے ساتھ بھجواتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح مسجد سے لائٹ لینا اور اس طرح بچوں کا پیسے لے کر مسجد میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل تو یہ ہے کہ اس کے لیے روشنی کا انتظام خود کرلیں مسجد کی بجلی استعمال نہ کریں۔ حد تو یہ ہے کہ مسجد میں بتی جلانے کا جو وقت مقرر ہے اس کے علاوہ دیگر اوقات میں قرآن کی تلاوت یا دینی کتابوں کے مطالعہ کے لیے بھی مسجد کی بتی استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: "هل يجوز ان يدرس الكتاب بسراج المسجد؟ والجواب فيه انه ان كان موضوعا للصلوة فلا بأس به وان وضع لا للصلوة فان فرغوا من الصلاة و ذهبوا فان اخر الیٰ ثلث الليل لا بأس به وان اخر اكثر من ثلث الليل ليس له ذلك". (۵/۳۲۲)

البتہ مسجد ان بچوں کو معاوضہ لے کر بجلی دیتی ہے اور اس میں مسجد کا فائدہ ہے اور ان کو بجلی دینے میں اس وقت یا آئندہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے تو ذمہ داران مسجد کے لیے اس کی گنجائش ہے۔ معاوضہ کی رقم حقیقت میں تو بچوں کے ماں باپ ہی ادا کر رہے ہیں انہیں کا مال ہے بچے صرف واسطہ بن رہے ہیں۔ اس لیے اس رقم کی وصول یابی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مکتب کا خرچ لینا

سوال: ④ برمنگھم انجمن اسلام کے نام سے چندہ کرکے ایک مکان خریدا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ وہاں پنج وقتہ نماز اور چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیے مکتب چلایا جائے، اس ادارہ کے ماتحت مسجد صدام حسین کے تعمیر ہونے کے بعد نماز وہاں ادا ہونے لگی، اور مکتب اس پرانے مکان میں چلتا تھا۔ مکتب کا مطلب یہ ہے کہ بچے روزانہ شام کو اسکول سے فارغ ہوکر ڈھائی گھنٹے ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور ان سے معمولی فیس ہفتے میں ڈیڑھ دو پاؤنڈ لیا جاتا ہے، اور اگر فیس کا اضافہ کیا جائے تو والدین کے لیے دشوار ہوتا ہے، بچوں کی جو فیس آتی ہے اس سے مکتب کا خرچ یعنی مدرس کی تنخواہ، بجلی، گیس، پانی وغیرہ پورا نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس خرچ کو پورا کرنے کے لیے اس ادارہ کے ماتحت بجنس اکاؤنٹ سے مکتب کا خرچ پورا کرتے ہیں، تو کیا بجنس اکاؤنٹ سے مکتب کا خرچ پورا کرسکتے ہیں؟

⑤ اس پرانے مکان میں مستورات کی تبلیغی تعلیم ہوتی ہے، اور جو عورتیں قرآن پڑھی ہوئی نہیں ہیں ان کو قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے، اور یہ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ فی سبیل اللہ ہوتا ہے، کہ متعلمات سے فیس نہیں لی جاتی اور معلمات تنخواہ نہیں لیتیں؛ لہٰذا مذکورہ عورتیں یہ مکان استعمال کرسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

④ بزنس اکاؤنٹ سے مکتب کا بقیہ خرچ پورا کیا جاسکتا ہے۔

⑤ یہ استعمال بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ رجمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

احاطۂ مسجد کے مختلف حصوں کے نام اور حدود ممتاز کرنے کا حق

سوال: ① مسجد کسے کہتے ہیں؟ احاطۂ مسجد کے مختلف حصوں کو الگ الگ ناموں سے موسوم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً جماعت خانہ، صحن مسجد، متعلقاتِ مسجد، مسجد شرعی، داخل مسجد، خارج مسجد وغیرہ۔ اگر کیا جاسکتا ہے تو احکام مسجد کے پیش نظر داخل مسجد کی حدود کو متعین کرنا، وہاں کوئی علامت، اسٹیکر، کالی یا ہری پٹی کے ذریعہ نشان دہی کرنا کیسا ہے؟

② مساجد میں صحن اور فناء بھی ہوتا ہے؟ صحن اور فناء کسے کہیں گے؟ اور دونوں ایک ہی ہیں یا علاحدہ علاحدہ؟ دونوں کا حکم کیا ہے؟ اور کبھی کسی حالت میں یہ مسجد سے خارج ہوتے ہیں یا نہیں؟

③ احاطۂ مسجد میں شامل تمام حصوں کے ممتاز کرنے کی ذمہ داری یا اختیار کس کو ہے؟ واقف مسجد یا بانیٔ مسجد کو یا متولیان مسجد کو؟ بانی و واقف کے انتقال کے بعد متولیان مسجد حدود متعین کرسکتے ہیں یا نہیں؟

④ مسجد کے نام پر وصول کیا گیا چندہ متعلقات مسجد پر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

⑤ مسجد میں داخل ہونے کی دعا اور اعتکاف کی نیت کہاں سے کی جائے گی؟

⑥ ہمارے شہر مالیگاؤں کے چند علماء بشمول مفتیان کرام شہر کی تمام مساجد کا

سروے کر کے مساجد کی حدود کو ممتاز کرنے کا کام کرنا چاہ رہے ہیں؛ تاکہ معتکفین کو لاحق پریشانی کا خاتمہ ہو اور دیگر احکام مسجد کی بجا آوری اور مسجد کی حرمت کا لحاظ ہو سکے، ان کا یہ اقدام کہاں تک درست ہے؟ ضروری ہے یا نہیں؟ اور یہ کام واقفین مسجد و بانیین مسجد کی عدم موجودگی کی صورت میں موجودہ ٹرسٹیان و انتظامیہ سے گفت وشنید کر کے کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری نوراللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: ''مسجد ایسی جگہ، ایسی زمین اور ایسے مکان کا نام ہے، جس کو کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت، فرض نماز ادا کرنے کے لیے وقف کر دیا ہو، اس پر عمارت اور تعمیر، در و دیوار اور چھت یا چھپر کا ہونا شرط نہیں، مذہب حنفی کی معروف ومعتبر مستند کتاب ''طحطاوی، شرح درمختار'' میں ہے۔ واعلم انه لایشترط فی تحقق کونه مسجداً البناء یعنی جان لو کہ مسجد کے تحقق (مسجد قرار دیے جانے) کے لیے بناء (تعمیر) ہونا شرط نہیں۔ (طحطاوی ۲/۵۳۶) (قاضیخان ۴/ ۷۱۲)

جگہ زیادہ ہو تو مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک عمارت والا، دوسرا خالی، عمارت والی جگہ میں موسم باراں وسرما میں نماز پڑھی جاتی ہے، جس کو مسجد شتوی اور جماعت خانہ سے تعبیر کرتے ہیں، بلا عمارت کی جگہ میں موسم گرما میں نماز پڑھی جاتی ہے، جس کو مسجد صیفی اور صحن مسجد سے تعبیر کرتے ہیں، جس طرح بارش اور سردی کے موسم میں جماعت خانہ میں نماز باجماعت ہوتی ہے، اسی طرح گرمی میں صحن مسجد میں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے، یہ دونوں حصے مسجد میں شامل ہیں۔ فقہ حنفی کی مشہور ومعتبر اور

مستند کتاب شامی میں ہے: وان کان للمسجد موضعان مسجد شتوی، أو مسجد صیفی. (۱/ ٦٧١)

اس عبارت میں گرمی وسردی دونوں موسم کی مسجد کا ذکر ہے، اور دونوں کو مسجد ہی کہا گیا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۵۸)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک تو وہ حصہ جو مہیا للصلوۃ یعنی ادائے نماز وعبادت کی غرض سے بنایا جاتا یا معین کیا جاتا ہے، دوسرا وہ حصہ جو پہلے حصہ (مہیا للصلوۃ) سے خارج؛ مگر احاطۂ مسجد یا فناء مسجد میں شامل ہوتا ہے، ان دونوں حصوں کے احکام جدا جدا ہیں، پہلے حصہ میں ناپاک (جنابت والے انسان اور حیض ونفاس والی عورت) کا داخل ہونا حرام ہے، اور اس میں نماز پڑھنے والے کو مسجد کا ثواب ملتا ہے، اس میں بیع وشراء ناجائز ہے، معتکف کو اس حصہ کے اندر رہنا لازم ہے، یہ حصہ اوپر آسمان تک اور نیچے تحت الثری تک مسجد کا حکم رکھتا ہے، دوسرے حصے میں جو مہیا للصلوۃ سے خارج ہے، ناپاک آدمی داخل ہو سکتا ہے، اس میں نماز پڑھنے والے کو مسجد کا ثواب نہیں ملتا، اس میں بیع وشراء حرام نہیں ہے، معتکف اس حصہ میں بغیر عذر شرعی چلا جائے، تو اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے، اور اس کا یہ حکم نہیں کہ اوپر آسمان تک اور نیچے تحت الثری تک مسجد کے احکام جاری کئے جائیں۔ (کفایت المفتی ۳/ ۱۵۵)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: کسی جگہ کے مسجد ہونے کے لیے یہ باتیں ضروری ہیں:

(ا) واقف نے (جو صحیح طور پر زمین کا مالک تھا اور وقف کرنے کا اختیار شرعی رکھتا تھا) اس کو مسجدیت کے لیے وقف کیا ہو، خواہ وہ زمین خالی عن العمارۃ ہو یا عمارت بھی ہو۔

(۲) اس کو اپنی ملک سے ایسی طرح پر علاحدہ کر دیا ہو کہ کسی دوسرے شخص کا یا خود واقف کا کوئی حق متعلق نہ رہے۔ (۳) وقف کر کے اس کو متولی کے سپرد کر دیا ہو یا واقف کی اجازت سے اس میں ایک مرتبہ بھی نماز با جماعت ہو گئی ہو۔

جس زمین یا عمارت میں یہ باتیں متحقق ہو جائیں وہ مسجد ہو جائے گی، ان میں سے پہلی بات یعنی مسجدیت کے لیے وقف کرنا واقف کی نیت سے متعلق ہے، اگر نیت کی تصریح موجود ہو تب تو کوئی اشکال ہی نہیں؛ لیکن اگر تصریح نہ ہو تو پھر قرائن سے اس کی نوعیت متعین کی جا سکتی ہے۔ (کفایت المفتی ۳/۱۶۹)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ”حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک وقت میں مسجد میں نالی، لوٹا، حوض، کنواں، نل، پانی، غسل خانہ، کھڑکی، پنکھا، بجلی وغیرہ کسی چیز کا انتظام نہیں تھا، مسجد کی چھت بھی ایسی تھی کہ دھوپ بھی بارش بھی اس میں کو آتی تھی، غرض بہت سادہ جگہ تھی، اس پر دری اور چٹائی بھی نہیں تھی، یہ سب چیزیں آہستہ آہستہ مسجد سے متعلق کی جاتی رہی ہیں؛ حتی کہ بعض علاقوں میں مہمان خانہ بھی مسجد سے متعلق ہوتا ہے، وہاں بسترے رہتے ہیں، امام اور مؤذن کے رہنے کے لیے کمرہ بھی ہوتا ہے، بعض جگہ مدرسہ بھی ہوتا ہے، جس میں بچے تعلیم پاتے ہیں، بعض جگہ پیشاب خانہ اور بیت الخلاء بھی نمازیوں کی سہولت کے لیے ہوتا ہے، خاص کر بڑے شہروں میں جہاں بکثرت باہر کے آدمی زیادہ آتے ہوں، اگر ضرورت رفع کرنے کی جگہ وہاں نہ ہو تو ان کو بڑی دشواری ہوتی ہے، اگر باہر کے آدمی زیادہ نہ آتے ہوں؛ بلکہ عامۃً مقامی آدمی نماز پڑھتے ہوں، جن کو اللہ نے گھر دیا ہے، اور وہاں سب ضرورت کی چیزیں موجود ہیں، تو پھر محض شان و شوکت دکھانے کے لیے

ایسی چیزیں مسجد سے متعلق جگہ میں نہ بنائی جائیں‘‘۔(فتاویٰ محمودیہ کراچی ۱۴/ ۵۴۱-۵۴۲)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ’’صحن مسجد کا اطلاق دو معنوں پر کیا جاتا ہے: اول مسجد کے اس غیر مسقّف حصہ کو صحن کہتے ہیں جو مہیا للصلوۃ تو ہوتا ہے، یعنی نماز و جماعت ادا کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے؛ لیکن بغیر چھت کے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ دوم اس حصہ کو بھی صحن کہہ دیا جاتا ہے، جو موضع مہیا للصلوۃ کے مسقّف اور غیر مسقّف حصہ کے بعد خالی زمین یا فرش کی صورت میں چھوڑ دیا جاتا ہے؛ مگر وہ نماز و جماعت ادا کرنے کے لیے نہیں بنایا جاتا۔

پہلے معنی کے لحاظ سے تو صحن مسجد کا ہی ایک حصہ ہے، اور اس کے احکام مسجد کے احکام ہیں، اس میں حوض اور نالی وغیرہ بنانا جائز نہیں؛ کیوں کہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہو جائے اور اس کو نماز کے لیے مخصوص کر دیا جائے، پھر اس کو کسی دوسرے کام میں نہیں لا سکتے، اور دوسرے معنی کے لحاظ سے صحن ایک علاحدہ چیز ہے، یعنی اگر چہ وہ مسجد کے ساتھ وقف ہونے میں شامل ہے؛ مگر مسجد کے احکام اس کے لیے ثابت نہیں، اس میں جوتیاں پہن کر جانا، جنابت کی حالت میں گزرنا جائز ہے، مسجد کی توسیع کی ضرورت سے اس کو مسجد میں شامل کر لینا یا اس میں حوض اور وضو کی نالی بنا لینا جائز ہے، اگر وہ مسجد میں ایک مرتبہ شامل کر لیا جائے گا، تو پھر وہ مسجد کے حکم میں ہو جائے گا، اسی صحن بالمعنی الثانی کے کسی ایسے گوشے میں جو نفس مسجد سے دور ہو، پائخانہ بنا لینا بھی جائز ہے؛ بشرطیکہ اس کی بدبو مسجد تک نہ پہنچے، مسجد کو منہدم کر کے صحن بنا لینا بالمعنی الاول جائز ہے، اور مسجد کو صحن بالمعنی الثانی بنانا ناجائز ہے۔(۳/ ۱۵۶-۱۵۷)

اکابر کی کتب فتاوی سے نقل کئے گئے اقتباسات بالا سے معلوم ہوا کہ احاطۂ مسجد

کے مختلف حصوں کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جا سکتا ہے، چوں کہ بعض احکام کے اعتبار سے ان کے مختلف حصوں میں فرق کیا جاتا ہے، اس لیے ایسا کرنا ضروری ہے اور ایک حصہ کو دوسرے سے ممتاز کرنے کے لیے کسی علامت کے ذریعہ نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

② جواب نمبر ۱ رکے اخیر میں کفایت المفتی سے اقتباس اوپر نقل کیا گیا ہے، اس میں اس کا جواب آچکا۔

③ کوئی آدمی اگر تعمیر مسجد کے لیے اپنا قطعہٴ زمین وقف کر کے اپنی ذاتی رقم سے مسجد تعمیر کر رہا ہے، تب تو ان تمام حصوں کی تعیین اور تمیز کا اختیار اسی کو ہے، اور اگر کسی نے مسجد کے لیے قطعہٴ زمین وقف کر کے تعمیر مسجد کا کام متولیان مسجد کے حوالہ کر دیا کہ وہ اپنی صواب دید سے جس طرح چاہیں مسجد تعمیر کریں، اس صورت میں یہ اختیار ان کو حاصل ہوگا۔

رہی بات بانی وواقف کے انتقال کے بعد متولیان مسجد کا حدود کو متعین کرنا، تو چوں کہ ایک جگہ جب ایک مرتبہ شرعی مسجد بن چکی تو وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اس کو مسجدیت سے خارج کرنے کا کسی کو اختیار نہیں، اس لیے بانی وواقف کے انتقال کے بعد متولیان مسجد کو یہ اختیار تو نہیں کہ بانی وواقف نے احاطہٴ مسجد کے جس حصہ کو مسجد شرعی قرار دیا ہے اس میں کوئی تغیر وتبدل کر سکیں؛ البتہ احاطہٴ مسجد کے دیگر حصے جن کا تعلق مصالح مسجد سے ہے، ان میں زمانہ اور نمازیوں کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے تغیر وتبدل کریں اس کا ان کو اختیار رہے، مثلاً: ایک مدت کے بعد نمازیوں کی کثرت کے پیش نظر مسجد میں توسیع کی ضرورت محسوس کی گئی، اس صورت میں اگر

متولیان مسجد احاطۂ مسجد کا وہ حصہ جہاں بانی وواقف نے وضوخانہ یا طہارت خانہ بنوایا تھا، ان کو ختم کر کے مسجد شرعی میں شامل کرلیں، یا اسی طرح کا کوئی تصرف کرنے کا متولیان مسجد کو اختیار ہے۔

④ اگر چندہ دینے والوں کا اذن صراحۃً یا دلالۃً موجود ہے تو جائز ہے، ورنہ ناجائز۔ (احسن الفتاویٰ ٦/ ٤٥٤)

آج کل جیسا کہ دستور ہے کہ مسجد کے لیے جس وقت چندہ کی اپیل کی جاتی ہے اس وقت مسجد کا پورا نقشہ کہ اس میں کیا کیا چیزیں بنائی جائیں گی، لوگوں کو بتلایا جاتا ہے، اگر ایسا کیا گیا ہے، تو نقشہ میں جن جن چیزوں کے بنانے کا تذکرہ ہے اس چندہ سے وہ بنائی جاسکتی ہیں۔

⑤ احاطۂ مسجد میں جو حصہ مسجد شرعی کے طور پر مخصوص کیا گیا ہے، اس میں داخل ہوتے وقت دعا پڑھی جائے، اور اعتکاف کی نیت کی جائے۔

⑥ جیسا کہ اوپر کے جوابات سے معلوم ہوا کہ احاطۂ مسجد میں واقع مختلف حصوں کے احکام الگ الگ ہیں، اور ان احکام شرعیہ کا لحاظ اور اس کی رعایت اسی وقت ممکن ہے، جب کہ یہ سب حصے الگ الگ طور پر ممتاز کردیے جائیں، اس لیے ان حضرات علماء اور مفتیان کرام کا یہ ارادہ قابل تحسین ہے؛ البتہ اس کے لیے موجود ٹرسٹیان اور انتظامیہ سے گفت وشنید کر کے ان کو اعتماد میں لینا ضروری ہے؛ تاکہ کوئی فتنہ نہ ہو؛ نیز اس کام کی انجام دہی میں احکام شرعیہ کو پوری احتیاط کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے، خصوصاً واقفین مسجد اور بانیین مسجد کی عدم موجودگی میں کوئی ایسا حصہ جس کے مسجد شرعی کا جز ہونے کے قرائن موجود ہوں یا امکان ہو، اس کو خارج مسجد قرار نہ دیا جائے۔

وعلی هذا القیاس. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ   الجواب صحیح عبد القیوم راجکوٹی

مسجد میں لڑکیوں کو تعلیم دینا

سوال: مدرسہ کے لیے کوئی اور جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مدرسہ، مسجد کے جماعت خانہ ہی میں چلتا ہے، لہذا اس صورت میں لڑکیوں کو کتنی سال کی عمر تک مسجد میں تعلیم دے سکتے ہیں؟ اور بالغ لڑکیوں کا کیا حکم ہے؟ اور جماعت خانہ میں مدرسہ چلانے میں کچھ حرج ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جو شخص مصالحِ مسجد کے لیے مثلاً: حفاظت مسجد کے لیے یا دوسری جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے اس کو جائز ہے، اور محض پیشہ بنا کر مسجد میں بیٹھنا اور تعلیم دینا نا جائز ہے، اور احترام مسجد کے خلاف ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۶/۱۸۶)

بالغ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے عورت مقرر کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری